گمراہ کن عقائد ونظریات
اور
صراطِ مستقیم
حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ
www.besturdubooks.wordpress.com
مکتبہ لدھیانوی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

جو کام خلوص و اخلاص سے کیا جائے اس کو دوام و بقا نصیب ہوتا ہے، اور جو کام ریا اور دکھلاوے کی غرض سے کیا جائے، اگرچہ چند دن تک تو اس کی چمک دمک رہتی ہے، مگر جلد ہی اس کا نام و نشان مٹا دیا جاتا ہے۔

مشہور ہے کہ امام مالکؒ نے جب ''مؤطا امام مالک'' لکھی تو لوگوں نے کہا حضرت! لوگوں نے بھی مؤطا لکھی اور آپ نے بھی اس کا فائدہ؟ آپؒ نے فرمایا: ''یہ تو وقت بتلائے گا کہ کس نے اللہ کے لئے لکھی تھی؟'' چنانچہ حضرت امام مالکؒ کے خلوص و اخلاص کی برکت ہے کہ آج دنیا سوائے ''مؤطا امام مالک'' اور ''مؤطا امام محمدؒ'' کے کسی دوسرے ''مؤطا'' اور اس کے مصنف کو نہیں جانتی، تیرہ صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی اس کو وہی اہمیت حاصل ہے جو پہلے دن تھی۔ لیکن ''مؤطا'' کے نام سے لکھی گئی دوسری کتابوں کا آج دنیا میں نام و نشان نہیں۔

ہمیشہ سے یہ اصول چلا آرہا ہے کہ اکابر علمائے امت نے زندگی بھر اپنے آپ کو چھپایا اور اپنے کام کی نفی کی، یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی میں ان کی دینی خدمات

نمایاں طور پر نظر نہیں آیا کرتیں، اور نہ ہی وہ اپنی ذات اور کام کو نمایاں کرنے کے قائل و روادار ہوتے ہیں، لیکن ان کے بعد اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص کی برکات کا اس قدر اظہار فرماتے ہیں کہ دنیا حیران و ششدر رہ جاتی ہے، اور سوچتی رہ جاتی ہے کہ محدود وسائل اور مختصر زندگی میں ایک اکیلے آدمی نے اتنے سارے کام کیسے کر لئے؟

ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے کارناموں کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح ہے کہ انہوں نے زندگی بھر اپنے آپ کو اور اپنے کام کو چھپایا، اور ظاہر نہیں ہونے دیا، چنانچہ آپؒ نے کس کس عنوان سے، کس کس میدان میں اور کیا کیا خدمات انجام دیں؟ اس کا صحیح معنی میں ہمیں اندازہ ہی نہیں۔

آپؒ کے علمی کارناموں میں سے صرف تحریری مواد کا جائزہ لیا جائے تو وہ اتنا وسیع ہے کہ آپؒ کی شہادت کو تین سال ہونے کو آئے ہیں مگر ہم ابھی تک ان کی تمام تحریروں کو منصۂ شہود پر لانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

بہرحال مقام شکر ہے کہ آپؒ کے تحریری سرمایہ میں سے تقریباً ۱۸ مضامین و مقالات کا ایک نیا مجموعہ ''گمراہ کن عقائد ونظریات اور صراطِ مستقیم'' کے نام سے حاضر خدمت ہے۔

تصحیح و تخریج کی حتی الوسعت کوشش کی گئی ہے، خصوصاً ''الناھیۃ عن طعن امیر المؤمنین معاویہؓ'' کے عربی متن کی اغلاط کی تصحیح کے لئے اس کے متعدد قدیم و جدید نسخے جمع کئے، سوائے دو جگہ کے بحمداللہ پورے متن کی تصحیح ہوگئی، مگر ان دو جگہوں کی اغلاط تقریباً تمام نسخوں میں مشترک تھیں، اس لئے اس کی تصحیح نہیں ہو سکی، اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو امت مسلمہ کی راہ نمائی، ہماری مغفرت اور حضرت شہیدؒ کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے، آمین!

خاکپائے حضرت لدھیانوی شہیدؒ

سعید احمد جلال پوری

فہرست

آغاخانی مذہب......چند ضروری معلومات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

آغاخانیوں کے جن عقائد کی بنا پر ''آغاخانی کافر ہیں، علمائے اسلام کا متفقہ فتویٰ'' کے نام سے ایک فتویٰ شائع کیا جارہا ہے، ان عقائد کا خلاصہ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب مفتی اعظم پاکستان کی تحریر میں ہے، اور اس کی کافی تفصیل دارالعلوم کراچی کے فتوے میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے، لیکن آغاخانیوں کے بارے میں چند ضروری مباحث کا ذکر کردینا ضروری ہے، جن سے قارئین کو آغاخانی مذہب کے بارے میں کافی حد تک بصیرت حاصل ہوسکے۔

۱:......آغاخانی سلسلۂ امامت

اسماعیلی مذہب میں سلسلۂ امامت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، ان کے نزدیک حاضر امام کا فیصلہ ناطق ہے، اس لئے سب سے پہلے ان کے سلسلۂ امامت پر نظر ڈالنا ضروری ہے، ان کے یہاں ائمہ کا سلسلہ حسب ذیل ہے:

	آغازِ امامت:	وفات:
۱:......حضرت علی رضی اللہ عنہ	تین سال قبل از ہجری	۴۰ھ
۲:......حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما	۴۰ھ	۶۱ھ
۳:......حضرت زین العابدین علی بن حسینؒ	۶۱ھ	۹۴ھ
۴:......حضرت محمد باقرؒ	۹۴ھ	۱۱۴ھ
۵:......حضرت جعفر صادقؒ	۱۱۴ھ	۱۴۸ھ

جعفر صادقؒ کے بعد فرقہ امامیہ میں مسئلہ امامت پر اختلاف ہوا، فرقہ اثنا عشریہ نے حضرت جعفر صادقؒ کے صاحبزادے موسیٰ کاظمؒ کو امام مانا، اور اسماعیلی آپؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل بن جعفر کی امامت کے قائل ہوئے۔

ڈاکٹر زاہد علی صاحب ''تاریخ فاطمین مصر'' میں ''عام مؤرخین کی غلطیاں'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

> ''جہاں کہیں عام مؤرخین نے سلسلۂ نسل ائمہ کا ذکر کیا ہے، وہاں حضرت علیؓ کو امام اول بتایا ہے، اور اس طرح سلسلہ قائم کیا ہے: (۱) حضرت امام علیؓ۔ (۲) امام حسنؓ۔ (۳) امام حسینؓ۔ (۴) امام علی زین العابدینؒ۔ (۵) محمد الباقر۔ (۶) امام جعفر صادق۔ (۷) امام اسماعیل۔ اس طرح امام اسماعیل کو ساتواں امام شمار کیا ہے، حالانکہ حضرت علیؓ عقائد اسماعیلیہ کے مطابق امام اول نہیں ہیں، اسماعیلیوں کے ہاں امامت کا سلسلہ حضرت امام حسنؓ سے شروع ہوتا ہے، حضرت علیؓ تو اساس اور وصی ہیں، البتہ فرقہ اثنا عشریہ نے حضرت علیؓ کو بھی ائمہ کے سلسلہ میں شریک کیا ہے، اس طرح سے ان کے عقیدے کے مطابق بارہویں امام محمد المنتظر ہیں، مؤرخین نے اسی پر قیاس کر کے

ائمہ فرقہ اسماعیلیہ کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کو بھی امام اول قرار دیا ہے۔ لیکن اسماعیلیہ کے عقیدے کی رو سے یہ بالکل غلط ہے، ان کے ہاں حضرت امام حسنؓ پہلے امام ہیں، اور ساتویں امام اسماعیل کے فرزند محمد ہیں، جو ''سابع النطقا'' کہے جاتے ہیں، اسماعیلی عقائد کا بڑا دارو مدار اس عدد پر ہے۔''

(تاریخ فاطمیین مصر ج:۱ ص:۲۶ طبع نفیس اکیڈمی کراچی)

لیکن آغا خانی ائمہ کی مستند تاریخ جو ''نورِ مبین'' کے نام سے آغا خان ثالث کے دور میں لکھی گئی اور ''تاریخ ائمہ اسماعیلیہ'' جو حال ہی میں خود آغا خان کی طرف سے کراچی سے شائع ہوئی ہے، ان میں امام اول حضرت علیؓ کو قرار دیا گیا ہے، اور امام دوم حضرت حسینؓ کو، حضرت حسنؓ کو سلسلۂ ائمہ میں سرے سے لیا ہی نہیں گیا، چنانچہ ''نور مبین'' کی عبارت درج ذیل ہے:

''حضرت امام حسین (سن امامت از سنہ ۴۰ھ تا ۶۱ھ)''

''کوفہ کی مسجد میں جب حضرت علیؓ کو عبدالرحمٰن بن ملجم نے شہید کیا تو مسند امامت پر حضرت امام حسین جلوہ افروز ہوئے۔''

(ص:۴۸، ۴۹)

تاریخ ائمہ اسماعیلیہ کی عبارت درج ذیل ہے:

''حضرت امام حسینؓ دور امامت ۴۰ھ تا ۶۱ھ، ۶۶۱ء تا ۶۸۰ء۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ۲۱؍رمضان ۴۰ھ، ۲۸؍جنوری ۶۶۱ء کو حضرت امام حسین مسند امامت پر جلوہ افروز ہوئے، اس وقت آپ کی عمر ۳۶ سال کی تھی۔''

(ج:۱ ص:۱۱۶، ۱۱۷)

ڈاکٹر زاہد علی نے ''تاریخ فاطمین مصر'' میں آغا خانی سلسلۂ امامت میں کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

''امام جعفر صادق کے ترتیب عمر کے لحاظ سے سات بیٹے تھے:

(۱)اسماعیل۔ (۲)عبداللہ افطح۔ (۳)موسیٰ کاظم۔ (۴)محمد معروف بہ دیباج۔ (۵)اسحٰق۔ (۶)عباس۔ (۷)علی عریضی۔ اول الذکر چاروں نے امامت کا دعویٰ کیا، جس سے متعدد فرقے پیدا ہوگئے، ان میں مشہور اور اہم فرقہ اسماعیلیہ اور فرقہ موسویہ ہے، اسماعیلی، امام جعفر صادق کے بعد حضرت اسماعیل کی امامت کے قائل ہیں، اور اثنا عشری یا موسوی، حضرت موسیٰ کاظم کو امام مانتے ہیں۔ اسماعیلیوں کا کہنا ہے کہ حضرت اسماعیل، حضرت امام جعفر کے بڑے صاحبزادے تھے، امام جعفر نے ان کی امامت پر نص کی تھی اور اسماعیل کی والدہ کی موجودگی میں انہوں نے نہ کوئی نکاح کیا، نہ لونڈی خریدی، لہٰذا وہی امام ہیں۔

اثنا عشریوں کا کہنا ہے کہ اسماعیل پر امام جعفر نے نص ضرور کی تھی، مگر ان کا انتقال باپ کی موجودگی میں ہوگیا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کو بدا ہوگیا (یعنی رائے بدل گئی) اور امامت موسیٰ کاظم کی طرف منتقل ہوگئی۔

علامہ مجلسی کی روایت کے مطابق امام جعفر صادق نے اسماعیل کو اپنا جانشین بنایا تھا، لیکن ایک موقع پر انہوں نے شراب پی تو ان کے والد برافروختہ ہوگئے، اور ان کو معزول کر کے

امامت موسیٰ کاظم کو منتقل کردی، مگر فرقہ اسماعیلیہ نے اس کو نہیں مانا، اسماعیل بن جعفر کے بارے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ ان کا انتقال والد کی زندگی میں ہوگیا تھا، اور دوم یہ کہ انتقال نہیں ہوا تھا مگر تقیہ کے طور پر وہ روپوش ہوگئے تھے، اور اپنی موت مشہور کرادی تاکہ قتل سے بچ جائیں۔''

(ملخص تاریخ فاطمین مصر ج:۱ ص:۳۹ تا ۴۱)

بہرحال اسماعیلی، حضرت جعفر صادقؒ کے بڑے صاحبزادے اسماعیل کو چھٹا امام مانتے ہیں اور یہاں سے ان کے ائمہ کا ''دورِ ستر'' شروع ہوتا ہے، اس دور میں ان کے حسب ذیل پانچ امام ہوئے:

	آغازِ امامت:	وفات:
۱:......حضرت اسماعیل بن جعفر صادق	۱۴۸ھ	۱۵۸ھ
۲:......حضرت محمد بن اسماعیل المکتوم	۱۵۸ھ	۱۹۷ھ
۳:......عبداللہ بن محمد وضی احمد	۱۹۷ھ	۲۱۲ھ
۴:......احمد بن عبداللہ تقی محمد	۲۱۲ھ	۲۲۵ھ
۵:......حسین بن احمد رضی عبداللہ	۲۲۵ھ	۲۶۲ھ

دورِ ظہور:

حسین بن احمد کے صاحبزادے عبداللہ نے ۲۹۷ھ میں مغرب (افریقہ) میں حکومت قائم کرلی اور المہدی کا لقب اختیار کیا، یہاں سے بقول ان کے ائمہ کا دور کشف شروع ہوتا ہے، عبداللہ المہدی کی قائم کی ہوئی سلطنت ۴۳۶ھ تک افریقہ میں اور ۳۸۵ھ سے ۵۶۷ھ تک مصر پر رہی، ان خلفا کو خلفا عبیدیین یا فاطمین کہا جاتا ہے اور ان کی فہرست یہ ہے:

	ولادت:	آغازِ امامت:	وفات:
۱: عبداللہ محمد المہدی	۲۶۰ھ	۲۶۲ھ (آغازِ حکومت ۲۹۷ھ)	۱۵ / ربیع الاول ۳۲۲ھ
۲: ابوالقاسم محمد نزار القائم بامر اللہ	۲۸۰ھ	۳۲۲ھ	۱۳ / شوال ۳۳۴ھ
۳: ابوطاہر اسماعیل المنصور باللہ	۳۰۲ھ	۳۳۴ھ	۲۸ / شوال ۳۴۱ھ
۴: ابوتمیم معاد المعز لدین اللہ	۳۱۹ھ	۳۴۱ھ	۱۵ / ربیع الثانی ۳۶۵ھ
۵: ابومنصور نزار العزیز باللہ	۳۴۴ھ	۳۶۵ھ	۲۸ / رمضان ۳۸۶ھ
۶: ابوعلی منصور الحاکم بامر اللہ	۳۷۵ھ	۳۸۶ھ	۲۷ / شوال ۴۱۱ھ
۷: ابوالحسن علی الظاہر لاعزاز دین اللہ	۳۹۵ھ	۴۱۱ھ	شعبان ۴۲۷ھ
۸: ابوتمیم سعید المعاد المستنصر باللہ	۴۲۰ھ	۴۲۷ھ	۴۸۷ھ

مستنصر باللہ اسماعیلیوں کے اٹھارویں امام تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کی جانشینی کے مسئلہ پر اختلاف پیدا ہوا، مستنصر کے امیر الجیوش افضل نے ان کے چھوٹے لڑکے مستعلی کو اس کا جانشین بنادیا، اس کے بڑے بیٹے نزار نے اس کی امامت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ خود امامت کا مدعی ہوا۔

حسن بن صباح جو اس زمانے میں بہت بڑا اسماعیلی داعی تھا، اس نے نزار کی حمایت کی، یہاں سے اسماعیلیوں کی دو شاخیں ہوگئیں، ایک نزاریہ کہلائی اور دوسری مستعلیہ۔ نزار نے مصر سے بھاگ کر اسکندریہ پر اپنی حکومت قائم کرلی، اور المصطفیٰ لدین اللہ کا لقب اختیار کیا، امیر الجیوش افضل نے اس کے مقابلہ میں لشکر بھیجا، جس کو نزار کے مقابلہ میں ہزیمت اٹھانا پڑی، ایک سال کے بعد پھر ایک لشکر بھیجا، اس دفعہ نزار کو شکست ہوئی اور اسے گرفتار کرکے قاہرہ لے جایا گیا۔ مستعلی نے نزار کو دو دیواروں کے بیچ میں کھڑا کرکے اس پر دیواریں چنوادیں، اور ایک روایت یہ ہے کہ اس کو قید کردیا، جس کے بعد وہ اس چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکا اور سنہ ۴۹۰ھ

میں انتقال کیا۔

اگرچہ نزار کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی مگر اس کے حامیوں نے اس کی دعوت جاری رکھی، جس کے نتیجے میں حسن بن صباح نے قلعۃ الموت پر نزاری حکومت قائم کردی۔ کہا جاتا ہے کہ حسن بن صباح نے نزار کے بیٹے ہادی کو مصر سے بلاکر اس کے باپ نزار کی مسند امامت پر بٹھایا اور یہ حکومت تقریباً ڈیڑھ سو سال تک جاری رہی۔ مستنصر کے بعد نزاریوں کے مندرجہ ذیل امام ہوئے:

	آغازِ امامت:	وفات:
۱۹: نزار بن مستنصر	۴۸۷ھ	۴۹۰ھ
۲۰: ہادی بن نزار	۴۹۰ھ	۵۳۰ھ
۲۱: مہتدی بن ہادی	۵۳۰ھ	۵۵۲ھ
۲۲: قاہر بن مہتدی	۵۵۲ھ	۵۵۷ھ
۲۳: حسن علیٰ ذکرہ سلام	۵۵۷ھ	۵۶۱ھ
۲۴: علی محمد	۵۶۱ھ	۶۰۷ھ
۲۵: جلال الدین حسن	۶۰۷ھ	۶۱۸ھ
۲۶: علاءُ الدین محمد	۶۱۸ھ	۶۵۳ھ
۲۷: رکن الدین خورشاہ	۶۵۳ھ	۶۵۴ھ

رکن الدین کے دور میں قلعہ الموت کو تاتاریوں نے تاراخت کردیا اور رکن الدین کو قتل کردیا، جس سے نزاری اقتدار کا خاتمہ ہوا اور نزاری اماموں کا مرکز الموت، یران منتقل ہوگیا، کہا جاتا ہے کہ اس دور میں ان کے مندرجہ ذیل امام ہوئے:

	آغازِ امامت:	وفات:
۲۸: شمس الدین	۶۵۴ھ	۷۱۰ھ
۲۹: قاسم شاہ	۷۱۰ھ	۷۷۱ھ

۳۰: اسلام شاہ	۷۷۱ھ	۸۲۷ھ
۳۱: محمد بن اسلام شاہ	۸۲۷ھ	۸۶۸ھ
۳۲: مستنصر باللہ دوم	۸۶۸ھ	۸۸۰ھ
۳۳: عبدالسلام	۸۸۰ھ	۸۹۹ھ
۳۴: شاہ غریب مرزا	۸۹۹ھ	۹۰۲ھ
۳۵: ابوذر علی	۹۰۲ھ	۹۱۵ھ
۳۶: مراد مرزا	۹۱۵ھ	۹۲۰ھ
۳۷: ذوالفقار علی	۹۲۰ھ	۹۲۲ھ
۳۸: نورالدین علی	۹۲۲ھ	۹۵۷ھ
۳۹: خلیل اللہ علی	۹۵۷ھ	۹۹۳ھ
۴۰: نزار دوم	۹۹۳ھ	۱۰۳۸ھ
۴۱: سید علی	۱۰۳۸ھ	۱۰۷۱ھ
۴۲: حسن علی	۱۰۷۱ھ	۱۱۰۶ھ
۴۳: قاسم علی شاہ	۱۱۰۶ھ	۱۱۴۳ھ
۴۴: ابوالحسن علی	۱۱۴۳ھ	۱۱۹۴ھ
۴۵: خلیل اللہ علی دوم	۱۱۹۴ھ	۱۲۳۳ھ

آغا خان کا لقب:

خلیل اللہ ایک شورش میں قتل کردیئے گئے، جس پر اسماعیلیوں کی طرف سے شورشیں شروع ہوگئیں، تو ایران کے بادشاہ فتح علی قاچار نے اسماعیلیوں کو مطمئن کرنے کے لئے خلیل اللہ کے دو سالہ لڑکے حسن علی کو آغا خان کا لقب دیا، اور اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی، لیکن فتح علی کی وفات کے بعد حسن علی آغا خان کو ایران میں مشکلات پیش

آئیں اور انہوں نے اپنا مستقر ایران کے بجائے ہندوستان بنالیا، اور بمبئی میں سکونت اختیار کی۔ یہاں سے اسماعیلی اماموں کے نام کے ساتھ ''آغاخان'' کا لقب شروع ہوا۔

		آغازِ امامت:	وفات:
۴۶: آغاخان اول	حسن علی	۱۲۳۳ھ	۱۲۹۸ھ
۴۷: آغاخان دوم	علی شاہ	۱۲۹۸ھ	۱۳۰۲ھ
۴۸: آغاخان سوم	سلطان محمد شاہ	۱۳۰۲ھ	۱۳۷۶ھ
۴۹: آغاخان چہارم	کریم شاہ	۱۳۷۶ھ	حاضر امام

تبصرہ:

اوپر بتایا جاچکا ہے کہ اسماعیلی مذہب کی بنیاد سلسلۂ امامت پر قائم ہے، اس لئے تمام قارئین کو خصوصاً اسماعیلی مذہب سے منسلک حضرات کو فہم و انصاف کے ساتھ چند امور پر غور کرنے کی دعوت دی جاتی ہے:

۲:......امام حسنؓ کو کیوں نہیں لیا گیا؟

میں اوپر ''نورِ مبین'' اور ''تاریخ ائمہ اسماعیلیہ'' کے حوالوں سے بتاچکا ہوں کہ آغاخانی حضرات، حضرت علیؓ کا جانشین اور امام ثانی حضرت حسینؓ کو قرار دیتے ہیں، حالانکہ اصول یہ ہے کہ امام کا فرزند اکبر تختِ امامت کا مالک ہوتا ہے۔ اس اصول کے تحت حضرت حسنؓ کو حضرت علیؓ کا مسند نشین ہونا چاہئے تھا، جیسا کہ حضرت علیؓ کے بعد مسندِ خلافت کے وہی وارث ہوئے اور ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند اکبر کو ان کا جانشین ہونا چاہئے تھا، غرضیکہ سلسلۂ امامت حسنی ہونا چاہئے تھا نہ کہ حسینی، لیکن کیا بات ہوئی کہ آغاخانیوں نے حضرت حسنؓ اور ان کی اولاد کو سلسلۂ امامت میں داخل کرنے کے لائق نہیں سمجھا؟ اس کی وجہ کہیں یہ تو نہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ

تعالیٰ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے، اور ان کے اس قصور کی سزا، انہیں یہ دی گئی کہ انہیں اور ان کی اولاد کو امامت سے معزول کر دیا گیا؟ پھر کیا یہ معقول ہے کہ امام تو چھوٹا بھائی ہو، لیکن خلافت کا مستحق بڑے بھائی کو تصور کیا جائے؟ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ نظریۂ امامت نام کی کوئی چیز حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں نہیں تھی، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ حضرت علیؓ اپنے فرزند اکبر کو اپنا جانشین نہ بناتے اور نہ حضرت حسینؓ اپنے برادر اکبر کی موجودگی میں خود مدعی امامت بن بیٹھتے، الغرض اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو اسماعیلی سلسلۂ امامت کی بسم اللہ ہی غلط ہے۔

۳:......حضرت اسماعیل بن جعفر کی امامت:

سلسلۂ امامت میں امام جعفر صادق کے فرزند اکبر حضرت اسماعیل بن جعفر کو چھٹے امام کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، (اسماعیلی مذہب) انہی کی طرف منسوب ہے اور ان کا سن وفات ۱۳۳ھ ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ تاریخی طور پر حضرت اسماعیل کی امامت کا مسئلہ قطعاً مشکوک ہے، خیر الدین زرکلی ''الاعلام'' میں لکھتے ہیں:

> "ولیس فیما بین ایدینا من کتب التاریخ ما یدل علیٰ انہ کان فی حیاتہ شیئا مذکورا. توفی فی حیاۃ والدہ، وفی الاسماعیلیۃ من یریٰ ان اباہ اظہر موتہ تقیۃ حتیٰ لا یقصدہ العباسیون بالقتل." (ج:۱ ص:۳۱۱)
>
> ترجمہ:......''اور ہمارے سامنے تاریخ کی جتنی کتابیں ہیں، ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو یہ بتاتی ہو کہ وہ اپنی زندگی میں قابل ذکر چیز تھے، ان کا انتقال ان کے والد کی حیات میں ہی ہو گیا تھا، اور اسماعیلیوں میں سے بعض کی رائے ہے کہ ان کے

باپ نے تقیہ کے طور پر ان کی موت ظاہر کردی تا کہ عباسی ان
کے قتل کا قصد نہ کریں۔"

جس شخصیت کے بارے میں قطعیت کے ساتھ یہ بھی نہ کہا جاسکے کہ وہ پانچویں امام (جعفر صادقؒ) کے بعد زندہ تھے، نہ اس کا کوئی تاریخی ریکارڈ ہی موجود ہو، ایسی مشکوک وموہوم چیز پر ایمان کی بنیاد رکھنا، اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ کس حد تک صحیح ہے؟

۴:.......ائمہ مستورین:

امام اسماعیل بن جعفر کے بارے میں تو صرف یہی بات مشکوک تھی کہ آیا ان کا سلسلۂ حیات ان کے والد ماجد کی وفات کے بعد تک دراز رہا یا نہیں؟ لیکن اس امر میں کسی اسماعیلی کو بھی اختلاف نہیں کہ وہ اپنے باپ کی حیات ہی میں روپوش ہوگئے تھے، صرف عوام ہی نہیں بلکہ معدودے چند افراد کے سوا ان کے خاص مریدوں کو بھی ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کیا ہیں؟ یہی حال ان کے بعد کے ائمہ مستورین کا رہا، یہی وجہ ہے کہ ان کے شجرۂ نسب میں بھی اختلافات رونما ہوئے (تفصیل کے لئے دیکھئے "تاریخ فاطمین مصر" فصل:۵،۶)۔ اس دور میں نہ کسی کو ائمہ کے نام کا صحیح علم تھا، نہ ان سے تعارف تھا، نہ ان کی تعلیمات سے آگاہی تھی، جو لوگ اپنے آپ کو "ائمہ کے داعی" کی حیثیت سے پیش کر کے اہل بیت کے نام پر دعوت دیتے تھے وہ ائمہ کے معتقدین کو جیسی چاہتے تھے تعلیم دیتے تھے، نہ ان کے بارے میں کسی کو یہ معلوم تھا کہ وہ واقعتاً امام کی طرف سے مقرر کردہ داعی ہے، یا اس نے محض لوگوں کو راستہ سے بہکانے کے لئے ائمہ اہل بیت کی آڑ لے رکھی ہے۔
الغرض اس دور ستر میں داعیوں کی طرف سے جو تعلیم پیش کی جاتی، اسماعیلی عوام کے پاس اس کے سچ اور جھوٹ کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، بلکہ

داعی کی چرب زبانی ہی اسماعیلی عوام کے لئے یقین و ایمان کا واحد معیار تھی، امام تو خیر اسماعیلی عقیدے میں معصوم ہوتے ہی ہیں، لیکن انصاف کرنا چاہئے کہ غیر معصوم داعیوں کے بیانات اور ان کے بلند بانگ دعوے پر ایمان لانا کہاں تک صحیح ہے؟

ائمہ کے داعی محض اپنی اغراض کے لئے زمین و آسمان کے قلابے کس طرح ملاتے تھے، اس کی ایک واضح مثال مختار بن ابی عبید ثقفی کذاب کی شخصیت ہے، جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ اور اس کے اطراف میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند حضرت محمد بن حنفیہؒ کے نام سے دعوت دی، یہاں تک کہ کچھ علاقوں پر اپنی حکومت قائم کرلی، وہ حضرت محمد بن حنفیہؒ کو مدعی امامت قرار دے کر نہایت غلط تعلیم ان کے حوالے سے پیش کرتا تھا، اور حضرتؒ کے جعلی خطوط لوگوں کو پڑھ کر سناتا تھا، حالانکہ حضرت محمد بن حنفیہؒ مدینہ طیبہ میں موجود تھے اور وہ مختار کی دعوت سے منکر تھے، اس کے باوجود اسے جھوٹ پھیلانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ ائمہ مستورین کی حالت ایسی تاریکی میں تھی کہ نہ عوام کو ان کا نام معلوم، نہ ان کے مقام کا پتہ، نہ ان سے رابطہ کی کوئی صورت، نہ داعیوں کے دعووں اور ان کی تعلیمات کے صدق و کذب کو جانچنے کا کوئی ذریعہ تھا، ایسی تاریکی میں داعیوں نے ان کی طرف جو کچھ منسوب کردیا اس پر آنکھیں بند کرکے ایمان لانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ یہ اسماعیلی سلسلۂ امامت میں ایسا جھول ہے جسے کوئی شخص بقائمی فہم و انصاف نظرانداز نہیں کرسکتا، اور کوئی شخص جس کو مذہب کی قدر و قیمت معلوم ہو، ایسی مشکوک چیزوں پر ایمان لاکر اپنی عاقبت خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔

۵:......میمون قداح:

حضرت اسماعیل بن جعفر اور ان کے صاحبزادے محمد المکتوم کے دور میں میمون قداح اور عبداللہ بن میمون، اسماعیلی مذہب کے بہت بڑے داعی گزرے ہیں،

اسماعیلی تاریخیں ان کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہیں۔ ''نورِ مبین'' میں ہے:

''عبداللہ بن میمون ایک جلیل القدر داعی تھے، آپ سلمان الفارسی کی نسل سے تھے اور جید عالم تھے، عبداللہ بن میمون اور خود ان کے والد ابو میمون، حضرت امام جعفر صادق کے عاشق تھے اور ساری زندگی ان کی غلامی میں بسر کی، اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ داعی اکبر کے درجہ کو پہنچے اور اسماعیلی مذہب کے درجہ ''باب'' سے بھی مشرف ہوئے۔'' (ص:۱۲۸)

واقعتاً اسماعیلی مذہب کے بانی یہی دونوں باپ بیٹا (عبداللہ اور اس کا باپ میمون) ہیں، جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل بن جعفر صادق اپنے والد کی زندگی میں فوت ہوگئے ہوں، یا روپوش ہوگئے ہوں، بہر حال عام لوگوں کے ساتھ ان کا کوئی رابطہ نہ تھا، نہ انہوں نے اسماعیلی عقائد کی تعلیم دی، بلکہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہؒ کی طرف خود ان کی زندگی میں مختار بن ابی عبید ثقفی غلط عقائد گھڑ گھڑ کر ان کی طرف منسوب کیا کرتا تھا، اسی طرح حضرت اسماعیل کی روپوشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے باطنی عقائد کا ایک طومار گھڑ کر جس شخص نے ان کی طرف منسوب کیا وہی دراصل اسماعیلی مذہب کا بانی ہے۔

ڈاکٹر زاہد علی صاحب لکھتے ہیں:

''مہدی کی نسبت عبداللہ بن میمون القداح کی طرف اور اس کا سبب:

اکثر مؤرخین نے مہدی کو عبداللہ بن میمون قداح کی طرف منسوب کیا ہے، ان کی مختلف روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ میمون ایران کا ایک باشندہ تھا، جس کے باپ کا نام دیصان تھا،

یہ شخص مختلف ادیان و مذاہب کے اصول سے خوب واقف تھا، اس نے زنادقہ کی تائید میں ''کتاب المیزان'' لکھی ہے، جس کے پڑھنے سے آدمی لامذہب ہوجاتا ہے، یہ ظاہر میں اپنے مریدوں سے محمد بن اسماعیل کے نام پر بیعت لیتا تھا، لیکن حقیقت میں یہ خود ملحد و زندیق تھا، آخرت کا قائل نہ تھا، اس کا جانشین اس کا بیٹا عبداللہ ہوا، جس نے اپنے باپ سے اسرار دعوت اسماعیلیہ سیکھے، اس نے اپنا پیشہ آنکھوں کا معالجہ اختیار کیا، اس لئے یہ ''قداح'' کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اسی نے دعوت اسماعیلیہ کے نو مدارج فری میسن ری کے مدارج کے مانند مرتب کئے، جن کو سلسلے سے طے کرنے کے بعد آدمی معطل اور اباحی بن جاتا ہے، یعنی اعمال شریعت چھوڑ دیتا ہے اور محرمات کو مباح سمجھتا ہے۔ یہ اپنے وطن ''قوزح العباس'' سے جو ''اہواز'' میں ایک موضع ہے، عسکر مکرم کو روانہ ہوا، جہاں اس نے اپنے باپ کی طرح اپنا کفر چھپانے کے لئے تشیع ظاہر کیا، اس حیلے سے اس نے بڑی شہرت حاصل کی اور زر کثیر بھی جمع کیا، یہاں کے شیعہ باشندوں پر جب اس کا راز کھل گیا تو وہ بصرہ ہوتا ہوا سلمیہ پہنچا، جسے اس نے اپنا مستقر بنایا۔ مہدی کے ظاہر ہونے تک یہ اور اس کے جانشین یہیں رہے، عبداللہ کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے احمد نے اس کی جگہ لی۔''

(تاریخ فاطمیین مصر ج:۱ ص:۷۶، ۷۷)

علامہ محمد فرید وجدی ''دائرۃ المعارف'' میں لکھتے ہیں:

''واصبحت فی القرن الثانی الھجری علیٰ

وشک الانحلال الا انه ظهر رجل مدلس اسمه عبدالله بن میمون من فارس، مملوء اٰمالا واقداما فاراد ان یستخدم الاسماعیلیة لاغراضه فادعی انه شیعی غیور وھو فی الحقیقة دھری لا یعتقد بشی واسس بین الاسماعیلیة جمعیة سریة واستعمل لذالک من الدھاء والحیل ما لا مزید علیه ورتبها علیٰ تسعة رتب لا یرقیٰ احد من ربتة الیٰ ما فوقھا الا بالاستعداد والاھلیة۔"

(دائرۃ معارف القرن العشرین ج:۱ ص:۳۴۸ طبع: دار المعرفۃ بیروت)

ترجمہ:...... "دوسری صدی ہجری میں اسماعیلی مذہب کا شیرازہ بکھرنے کے قریب تھا، مگر ایک مکار شخص جس کا نام عبداللہ بن میمون تھا، فارس سے ظاہر ہوا، جو آرزوؤں اور اقدامات سے بھرا ہوا تھا، اس نے اسماعیلیت کو اپنی مقصد براری کا ذریعہ بنانا چاہا، پس اس نے دعویٰ کیا کہ وہ غیور شیعہ ہے، حالانکہ وہ خالص دہریہ تھا، کسی چیز پر عقیدہ نہیں رکھتا تھا، اس نے اسماعیلیوں کی ایک خفیہ تنظیم بنائی اور اس کے لئے ایسے مکر و فریب اور حیلوں سے کام لیا جن پر اضافہ نہیں ہوسکتا تھا، اور اس نے اسماعیلی دعوت کے بالترتیب نو مدارج قائم کئے کہ کوئی شخص نیچے سے اوپر کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا، جب تک کہ اس میں اس کی خاص استعداد اور صلاحیت نہ ہو (ان مدارج کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ناقل)۔"

مسند الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی "تحفۂ اثنا عشریہ" کے پہلے باب میں اسماعیلی مذہب کے بانی کی حیثیت سے عبداللہ بن میمون قداح کا

تذکرہ کیا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ اس شخص کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وایں عبداللہ بن میمون قداح شخصے بود ملحد و زندیق و دشمن دین اسلام میخواست بنہجے دریں دین فساد نماید، قابو نمی یافت، این وقت اورا نان در روغن افتاد، بدستور عبداللہ بن سبا کہ اصل ومنشا تشیع است۔''

(تحفۂ اثنا عشریہ ص:۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ:......''یہ عبداللہ بن میمون قداح بڑا ملحد اور زندیق، دشمن دین و اسلام تھا، مدت سے چاہتا تھا کہ اس دین میں فساد ڈالے، مگر قابو نہیں پاتا تھا، اس وقت میں اس کو خوب گھی چپڑی روٹی مل گئی اور مراد حاصل ہوئی، مثل عبداللہ بن سبا کے کہ اصل ومنشا مذہب تشیع کا ہے۔''

(ہدیہ مجیدیہ، ترجمہ تحفۂ اثنا عشریہ ص:۱۵، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ مرکز علوم کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ اسماعیلی مذہب کی تعلیم نہ تو حضرت امام جعفر صادق کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے، اور نہ ان کے بیٹے حضرت اسماعیل بن جعفر کی طرف، اس مذہب کا اصل بانی میمون اور اس کا بیٹا عبداللہ بن میمون قداح ہے۔

۶:......کیا خلفائے فاطمیین کا نسب صحیح تھا؟

اسماعیلی فرقہ مغرب اور مصر کے خلفائے عبیدیین کا نسب ائمہ مستورین کے ذریعہ اہل بیت سے ملتا ہے، لیکن جیسا کہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ اکثر مؤرخین ان کا نسب میمون قداح مجوسی سے ملاتے ہیں، ڈاکٹر زاہد علی صاحب ''تاریخ فاطمیین مصر'' میں موافق اور مخالف آراء پر طویل بحث کے بعد خود خلفائے عبیدیین کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۷:......”خود فاطمیین اور ان کے مشہور داعیوں کی مسئلہ نسب کی طرف عدم توجہ“:

”ان تمام مباحث کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ خود فاطمیین یا ان کے عہد کے مشہور داعیوں نے اثبات نسب میں کیا حصہ لیا، متعدد دفعہ ظہور کے زمانے میں نسب کا سوال اٹھایا گیا، لیکن کسی امام نے اطمینان بخش جواب نہ دیا، یہ لوگ کبھی اتنی جرأت نہیں کرسکتے تھے کہ اپنا نسب منبر یا کسی مجمع میں بیان کریں (اخو محسن محمد بن علی (اتعاظ الحنفا ص:۱۵)۔ معز سے مصر میں داخل ہونے کے بعد کسی امیر نے پوچھا: آپ کا نسب کیا ہے؟ اس کے جواب میں معز نے ایک جلسہ منعقد کیا، اور اپنی تلوار میان سے نکال کر کہا: ”یہ میرا نسب ہے۔“ پھر اس نے سونا حاضرین پر نثار کرکے کہا: ”یہ میرا حسب ہے۔“ (ترجمہ ابن طباطبا، ابن خلکان ج:۱ ص:۲۵۹)۔ اسی طرح عزیز سے بھی پوچھا گیا لیکن اس نے خاموشی اختیار کی (فصل:۱۵ عزیز کی سیرت اور اس کا انتقال)۔ عضد الدولہ (بویہی) نے عزیز سے اس کا نسب دریافت کیا، عزیز نے اپنے قاضی ابن نعمان کے ذریعے جو اس وقت دعوت کی انجمن کا صدر تھا، ایک نسب نامہ تیار کرا کے بغداد بھیجا، عضد الدولہ کے قاصد کو جس کے ساتھ یہ نسب نامہ بھیجا گیا تھا کسی نے اثنا سفر میں زہر دے دیا، جس سے وہ مرگیا (اتعاظ الحنفا ص:۱۵)۔ الغرض یہ نسب نامہ بغداد نہ پہنچ سکا۔ (Waustenfeld. P:144) اس زمانے میں شہر دمشق

میں جو خطبہ پڑھا جاتا ہے، اس میں ائمہ مستورین کے اسماً کی جگہ ممتحنین یا مستضعفین جیسے الفاظ پڑھے جاتے تھے (اتعاظ الحنفا ص:۱۵) حاکم کے عہد میں ابطال نسب کے لئے بنو عباس نے ایک محضر تیار کرایا، لیکن فاطمیین کی جانب سے کوئی تردید نہ ہوئی (فصل:۱۶ بنو فاطمہ کے نسب کو باطل کرنے کے لئے ایک محضر کی تیاری)۔ زمانہ ظہور کے مشہور اسماعیلی داعیوں میں سے بھی کسی نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی، قاضی القضاۃ، داعی الدعاۃ نعمان بن محمد متوفی ۳۶۳ھ نے اپنی تصانیف ''شرح الاخبار، کتاب المناقب و المثالب، افتتاح الدعوۃ'' وغیرہ میں ائمہ مستورین کا مطلق ذکر نہیں کیا، حالانکہ ان کتابوں میں امام جعفر الصادق تک کے ائمہ اور ظہور کے ائمہ مہدی، قائم، منصور اور معز کے تفصیلی حالات موجود ہیں، ہر کتاب اپنے زمانے کے امام کی نظر سے گزر چکی ہے، اور اس پر اس کے دستخط ہو چکے ہیں، جیسا کہ اس کے مقدمے سے ظاہر ہے، ''شرح الاخبار'' کے چودھویں جز میں جہاں اسماعیل کے انتقال کی خبر لکھی ہے، صرف اتنا لکھا ہے کہ ایک فرقہ امام مذکور کے لڑکے محمد کی امامت کا قائل ہے، جو اس وقت بالغ ہو چکا تھا (شرح الاخبار ص:۱۴، ۱۵)۔ اس مقام پر بھی داعی مذکور نے بالکل سکوت اختیار کیا ہے، حالانکہ کتب مذکورہ کی تالیف کا زمانہ ظہور کا زمانہ تھا، تقیے کا کوئی محل نہ تھا، پھر بھی اس نے اپنے منظوم تاریخی ارجوزہ (الارجوزۃ المختارہ ص:۱۷۲، ۱۷۳) میں ائمہ مستورین کے متعلق یہ لکھا ہے:

ولم یکن یمنعنی من ذکرھم
الا احتفاظی بمصون سرھم

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام مہدی کے ظہور سے لے کر اس کے بیٹے محمد (متوفی ۳۳۴ھ) کے عہد یعنی تقریباً ۳۷ سال تک بھی نسب کا مسئلہ سربستہ راز تھا، اس کے بعد بھی نہ معلوم کب تک یہ مسئلہ معرض خفا میں رہا، قاضی مذکور کی ایک دوسری تصنیف ''المجالس و المسائرات'' جو معز (متوفی ۳۶۵ھ) کے عہد میں لکھی گئی ہے، اس کی دوسری جلد میں ایک روایت ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ معز کے پاس ایک شخص کسی داعی کی طرف سے ایک کتاب لایا، جس میں یہ درج تھا کہ کسی امام کے بعد امامت میمون القداح اور فلاں فلاں کی طرف منتقل ہوئی، اس کے جواب میں معز نے صرف اتنا کہا کہ سبب امامت ہم سے منقطع نہیں ہوسکتا، میمون القداح مستودع تھا، امامت حقیقی کا مالک مستقر امام تھا (المجالس والمسائرات ج:۲ ص:۲۵۶)۔ اس امام کا نام نہیں بتایا، نہ اس کے بعد کے اماموں کا ذکر کیا۔ عجیب ترین امر یہ ہے کہ قاضی مذکور نے اپنی مشہور فقہ کی کتاب ''دعائم الاسلام'' میں جو دعا تقرب لکھی ہے، اس میں امام جعفر صادق ؒ کے نام کے بعد کسی امام کا نام نہیں پایا جاتا، حالانکہ یہ دعا ہر نماز کے بعد عقیدت مندی سے پڑھی جاتی ہے، اور بہت مبارک سمجھی جاتی ہے، (اسی بنا پر مصنف ''مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل'' نے لکھا ہے کہ قاضی نعمان بن محمد حقیقت میں اسماعیلی نہیں تھے، اس نے یہ حجت پیش کی ہے:

”لو كان اسماعيليًا لذكر بعد جعفر الصادق اسماعيل بن جعفر، ثم محمد بن اسماعيل الىٰ امام عصره، ولم يكن له داع الىٰ الابهام اما باطنًا فلكونه معتقده واما ظاهرًا فلموافقته لطريقة خليفة عصره.“

اس سلسلہ میں ”دعائم الاسلام“ کی اور روایتیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ ......الحاج مرزا محمد حسین النوری، المستدرک الوسائل ج:۲ ص:۳۱۳......حاشیہ کتاب)

قاضی مذکور کے ”مولیٰ“ داعی جعفر بن منصور الیمن کی تصانیف بھی اس بحث سے معری ہیں، اس کی ایک کتاب ”الفرائض و حدود الدین“ میں ائمہ مستورین کا ذکر اس قدر پیچیدہ ہے کہ اس سے بجائے یقین حاصل ہونے کے شک اور بڑھ جاتا ہے، خود مصنف نے اقرار کیا ہے کہ مجھے سلسلے سے مہدی کا کلام یاد نہیں رہا۔ (الفرائض وحدود الدین ص:۱۶ تا ۱۸)

سب سے پہلی کتابیں جن میں ائمہ مستورین کا ذکر ہے ”تنبیہ الہادی و المستہدی“ مصنفہ داعی حمیدالدین الکرمانی اور ”استتار الامام“ مصنفہ داعی احمد بن ابراہیم ہیں، جوظہور کے ایک سو پندرہ سال بعد کی ہیں، ان میں بھی صرف ائمہ مستورین کے نام ہیں، نسب پر کوئی بحث نہیں کی گئی ہے، ”استتار الامام“ حال ہی میں قاہرہ میں چھپی ہے، اس کے شائع کرنے والے کی یہ رائے ہے یہ کتاب تاریخ میں شمار نہیں کی جا سکتی، اس میں جو باتیں پائی جاتی ہیں، ان پر افسانوں کی روح غالب ہے (مقدمہ استتار الامام ص:۸۹)، اس کا ذکر ہم مقدمے میں کر چکے ہیں۔

بحث نسب کا خلاصہ:

بحث نسب کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن اسماعیل بن جعفر الصادق اور عبداللہ بن میمون القداح دونوں کا وجود تاریخ سے ثابت ہے، جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ ثبوت طلب امر حسب شجرہ ذیل میں صرف اتنا ہے کہ دولت فاطمیہ کا پہلا امام مہدی محمد بن اسماعیل کی نسل سے ہے، نہ کہ عبداللہ بن میمون القداح کی نسل سے، جو دعوت اسماعیلیہ کا صدر تھا اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں عقیل بن ابی طالب کی ذریت سے ہوں، یا جس کے بیٹے احمد نے جب اسے کافی قوت حاصل ہوگئی تو یہ دعویٰ کیا کہ میں حضرت علیؓ کی اولاد میں شامل ہوں، جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے (ملاحظہ ہو فصل:٦ میمون القداح اور محمد بن اسماعیل کا باہمی تعلق)۔

۱	۲
محمد بن اسماعیل بن جعفر الصادق	میمون القداح (کفیل)
عبداللہ	عبداللہ
احمد	احمد
حسین	حسین
المہدی	المہدی

یہ بحث نہایت اہم ہے کیونکہ فاطمین کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم حضرت فاطمہؓ کی ذریت سے ہیں، اگر یہ ائمہ یا ان کے ہم عصر داعی کوئی مفصل رسالہ اسی موضوع پر لکھتے تو مؤرخین میں

اختلاف نہ ہوتا۔"　　　(تاریخ فاطمین مصر ج:۱ ص:۸۴ تا ۸۸)

۸:......امام نزار کے بعد:

پہلے گزر چکا ہے کہ ۴۸۷ھ میں آٹھویں فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ کی وفات کے بعد ان کی جانشینی کے مسئلہ میں اختلاف ہوا، آغاخانیوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے نزار پر نص کی تھی، اس لئے وہی باپ کے جانشین تھے، لیکن امیر افضل نے ایک سازش کے تحت ان کے چھوٹے بھائی احمد مستعلی کو تخت خلافت پر بٹھادیا، امام نزار قاہرہ سے بھاگ کر اسکندریہ چلے گئے، وہاں کے حاکم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی، اس طرح امام نزار نے اپنی الگ خلافت قائم کرلی اور المصطفیٰ لدین اللہ کا لقب اختیار کیا، لیکن دو جنگوں کے بعد اسکندریہ کے گورنر اور امام نزار کو امیر افضل قید کرکے قاہرہ لے گیا اور دونوں کو مروادیا۔

آغاخانیوں کا دعویٰ ہے کہ امام نزار کے بعد امامت قلعہ الموت میں منتقل ہوگئی، اس سلسلہ میں دو روایتیں نقل کی جاتی ہیں، ایک یہ کہ امام نزار نے اپنا ایک بیٹا ہادی حسن بن صباح کے سپرد کردیا تھا، جسے وہ الموت لے گئے، اور دوسری روایت یہ کہ حسن بن صباح کے زمانہ میں ابوالحسن سعیدی نامی کوئی شخص امام نزار کے بیٹے امام ہادی کو مصر سے الموت لایا۔　　　(تاریخ ائمہ اسماعیلیہ ج:۳ ص:۱۲،۱۳)

لیکن امام نزار کے بعد سلسلۂ امامت کے مصر سے الموت منتقل ہونے کی داستان نہ صرف مشکوک ہے، بلکہ صاف نظر آتا ہے کہ بھولے بھالے اسماعیلیوں کو پھانسنے کے لئے یہ داستان تصنیف کی گئی ہے، اور مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر کوئی شخص اس کو عقل و انصاف کی روشنی میں تسلیم نہیں کرسکتا:

اول:......اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ امام نزار کے بعد ان کے کسی وارث کو زندہ چھوڑ دیا گیا تھا۔

دوم:......امام ہادی کے مصر سے الموت منتقل ہونے کی دونوں اسماعیلی روایتیں آپس میں متضاد ہیں، اور یہ تضاد بیانی غمازی کرتی ہے کہ یہ افسانہ خود تصنیف کرکے بھولے بھالے، بے خبر اسماعیلیوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سوم:......اسماعیلی آغاخانی عقیدہ کے مطابق امام نزار کے بعد مندرجہ ذیل امام ہوئے ہیں:

امام ہوئے ہیں:	ولادت:	امامت:
امام ہادی	۴۷۰ھ	۴۹۰ھ تا ۵۳۰ھ
امام مہتدی		۵۳۰ھ تا ۵۵۲ھ
امام قاہر		۵۵۲ھ تا ۵۵۷ھ
حسن علیٰ ذکرہ سلام		۵۵۷ھ تا ۵۶۱ھ

لیکن یہ دیکھتے ہیں کہ اس ستر سالہ طویل دور میں ہادی سے قاہر تک تینوں امام گوشۂ گمنامی میں فروکش ہیں، معاشرتی سرگرمیوں میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں۔ قلعہ الموت کی اسماعیلی حکومت پر یکے بعد دیگرے حسن بن صباح (المتوفی ۵۱۸ھ)، کیا بزرگ (المتوفی ۵۳۳ھ)، محمد بن کیا بزرگ (المتوفی ۵۵۷ھ) قابض نظر آتے ہیں، سوال یہ ہے کہ جب حکومت اسماعیلی ہے تو اس ستر سالہ دور میں حسن بن صباح، کیا بزرگ اور محمد بن کیا بزرگ، تخت خلافت پر کیوں متمکن نظر آتے ہیں؟ اسماعیلی نزاری امام اگر واقعتاً موجود تھے تو ان کو تین نسلوں تک روپوش رہنے کی کیا ضرورت تھی؟

چہارم:......اصل قصہ یہ ہے کہ اسماعیلی عوام بے چارے ''ائمہ'' کے نام سے بہلائے گئے ہیں، ورنہ ان کی (اسماعیلی عوام کی) رسائی اپنے امام تک کبھی بھی نہیں ہوئی، ستر سال تک حسن بن صباح، کیا بزرگ اور محمد بن کیا نے اماموں کے نام سے حکومت کی، لیکن جب محمد بن کیا کے بعد اس کا بیٹا حسن قلعہ الموت کا حکمران بنا تو

اس نے ''حسن علیٰ ذکرہ سلام'' کا لقب اختیار کر کے اپنا نسب نامہ امام نزار سے ملا دیا، گویا سید ہونے کا دعویٰ کر دیا اور اپنا نسب نامہ بھی لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا۔

تاریخ ائمہ اسماعیلیہ کے مصنف لکھتے ہیں:

''جہاں تک الموت کی اسماعیلی ریاست کی تاریخ کا تعلق ہے، ہمارے پاس کوئی ٹھوس اسماعیلی ماخذ نہیں ہے، جتنے بھی ابتدائی ماخذ ہیں سب غیر اسماعیلی اور اسماعیلیوں کے مخالفین کے لکھے ہوئے ہیں۔ عطا ملک جوینی جس کی کتاب تاریخ جہاں گشاہ اس دور کا قدیم ترین ماخذ ہے، اس کے تعصب کا یہ عالم ہے کہ اسماعیلی ائمہ کے مبارک ناموں کے ساتھ گالیوں کا استعمال کرتا ہے، ان حالات میں الموت کے اسماعیلی ائمہ کی تاریخ کے متعلق صحیح اطلاعات کی تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

جہاں تک حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام کے نسب کا تعلق ہے، جوینی اور اس کے متبعین کا بیان ہے کہ آپ لوگوں میں محمد بن کیاّ بزرگ کے فرزند کی حیثیت سے مشہور تھے، لیکن محمد بن کیاّ بزرگ کی زندگی ہی میں آپ اپنے علم کی بدولت عوام میں بے حد مقبول ہو گئے تھے، اور عوام سمجھ گئے تھے کہ یہ وہی امام ہیں جن کی پیش گوئی سیدنا صباح بن حسن نے کی تھی، جوینی کے مطابق جب اس کی اطلاع محمد بن کیاّ بزرگ کو ہوئی تو انہوں نے لوگوں کو سمجھایا کہ حسن میرا فرزند ہے اور نہ میں امام ہوں، اور نہ میرا بیٹا امام ہے، مگر جب محمد بن کیاّ بزرگ کے بعد حسن مسند حکومت پر آئے تو انہوں نے پہلے اپنے آپ کو لوگوں کے

سامنے ایک داعی کی حیثیت سے پیش کیا، مگر بعد میں امام کی حیثیت سے متعارف کرایا اور کہا کہ میں نزار کی اولاد سے ہوں۔" (تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، حصہ سوم ص:۵۸)

ان مصنفین کو اعتراف ہے کہ ان کے پاس کوئی اسماعیلی ماخذ نہیں، لیکن دوسرے مؤرخین کے بیانات کو مبنی برتعصب قرار دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ جب آپ کے پاس کوئی صحیح ماخذ ہی نہیں تو آپ بغیر سند اور حوالے کے کیسے یہ ایمان رکھتے ہیں کہ "حسن علیٰ ذکرہٖ سلام" واقعتاً امام نزار کی اولاد سے تھا، اور یہ کہ اس نے جو اپنا نسب نامہ لوگوں کے سامنے پیش کیا، محض اس کے کہہ دینے سے آپ کو اس پر کیسے یقین آگیا؟ آپ کے یہاں سلسلۂ امامت ایمان کی بنیاد ہے، اور آپ کے عقیدہ میں امام کی شخصیت اتنی اہم ہے کہ وہ خدا و رسول کے احکام کو منسوخ کرسکتا ہے، شریعت میں ترمیم و تنسیخ کرسکتا ہے، قرآن ناطق ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم اور فیصلہ قرآن کریم سے بھی بالاتر ہے، ایک طرف امام کے بھاری بھرکم منصب کو رکھئے اور دوسری طرف یہ دیکھئے کہ آپ نے ایسی مجہول النسب شخصیتوں کو منصب امامت تفویض کیا، جن کے بارے میں آپ کو خود بھی اعتراف ہے کہ ہمارے پاس کوئی صحیح ماخذ موجود نہیں ہے۔

میں انسانی نفسیات سے واقف ہوں کہ بعد میں آنے والے اپنے باپ دادا کی لکیر سے ہٹنے کا سوچ ہی نہیں سکتے، اور نہ ہی کسی کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ ان کے باپ دادا کو غلطی بھی لگ سکتی تھی، یہی وجہ ہے کہ عموماً ہندو کا لڑکا ہندو، سکھ کا لڑکا سکھ، پارسی کا پارسی، یہودی کا یہودی اور عیسائی کا عیسائی ہوتا ہے (الا ماشاءاللہ) انہیں اپنے باپ دادا کی لائن سے ہٹ کر سوچنے کا خیال ہی نہیں آتا، اس نفسیات کے پیش نظر اسماعیلی بھائیوں کے سامنے خواہ کیسے ہی قطعی دلائل پیش کردیئے جائیں مگر وہ اپنے باپ دادا کی لائن سے ہٹنے پر آمادہ نہیں ہوں گے، لیکن ہر صاحب عقل و شعور کو

اس پر ضرور غور کر لینا چاہئے کہ جس چیز پر وہ اپنے دین و ایمان کی بنیاد رکھتا ہے آیا وہ مشکوک تو نہیں؟

۹:......آغاخانیوں کے موجودہ امام:

آغاخانیوں کے موجودہ امام کریم آغاخان کے مادری حسب و نسب میں زیادہ دلچسپ اور عبرت آموز باتیں ہیں، ان کو یہاں ذکر کر کے ہم کتاب کے معیار کو گرانا نہیں چاہتے، تفصیل کے لئے دیکھئے ''آغاخانیوں کے سیاسی عزائم، اہل وطن کے لئے ایک لمحہ فکریہ''۔

۱۰:......آغاخانیوں کے نزدیک امام کا رتبہ:

ایک طرف اسماعیلی ائمہ کے حسب و نسب میں سو طرح کے شکوک و شبہات ہیں اور دوسری طرف اسماعیلی عقائد ہیں، ''حاضر امام'' کو معبود کا مرتبہ دیا گیا ہے، آغاخانی حضرات، اللہ تعالیٰ کے بجائے ''حاضر امام'' کی عبادت کرتے ہیں، آغاخان سوم کہتے ہیں:

> ''میں براہ راست حضرت محمدؐ کی نسل سے تعلق رکھتا ہوں اور دو کروڑ مسلمانوں کی کثیر تعداد مجھ پر ایمان رکھتی ہے، مجھے اپنا روحانی پیشوا مانتی ہے، مجھے خراج ادا کرتی ہے، اور میری عبادت کرتی ہے۔'' (ایور لیونگ گائیڈ، از قاسم علی ایم جے، شائع کردہ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن آف پاکستان، کراچی)

۱۱:......آغاخانیوں کے بارے میں فتویٰ شائع کرنے کی ضرورت:

بہت سے مسلمان، آغاخانیوں کے عقائد و نظریات سے واقف نہیں، اس لئے وہ آغاخانیوں کو بھی مسلمانوں کا فرقہ تصور کرتے ہیں، اور خود آغاخانی اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے ایک مسلمان کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، عام مسلمانوں کی

آگاہی اور خود بھولے بھالے آغاخانیوں کی اطلاع کے لئے یہ فتویٰ شائع کیا جارہا ہے، تاکہ انہیں معلوم ہوسکے کہ ''آغاخانی عقائد'' اسلام کی ضد ہیں، اور جو شخص آغاخانی عقائد پر ایمان رکھتا ہو اس کا اسلامی برادری سے کوئی تعلق نہیں، وہ ملت اسلامیہ سے خارج، کافر، مرتد اور زندیق ہے۔ آغاخانیوں کے جو عقائد اس فتویٰ میں باحوالہ درج کئے گئے ہیں، ان کے ملاحظہ کے بعد کسی ادنیٰ عقل وفہم کے آدمی کو بھی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ آغاخانی مسلمان نہیں بلکہ کافروں کا ایک ٹولہ ہے، ذرا انصاف فرمایئے کہ:

ا:......جو فرقہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی الوہیت کا قائل ہو، اور اس کے کلمہ میں یہ داخل ہو: ''اشهد ان علي الله.'' (میں گواہی دیتا ہوں کہ علی اللہ ہیں) وہ مسلمان کیسے ہوسکتا ہے؟

یاد رہے کہ اسماعیلی عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ حضرت علیؓ میں حلول کرگیا تھا، اس لئے حضرت علیؓ خود خدا تھے اور حضرت علیؓ کے بعد یکے بعد دیگرے اسماعیلی ائمہ میں اللہ تعالیٰ کا حلول ہوتا رہا، گویا اسماعیلیوں کے عقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''حاضر امام بعینہٖ علی ہے اور علی بعینہٖ اللہ ہے،

لہٰذا حاضر امام بعینہٖ اللہ ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اسماعیلی فرقہ حاضر امام کو خدا سمجھ کر اس کی عبادت کرتا ہے، اسی کو قاضی الحاجات سمجھتا ہے، اسی سے دعائیں کرتا ہے، اسی کو حیّ و قیوم مانتا ہے اور اسی کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔

۲:......اسلامی عقیدہ کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''خاتم النبیین'' ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قیامت تک کے لئے ہے، لیکن آغاخانی عقیدہ کے مطابق ساتویں امام مولانا محمد بن اسماعیل سابع النطقا ہیں، جس کا مطلب ہے کہ جس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب شریعت رسول

تھے، جن کی شریعت سے پہلی تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں، اسی طرح آغا خانیوں کے نزدیک ساتواں امام محمد بن اسماعیل بھی مستقل صاحب شریعت رسول ہیں، جن کی باطنی شریعت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری شریعت منسوخ ہوگئی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب ''تاریخ فاطمیین مصر'' حصہ دوم فصل:۳۵، نیز ''ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام'' فصل:۶)۔

سب جانتے ہیں کہ قادیانی فرقہ باجماعِ امت کافر و مرتد اور زندیق ہے، کیونکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی و رسول مانتا ہے، حالانکہ قادیانیوں کا دعویٰ ہے کہ مرزا صاحب شریعت رسول نہیں (لیکن ان کا یہ دعویٰ غلط ہے، کیونکہ وہ بھی اسماعیلی باطنیوں کی طرح مرزا کو صاحب شریعت رسول سمجھتے ہیں، جس کی کچھ تفصیل میرے رسالہ ''قادیانیوں کی طرف سے کلمہ طیبہ کی توہین'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)، بلکہ غیرتشریعی نبی ہے، جب مرزائی قادیانی مرزا کو ''غیرتشریعی نبی'' ماننے کی وجہ سے اسلام سے خارج اور کافر و مرتد ہیں تو آغا خانی ٹولہ، امام محمد بن اسماعیل کو صاحب شریعت رسول مان کر، کیوں کافر اور خارج از اسلام نہیں ہوگا؟

۳:......آغا خانیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حاضر امام جب چاہے ظاہر شریعت کو معطل کرسکتا ہے، چنانچہ آغا خانیوں کے امام حسن علیٰ ذکرہ سلام نے سنہ ۵۵۷ھ میں شریعت کے معطل ہونے کا اعلان کیا ہے اور اسماعیلیوں کو طوق شریعت سے آزاد کردیا۔

اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے ''نورِ مبین'' ص:۳۹۸، ۴۰۲، ۴۲۰۔ اور ''تاریخ فاطمیین مصر'' حصہ دوم ص:۱۷۶ تا ۱۷۸۔

۴:......اسماعیلی فرقہ قیامت، حشر ونشر اور ثواب و عذاب کا بھی قائل نہیں، ان کے نزدیک قیامت کا مفہوم یہ ہے:

''دبستان المذاہب کی روایت کے بموجب اسماعیلی

عقائد میں امامِ حق کی طرف سے جو نفس کی تفتیش ہوتی ہے، اس کا نام قیامت ہے، ان کا عقیدہ ایسا ہے کہ لوگ جب خدا کے قرب میں پہنچتے ہیں اس وقت (قیامت) قائم ہوتی ہے۔

اور اس وقت شریعت کی تکالیف سب دور ہوجاتی ہیں، اس قیامت کے معنی یہ ہیں کہ حضرت امام اپنے امامت کے زمانے میں مخلوق، خالق کے ساتھ توسل کراتا ہے، اس لئے ان کے اوپر سے شریعت کے مراسم اٹھالیتا ہے۔"

"آثار محمدی" کی روایت کے بموجب حضرت امام حسن علیٰ ذکریا سلام نے ان لوگوں کو علم تاویلی سکھائے اور بتایا کہ:

"دنیا قدیم ہے، زمانہ جاودانی ہے، قیامت صرف روحانی ہے، بہشت و دوزخ معنوی (باطنی) ہیں، ہر ایک شخص کی قیامت اس کی موت ہے، باطن میں خلقت کو خدا تعالیٰ کی خدمت میں رہنا چاہئے اور ظاہر میں صوابی زندگی کے طور پر زندگی بسر کرنی چاہئے، جس کے لئے تمام شریعت کے اعمال کی پابندی اور بندشیں مخلوق سے اٹھالی جاتی ہیں۔"

الموت میں اسماعیلیوں کی عید القیام:

"حضرت امام حسن علی ذکریا سلام نے اپنی سلطنت کے تمام ملکوں کے اسماعیلیوں کو جمع کیا، اور امامت وسلطنت کے تخت پر جلوہ افروز ہوکر مجمع عام کے سامنے فرمایا کہ "قائم القیامہ میرے ذریعہ ہے۔ (میں امام زمان ہوں اور امر و نہی صرف

شریعت کے رسم و رواج ہیں۔ اور ان کی تکلیف کو میں اہل دنیا سے بالکل اٹھالیتا ہوں، چونکہ یہ زمانہ قیامت کا ہے۔" .....

اضافہ از تاریخ فاطمیین مصر ج:۲ ص:۱۷۶) اس دن کو الموت کے تمام اسماعیلیوں نے بڑا جشن منایا اور یہ دن تاریخ میں "عید القیام" کے طور پر مشہور ہوا ہے۔" (نورِ مبین ص:۳۹۹،۴۰۰)

گویا اسماعیلی عقیدہ کے مطابق جب امام شریعت کی بندشیں اٹھا کر لوگوں کو شریعت کے اعمال سے آزاد کردیتا ہے تو یہی قیامت ہے۔

جس شخص نے قرآن کریم میں قیامت، حشر و نشر اور جزا و سزا کی تفصیل پڑھی ہو، کیا وہ آغاخانیوں کے انکارِ قیامت کے عقیدہ کو کفر و زندقہ قرار دینے میں تامل کرسکتا ہے؟

۴:...... ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر رکھی گئی ہے:

(۱) توحید و رسالت کی شہادت دینا۔ (۲) پنج گانہ نماز ادا کرنا۔ (۳) ماہ رمضان کے روزے۔ (۴) زکوٰۃ۔ (۵) حج بیت اللہ۔

۵:...... کوئی شخص جو ان پانچ ارکان میں سے کسی ایک کا بھی منکر ہو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، آغاخانی ان پانچوں ارکان کے منکر ہیں، نہ وہ توحید و رسالت کے قائل ہیں، نہ نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کے، جو لوگ ان پانچوں ارکان کے منکر ہوں، ان کا اسلام اور مسلمانوں سے کیا تعلق ہے؟ اور ان کو مسلمانوں کا ایک فرقہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

۶:...... تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم آخری کتابِ ہدایت ہے، اور وہ ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے، لیکن آغاخانی، قرآن کریم کو تحریف شدہ سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک امام کا فرمان قرآن سے بالاتر ہے۔

آغاخان سوم کے فرامین کا جو مجموعہ "کلام امام مبین" کے نام سے شائع کیا

گیا ہے، اس کے چند حوالے ملاحظہ فرمائیے:

الف:......''خلیفہ عثمان کے وقت میں کچھ حصہ قرآن شریف میں سے نکال دیا گیا ہے اور کچھ بڑھادیا گیا ہے، امام حاضر کے پاس ہر وقت ایک نئی چیز ہوتی ہے، یہ اس وقت بتانے کی نہیں ہے، بعد میں بتلائیں گے۔'' (کلام امام مبین ص:۹۷، فرمان ۳۸ یکے از مطبوعات اسماعیلیہ ایسوسی ایشن انڈیا بمبئی)

ب:......''جس امام کی باری ہوتی ہے اس کے فرمان پر عمل کرو تو فائدہ ہوگا، اصل میں 'توریت، انجیل، زبور اور فرقان' یہ سب کتابیں الگ الگ قوم پر الگ الگ وقفہ پر نازل ہوئی تھیں، قرآن شریف بھی حق تھا، مگر خلیفہ عثمان کے وقت میں ردوبدل کردیا گیا ہے، آگے کے الفاظ پیچھے اور پیچھے کے الفاظ آگے رکھ دیئے گئے ہیں، اس معاملے میں سارے خلاصے ہمارے پاس ہیں۔ تم لوگ ہم سے پوچھو گے تو ہم تم کو یہ خلاصے دکھلائیں گے۔'' (کلام امام مبین ص:۹۶)

ج:......''آپ لوگوں کے لئے جو علم ہے وہ گنان ہے قرآن شریف کو تیرہ سو سال ہوچکے ہیں، وہ ملک عرب کی آبادی کے لئے تھا، گنان کو سات سو سال ہوئے ہیں، تم لوگوں کے لئے گنان ہے، اور اسی پر عمل کرنا۔'' (ایضاً ص:۸۱، فرمان:۳۱)

د:......''حضرت علی مرتضٰی نے لوگوں سے فرمایا کہ یہ کتاب مجھ کو رسول اللہ نے دی ہے، اور آپ لوگوں تک پہنچانے کی وصیت کی ہے، اس لئے آپ اس کو لیجئے، اس پر سب لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس حضرت عثمان کی کتاب ہے، وہ کافی ہے،

آپ کی کتاب کی ہم کو ضرورت نہیں ہے، اس پر مرتضیٰ علی نے فرمایا کہ اس کتاب کی رتی برابر خبر آپ لوگوں کو تا قیامت نہیں ملے گی، یہ کہہ کر کتاب اپنے گھر واپس لے گئے۔"

"وہ کتاب بقیہ دس سپارے ہیں جس کے بارے میں پیر صدرالدین نے "گنان" میں سمجھایا ہے، اس کے مطابق عمل کرو۔"

(ایضاً ص:۶۴ فرمان:۲۰)

ھ:......"آپ جانتے ہیں کہ انسان کی زندگی اور دنیا ہر وقت بدلتی رہتی ہے، ہر چیز بدلتی رہتی ہے، جس میں صحیح ہدایت امام حاضر ہی دے سکتے ہیں، اسماعیلیوں کے پاس ہدایت کے لئے کوئی لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے، مگر زندہ امام ہے (ہدایت کے لئے)۔"

(کلام امام مبین ص:۳۹۳ فرمان:۵۳۰، مطبوعہ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا، بمبئی)

آغاخانیوں کے کفریہ عقائد بے شمار ہیں، مگر میں انہی پانچ نکات پر اکتفا کرتے ہوئے اہل فہم کو انصاف کی دعوت دیتا ہوں، وہ خود فیصلہ کریں کہ کیا ان عقائد کے بعد آغاخانیوں پر کفر کا فتویٰ حق بجانب ہے؟

یہاں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ آغاخانیوں کے کفر کا فتویٰ صرف موجودہ دور کے اہل علم اور مفتیان کرام نے نہیں دیا، بلکہ ہمیشہ سے علمائے امت ان کے کفر و ارتداد اور زندیقیت و الحاد پر متفق چلے آئے ہیں، گویا قادیانی گروہ کی طرح آغاخانی گروہ کا خارج از اسلام ہونا بھی قطعی و یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہے، مناسب ہوگا کہ اس ضمن میں دورِ قدیم کے چند اکابرؒ کے فتوے بھی نقل کردیئے جائیں۔

امام حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۰۵ھ) اپنے

رسالہ "المنتظری"، میں جو "فضائح الباطنیہ" کے نام سے مشہور ہے، لکھتے ہیں:

"والقول الوجیز فیه انه یسلک بهم مسلک المرتدین فی النظر فی الدم والمال والنکاح والذبیحة ونفوذ الاقضیة وقضاء العبادات، اما الارواح فلا یسلک بهم مسلک الکافر الاصلی، اذ یتخیر الامام فی الکافر الاصلی، بین اربع خصال، بین المن والفداء والاسترقاق والقتل، ولا یتخیر فی حق المرتد، بل لا سبیل الی استرقاقهم، ولا الی قبول الجزیة منهم ولا الیٰ المن والفداء، وانما الواجب قتلهم، وتطهیر وجه الارض منهم. هذا حکم الذین یحکم بکفرهم من الباطنیة." (فضائح الباطنیہ ص:۱۵۶، طبع قاہرہ)

ترجمہ:...... "ان کے (اسماعیلیوں کے) بارے میں مختصر بات یہ ہے کہ خون، مال، نکاح، ذبیحہ، فیصلوں کے نفاذ اور قضائے عبادات کے بارے میں ان کا حکم مرتدین کا ہے، لیکن ان کی جان لینے کے بارے میں ان کے ساتھ کافر اصلی کا معاملہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ کافر اصلی کے معاملہ میں براہ راست حکومت کو اختیار ہے کہ بطور احسان ان کو چھوڑ دے، یا فدیہ لے کر چھوڑے، یا ان کو قتل کردے، یا ان کو غلام بنالے، لیکن مرتدین کے معاملے میں اس کو یہ اختیار نہیں، ان کو غلام نہیں بنایا جاسکتا، نہ ان سے جزیہ قبول کیا جاسکتا ہے، نہ ان کو بطور احسان یا فدیہ لے کر چھوڑا جاسکتا ہے، بلکہ ان کا قتل واجب ہے، اور خدا کی زمین کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کردینا ضروری

ہے۔ یہی حکم ان باطنیوں اور اسماعیلیوں کا ہے جو کفریہ عقائد رکھتے ہیں۔“

امام ابومحمد علی بن احمد ابن حزم الظاہری رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵٦ھ) ”کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل“ میں عقیدہ حلول کے بارے میں لکھتے ہیں:

”واما من قال ان اللہ عز وجل ھو فلان لانسان بعینہٖ او ان اللہ تعالیٰ یحل فی جسم من اجسام خلقہ او ان بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیًا غیر عیسیٰ بن مریم فانہ لا یختلف اثنان فی تکفیرہ لصحۃ قیام الحجۃ بکل ھذا علی کل احد.“ (ج:۳ ص:۲۴۹)

ترجمہ:......”جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی ہے، یا یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے جسم میں حلول کرتا ہے، یا یہ کہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے آئے گا، تو ایسے شخص کے کافر ہونے کے بارے میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں، کیونکہ ان تمام امور میں ہر شخص پر حجت قائم ہوچکی ہے۔“

دوسری جگہ امامیہ کے عقائد کو ذکر کرکے امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

”قال ابو محمد: وکل ھذا کفر صریح لا خفاء بہ فھذہ مذاھب الامامیۃ وھی المتوسطۃ فی الغلو من فرق الشیعۃ واما الغالیۃ من الشیعۃ فھم قسمان، قسم اوجبت النبوۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لغیرہ، والقسم الثانی اوجبوا الالٰھیۃ لغیر اللہ عز وجل،

فلحقوا بالنصاریٰ والیهود وکفروا اشنع الکفر."

(ج:۴ ص:۱۸۳)

ترجمہ:......"یہ تمام باتیں صریح کفر ہیں جن میں کوئی خفا (پوشیدگی) نہیں، یہ امامیہ کے مذاہب ہیں جو غلو میں متوسط ہیں، رہے شیعوں کے غالی فرقے، تو ان کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے لوگوں کے لئے نبوت ثابت کی، دوسری قسم وہ ہے جنھوں نے غیراللہ کے لئے الوہیت کو ثابت کیا، جس کی وجہ سے وہ یہود و نصاریٰ کے زمرے میں شامل ہوگئے اور بدترین کفر کے مرتکب ہوئے۔"

امام ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۲۹ھ) "الفَرْق بین الفِرَق" میں لکھتے ہیں:

"قال عبدالقاهر: الذی یصح عندی من دین الباطنیة انهم دهریة، زنادقة یقولون بقدم العالم وینکرون الرسل والشرائع، کلها لمیلها الیٰ استباحة کل ما یمیل الیه الطبع."

(الفرق بین الفرَق ص:۱۷۷، طبع میر محمد کراچی)

ترجمہ:......"باطنیہ (اسماعیلیہ) کے دین کے بارے میں جو چیز میرے نزدیک محقق ہوئی وہ یہ ہے کہ یہ لوگ دہریئے ہیں، زندیق ہیں، عالم کو قدیم مانتے ہیں، رسولوں اور شریعت کے یکسر منکر ہیں اور ان تمام چیزوں کو جن کی طرف ان کی طبیعت مائل ہو ان کو حلال سمجھتے ہیں۔"

مسند الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) ''تحفۂ اثنا عشریہ'' میں لکھتے ہیں:

''ونیز معلوم شد کہ تکفیر وحکم ارتداد شیعہ بلا اختلاف منطبق ست برحال غلاۃ وکیسانیہ واسماعیلیہ۔''

(تحفۂ اثنا عشریہ ص:۱۱، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ:......''اور یہ بھی معلوم ہوا کہ غالی شیعوں، کیسانیہ اور اسماعیلیوں پر بغیر کسی اختلاف کے کفر و ارتداد کا حکم نافذ ہے۔''

علامہ محمد امین ابن عابدینؒ شامی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) ''ردالمحتار حاشیۃ الدر المختار'' میں لکھتے ہیں:

''(تنبیہ) یعلم مما ھنا حکم الدروز والتیامنۃ فانھم فی البلاد الشامیۃ یظھرون الاسلام والصوم والصلاۃ مع انھم یعتقدون تناسخ الارواح وحل الخمر والزنا وان الالوھیۃ تظھر فی شخص بعد شخص ویجحدون الحشر والصوم والصلاۃ، والحج، ویقولون المسمیٰ بہ غیر المعنی المراد، ویتکلمون فی جناب نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کلمات فظیعۃ. وللعلامۃ المحقق عبدالرحمن العمادی فیھم فتویٰ مطولۃ وذکر فیھا انھم ینتحلون عقائد النصیریۃ والاسماعیلیۃ الذین یلقبون بالقرامطۃ والباطنیۃ الذین ذکرھم صاحب المواقف، ونقل عن علماء المذاھب الاربعۃ انہ لا یحل اقرارھم فی دیار الاسلام بجزیۃ ولا غیرھا، ولا تحل

مناکحتهم ولا ذبائحهم، وفيهم فتویٰ في الخيرية ايضا فراجعها."

مطلب جملہ: "من لا تقبل توبته":

"والحاصل انهم يصدق عليهم اسم الزنديق والمنافق والملحد، ولا يخفى ان اقرارهم بالشهادتين مع هذا الاعتقاد الخبيث لا يجعلهم فى حكم المرتد لعدم التصديق، ولا يصح اسلام احدهم ظاهرا الا بشرط التبرى عن جميع ما يخالف دين الاسلام لانهم يدعون الاسلام ويقرؤن بالشهادتين وبعد الظفر بهم لا تقبل توبتهم اصلا."

(ردالمحتار علی ہامش الدر المختار، شامی ج:۴ ص:۲۴۴ طبع بیروت)

ترجمہ:...... "یہیں سے دروزیوں اور تیامنہ کا حکم معلوم ہوجاتا ہے، یہ لوگ شام کے علاقوں میں اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور نماز، روزہ بھی کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود تناسخ کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں، شراب اور زنا کو حلال سمجھتے ہیں، اور یہ کہ الوہیت ایک کے بعد دوسرے شخص میں ظاہر ہوتی رہتی ہے، یہ لوگ حشر اور نماز، روزہ اور حج کے منکر ہیں، اور کہتے ہیں کہ حقیقت معنی مراد کے علاوہ ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گھناؤنے الفاظ بولتے ہیں۔ ان کے بارے میں علامہ محقق عبدالرحمٰن عمادی کا ایک طویل فتویٰ ہے، جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ نصیری اور اسماعیلی عقائد رکھتے ہیں، جن کو قرامطہ اور باطنیہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اور جن کا

تذکرہ صاحب مواقف نے کیا ہے اور مذاہب اربعہ کے علمأ سے
یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ ان کو دارالاسلام میں ٹھہرنے کی اجازت
دینا حلال نہیں، نہ جزیہ کے ساتھ اور نہ بغیر جزیہ کے، نہ ان کی
عورتوں سے نکاح جائز ہے اور نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، نیز ان
کے بارے میں فتاویٰ خیریہ میں بھی فتویٰ ہے، اس کو دیکھ لیا
جائے۔ حاصل یہ کہ ان پر زندیق، منافق اور ملحد کا لقب صادق
آتا ہے، اور مخفی نہیں کہ ان خبیث عقائد کے باوجود ان کا دعویٰ
اسلام ان کو مرتد کے حکم میں قرار نہیں دیتا، کیونکہ تصدیق مفقود
ہے اور ان میں سے کسی کا بظاہر دعویٰ اسلام قابل اعتبار نہیں،
جب تک کہ ان تمام عقائد سے برأت کا اعلان نہیں کرتا جو دین
اسلام کے خلاف ہیں، کیونکہ اسلام کا تو وہ دعویٰ کرتے ہیں، اور
شہادتوں کا بھی اقرار کرتے ہیں (لہٰذا ان کا صرف دعویٰ اسلام
کافی نہیں، بلکہ تمام غلط عقائد سے بیزاری کا اعلان شرط ہے)،
اور اگر ان میں سے کوئی ہاتھ آجائے تو اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں
کی جائے گی (بلکہ اس کا قتل واجب ہوگا)۔“

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا ”امداد الفتاویٰ“ (ج:۶ ص:۱۱۰ تا ۱۱۵) میں آغاخانی جماعت کے بارے میں کفر کا فتویٰ موجود ہے، اس کا ایک فقرہ یہاں نقل کرتا ہوں:

”اور ان کفریات کے ہوتے ہوئے نہ ایسے شخص کا
دعویٰ اسلام کافی ہے، نہ اس کا نمازی اور روزہ دار ہونا کافی ہے،
نہ اس پر نماز جنازہ جائز ہے، نہ مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز
ہے، اور نہ مصلحت کے سبب کافر کو مسلمان کہنا، یا اس کے ساتھ

مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا جائز ہے۔"

(امداد الفتاویٰ ج:۶ ص:۱۱۴)

وللہ الحمد اولاً وآخراً

("مقدمہ" آغاخانی کافر ہیں، علماً کا متفقہ فتویٰ")

آغا خانیت کا بھیانک کردار!
اور
اس کے ''اخفا'' کی وجوہات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

اسماعیلی مذہب پر کتابوں کی کمی کی شکایت قریباً ہر زمانہ میں رہی ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسماعیلی مذہب ایک باطنی تحریک ہے، وہ اپنی دعوت خفیہ ذرائع سے پھیلانے کے قائل ہیں۔ یہ لوگ اپنی تحریک کا کھلا تعارف پسند نہیں کرتے بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض حضرات نے بڑی محنت وجستجو سے باطنیوں کے حالات پر کتابیں لکھیں لیکن اس تحریک کے اکابر نے انہیں منظر عام سے غائب کرادیا۔

اس اخفا کی وجوہات کئی ایک ہوسکتی ہیں، ایک سب سے بڑی وجہ تو یہ کہ یہ باطنی دعوت ''اہل بیت'' کے نام پر پیش کی جاتی تھی، مگر اہل بیتؓ کے اکابر جو عام لوگوں کے سامنے موجود تھے ان کو اس دعوت کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ اگر علانیہ یہ دعوت پیش کی جاتی تو ''ائمہ اہل بیت'' اس کو فوراً جھٹلا دیتے اس لئے باطنی تحریک کے داعیوں نے نہ صرف اپنی دعوت اور اس کی سرگرمیوں کو صیغۂ راز میں رکھا بلکہ خود ''ائمہ اہل بیت'' کو بھی ''مکتوم'' اور ''مستور'' بنادیا، جب ان سے پوچھا جاتا کہ وہ امام کہاں ہیں جس کی تم دعوت دیتے ہو؟ تو کہہ دیا جاتا کہ بحکم الٰہی وہ کسی نامعلوم مقام پر چھپے

ہوئے ہیں اور ان سے ملاقات کی کسی کو اجازت نہیں، ظاہر ہے کہ ایک ایسی دعوت جس کے مرکزی کردار بھی ''پردہ ستر'' میں ہوں اس کو کھلے بندوں کیسے جاری رکھا جاسکتا تھا؟

دوسری بڑی وجہ یہ ہوئی کہ باطنی داعیوں کے پاس کوئی مربوط اور مفصل نظام نہیں تھا، اس لئے جس داعی کی سمجھ میں جو بات آجاتی وہ کہہ دیتا، علانیہ دعوت کی صورت میں ان کے آپس میں اختلافات رونما ہوتے، اس لئے دعوت کا رخ ظاہر سے باطن کی طرف کردیا گیا تاکہ داعیوں کے خود تراشیدہ ''حقائق'' منظر عام پر نہ آسکیں۔

اور اس سے بڑی وجہ اخفا کی یہ تھی کہ اسماعیلی دعوت میں جو باتیں بنیادی اصول کے طور پر پیش کی جاتی تھیں وہ ایک مسلمان کے لئے اتنی متوحش تھیں کہ بھلے زمانوں کے مسلمان ایسی باتوں کو کبھی برداشت ہی نہیں کرسکتے تھے۔ مثال کے طور پر یہ باطنی اصول کہ اللہ تعالیٰ کا نور علیؓ میں حلول کرگیا ہے۔ اس لئے علیؓ خود اللہ ہے اور پھر یہی منصبِ الوہیت بعد کے دیگر ائمہ کی طرف منتقل ہوتا رہا، کون مسلمان ہوگا جو اس باطنی اسماعیلی عقیدے کو سن کر آسانی سے ہضم کرجائے اور اس عقیدے کو علانیہ طور پر پھیلانے کی اجازت دے؟ اس لئے اس دعوت کا، اس کے بنیادی اصولوں اور اس کے مرکزی کرداروں کا یہاں تک اخفا کیا کہ یہ تحریک ہی باطنی تحریک کے نام سے مشہور ہوگئی۔ اس تحریک کے ''پردۂ راز'' میں رہنے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحریک پر بہت کم کتابیں لکھی گئیں اور جو کچھ لکھا گیا وہ بھی مسلمانوں کے لئے ''شجر ممنوعہ'' قرار دیا گیا، اس لئے باطنی تحریک کے باطنی احوال وکوائف یہاں تک پردۂ راز میں رہے کہ اس تحریک کی تاریخ، اس کے اصول وقواعد، اس کے مذہبی رسوم وفرائض، اس کے اغراض ومقاصد، اس کے داعیوں کے حدود والقاب اور اس کی دعوت کے مدارج عام لوگوں کی نظر ہی سے اوجھل نہیں رہے بلکہ خود اسماعیلی باطنی بھی ان سے بے خبر رہے،

ان وجوہ و اسباب کی بنا پر اسماعیلی تحریک کے لٹریچر کی کمی کی شکایت ہمیشہ رہی مگر اب کچھ عرصہ سے مستشرقین کی دلچسپی کی بنا پر خود اسماعیلیوں کی لکھی ہوئی کتابیں منظر عام پر آگئی ہیں اور انگریزی، عربی اور گجراتی میں اس تحریک پر کافی مواد دستیاب ہونے لگا ہے، اور ان مستند مآخذ کو سامنے رکھ کر ڈاکٹر زاہد علی صاحب نے اسماعیلی مذہب پر (جو ان کا خاندانی مذہب تھا) دو گراں قدر کتابیں لکھیں: (۱) تاریخ فاطمیین مصر۔ (۲) ہمارا اسماعیلی مذہب اور اس کا نظام۔ یہ دونوں کتابیں بہت ہی محنت و کاوش سے لکھی گئی ہیں اور اس موضوع پر گویا حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہیں، مگر یہ کتابیں بھی بازار میں کم یاب ہیں، ہمارے محترم جناب سید تنظیم حسین صاحب نے پیش نظر کتاب ''اسماعیلیہ اور عقیدۂ امامت کا تعارف تاریخی نقطہ نظر سے'' میں قدیم و جدید ماخذ سے استفادہ کرتے ہوئے اسماعیلی دعوت کے بارے میں ایسا وقیع مواد جمع کر دیا ہے کہ اس کا مطالعہ اس دعوت کے سمجھنے میں نہایت مفید اور ضروری ہوگا۔ کتاب میں طرز نگارش نہ صرف غیر جانبدارانہ ہے بلکہ ایسا عام فہم بھی ہے کہ ایک متوسط استعداد کا شخص بھی مطالب کے سمجھنے میں کوئی الجھن محسوس نہیں کرے گا۔

کتاب کے چھٹے باب میں مؤلف نے ''اسماعیلیوں کے منفی کردار'' سے بحث کی ہے، اور اس سلسلہ میں قرامطہ کی ہوشربا سرگرمیوں اور حسن بن صباح کی تیار کردہ جماعت ''فدائیین'' (جو تاریخ میں ''حشاشین'' کے لقب سے معروف ہیں) کی ہولناک تباہ کاریوں کا تذکرہ کیا ہے، اس ضمن میں اسماعیلیوں کی سفاکی و بے رحمی کی ایک مثال ابن النابلسی شہیدؒ کے قتل کا وہ واقعہ ہے جس کا تذکرہ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ و النہایہ (ج:۱۱ ص:۲۸۴) میں، اور حافظ شمس الدین الذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں کیا ہے، اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

> ''امام ابوبکر محمد بن احمد بن سہل الرملی المعروف بہ ''ابن النابلسی'' اپنے دور کے بہت بڑے محدث تھے، عابد و زاہد اور

صائم الدہر تھے، حدیث وفقہ میں امام تھے، فاطمیوں نے جب مصر پر غلبہ حاصل کیا تو اسماعیلی عقائد کو لوگوں پر بزورِ شمشیر مسلط کرنا چاہا، ابن نابلسی شہیدؒ ان کی اس حرکت سے نالاں تھے اور وہ نہ صرف ان کے اس طرزِ عمل پر تنقید کرتے تھے بلکہ ان کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیتے تھے۔ اسماعیلی حکمران انہیں گرفتار کرنا چاہتے تھے، وہ رملہ سے دمشق چلے گئے وہاں کے گورنر نے ان کو گرفتار کر کے لکڑی کے پنجرے میں بند کر کے مصر بھیج دیا، یہ ۳۶۵ھ کا واقعہ ہے، اس وقت ابوتمیم معز فاطمی حکمراں تھا، اور اس کا غلام امیر عساکر "جوہر" سیاہ وسفید کا مالک تھا، ابن النابلسی شہیدؒ کو قائد جوہر کے سامنے پیش کیا گیا۔ جوہر نے پوچھا کہ تم نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر کسی کے پاس دس تیر ہوں تو وہ ان میں سے ایک تیر روم کے نصرانیوں کے خلاف اور نو اسماعیلیوں کے خلاف استعمال کرے؟ ابن النابلسی شہیدؒ نے فرمایا: جناب! آپ کو روایت غلط پہنچی ہے، میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا بلکہ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس دس تیر ہوں تو وہ نو تیر تو تمہارے خلاف استعمال کرے اور دسواں تیر بھی نصرانیوں کے بجائے تم لوگوں پر برسائے:

"فانکم غیرتم الملة وقتلتم الصالحین وادعیتم نور الالٰهیة."

ترجمہ:...... "کیونکہ تم نے دین کو بدل ڈالا، خدا کے نیک بندوں کے خون سے ہاتھ رنگے، اور تم نورِ الوہیت کے مدعی بن بیٹھے۔"

جوہر نے حکم دیا کہ ان کی تشہیر کی جائے (منہ کالا
کرکے بازار میں پھرایا جائے)، دوسرے دن ان کی پٹائی کا حکم
دیا، تیسرے دن ایک یہودی کو حکم دیا کہ ان کی زندہ کھال کھینچ لی
جائے۔ یہودی نے سر کی چوٹی سے ان کی کھال کھینچنا شروع کی،
چہرے تک کھال اتاری گئی، مگر انہوں نے اف نہیں کی بلکہ
نہایت صبر وسکون کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول رہے اور قرآن
کریم کی آیت: "كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا." (بنی
اسرائیل:۵۸) (یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے) کی تلاوت
فرماتے رہے، یہاں تک کہ سینے کی کھال اتاری گئی اور ان کے
صبر واستقامت کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی بالآخر کھال کھینچنے
والے یہودی کو ان پر ترس آیا اور اس نے دل کی جگہ خنجر گھونپ
کر ان کا قصہ تمام کردیا۔ کھال اتارنے کے بعد اس میں بھوسہ
بھرا گیا اور بھوسہ بھری کھال کو سولی پر لٹکایا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ۔"

(الذہبی، سیر اعلام النبلاءَ ج:۱۶ ص:۱۴۸، ۱۴۹)

یہ اسماعیلیوں کی سفاکی و بربریت کی ایک مثال ہے جس کے پڑھنے سے بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسماعیلی خونخواروں کے ہاتھوں کتنے علماً حقانی نے جام شہادت نوش کیا ہوگا؟

حق تعالیٰ شانہ ان کے فتنے سے امت کی حفاظت فرمائے۔

وللہ الحمد اولاً وآخراً

(مقدمہ "اسماعیلیہ اور عقیدہ امامت کا تعارف تاریخی نقطہ نظر سے")

"ملتِ جعفریہ" یہودی سازش کے جال میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی :

شیعہ فرقہ کے ایک ہفت روزہ "عظیم کراچی" جلد ۷ شمارہ ۲۸-۲۹ مورخہ ۸ر تا ۱۶ر نومبر ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں صفحہ اول پر "صدر العلما حضرت علامہ مفتی سید نصیر الاجتہادی کی نوجوانان ملت جعفریہ سے اپیل" شائع ہوئی ہے جو پاکستان کی ملت اسلامیہ کے لئے لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے ہم اس کا پورا متن درج کرتے ہیں:

"میں اپنی قوم کے تمام افراد سے اور بالخصوص نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے کمربستہ ہو جائیں، اور زندہ اقوام کی طرح اپنے سماجی اور شرعی حقوق کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، کیونکہ قرآن اور تاریخ کا یہی فیصلہ ہے کہ انہیں قوموں کو زندہ و تابندہ رہنے کا حق ہے جو اپنے حقوق کی ہر قیمت پر حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ ہماری جنگ نہ کسی فرقہ سے ہے نہ ہی حکومت سے ہے۔ لیکن ہمیں زندہ رہنا ہے اور ایک

غیرت مند قوم کی طرح رہنا ہے۔ اس کے لئے ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ کریں گے ہم اس ملک میں دوسرے درجہ کے شہری یا زیردست ملت کی طرح زندہ رہنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔ بحمد اللہ ہم تعداد' صلاحیت' دولت' علم کسی اعتبار سے کسی سے کم نہیں ہیں۔ پھر ہم اپنے حقوق سے محروم کیوں رہیں' اور اپنا حق کیوں نہ حاصل کریں۔ ہماری راہ میں کسی کو بھی حائل ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ ہم تیس سال سے اپنے حقوق کی پامالی کا مشاہدہ کررہے ہیں اور ہر چیز کی طرح صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے' اب ہم ہر قیمت پر اپنے حقوق حاصل کرکے رہیں گے خواہ ہمیں اس کی کتنی بڑی ہی قیمت کیوں ادا نہ کرنا پڑے' جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم متفرق و منتشر ہیں وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں ہم میں خواہ کتنی جماعتیں اور ادارے ہوں مگر ان سب کا ایک ہی مقصد ہے' ایک ہی ہدف ہے کہ ہم اس دنیا میں محمدؐ و آل محمد کے احکام کی روشنی میں زندگی گزاریں۔ ہم دوسروں کو اس کے لئے مجبور نہیں کرتے لیکن اپنی زندگی اور طریق کار میں دوسروں کی اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ہمیں کسی سیاسی جماعت کی پشتی بانی اور حمایت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم خود ایک عظیم قوت ہیں' ہر سیاسی جماعت ہماری محتاج ہے' ہم کسی کے محتاج نہیں' ہر فیصلہ میں ہمارا ہی فیصلہ حرف آخر ہوگا' آج اس ملک میں ہر جماعت کی بات ہوتی ہے' ہر پارٹی کا ذکر ہوتا ہے' خواہ اس کے ممبران کی

تعداد ہزار سے بھی کم ہو لیکن کسی کو ڈھائی کروڑ قوم کی صورت وسیرت نظر نہیں آتی' یہ صرف اس لئے کہ ہم نے تہذیب وعلم کا لہجہ استعمال کیا اور لوگ غالباً طاقت کی زبان سننے کے عادی ہیں' اور ہمیں یہ زبان بھی استعمال کرنا آتی ہے۔

کوتاہ قامت پارٹیاں' پاکٹ سائز جماعتیں' ایک تانگہ میں سما جانے والے ادارے' دو فیصد افراد کی نمائندہ جماعتیں اس طرح گرج برس رہی ہیں گویا دوسروں کا اس دنیا میں وجود ہی نہیں۔ آپس میں اس طرح صلاح ومشورے' لائحہ عمل اور منصوبے تیار کررہی ہیں کہ گویا ان کا ہر قول حرف آخر اور ہر فیصلہ حکم قضاوقدر ہے' پاکستان کی قسمت کے یہ واحد مالک ہیں اور ان کے سوا یہاں نہ کوئی ملت نہ مسلک' تو ہم ان کی اطلاع کے لئے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے بغیر آپ کا ہر فیصلہ تار عنکبوت ہوگا' آپ کے علاوہ یہاں ایک اور ملت بھی رہتی ہے جس کی تعداد ڈھائی کروڑ ہے' اس کو گرجنا ہی نہیں برسنا بھی آتا ہے' چمکنا ہی نہیں بجلی بن کر گرنا بھی آتا ہے۔ جب ہم بولیں گے تو پہاڑوں کو پسینہ آجائے گا اور ستاروں کو نیچے اتر کر ہماری گفتگو سننا پڑے گی' جس پاکستان کو ہمارے دماغ اور دولت نے بنایا ہے اس میں ہم یتیموں اور غلاموں کی طرح رہنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم دوسرے درجے کے شہری کی حیثیت سے یہاں نہیں رہیں گے۔ ہم یہاں ایک معزز اور برابر کے شہری کی حیثیت سے رہنے کا فیصلہ کرچکے ہیں۔ ہم پر کسی

قسم کی برتری کا دعویٰ صرف پاگل کرسکتے ہیں' ہمارے بغیر پہلے بھی کچھ نہیں ہوسکا اور اب بھی کچھ نہ ہوگا' عقلمندوں کو ماضی کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہئے جس قوم کے پیش نظر صبح وشام کربلا ہو' اس کو کس طرح سے ڈرایا جاسکتا ہے؟ اور جس ملت کا ذہن ہر آن قیدخانہ شام کا طواف کرتا ہو' اس کو کون ہراساں کرسکتا ہے؟ لوگ اگر نوشتہ دیوار نہیں پڑھ سکتے تو آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنا چاہئے شاید ان کو کچھ نظر آجائے ورنہ ہم ان کو دکھائیں گے جو وہ دیکھنا نہیں چاہتے' مگر وہ دیکھیں گے۔

میں نہ تو کسی قوم کو ڈرانا چاہتا ہوں نہ دھمکی دینا چاہتا ہوں' میں تو صرف اپنی قوم سے بات کررہا ہوں کہ وہ اٹھے اور اس طرح اٹھے کہ تمام طوفان بیٹھ جائیں۔ چلے اور اس طرح چلے کہ ہواؤں کی سانس رک جائے۔ ہم ملک میں اسلام' عدل' آزادی کا اقتدار چاہتے ہیں' کسی پارٹی یا جماعت کا نہیں۔ ہم نظام مصطفیٰؐ اور تشریح آل مصطفیٰؐ کے ماتحت زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ نہ کسی کی سروری تسلیم کرنے پر تیار ہیں' نہ برتری' برابری چاہتے ہیں۔ جیو اور جینے دو کے اصول پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

میں ملت جعفریہ کے نوجوانوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ اغیار کے فریب میں نہ آئیں اور ان قومی ورکروں اور لیڈروں سے بچیں جو ہماری قوم میں دوسروں کی دلالی کے فرائض حسن وخوبی سے انجام دینے کا تہیہ کئے بیٹھے ہیں۔ اغیار کے ایجنٹوں

سے احتیاط کریں یہ آستین کے سانپ ہیں اور ہم ان کو مجبور
کریں گے کہ یہ خود اپنے آپ کو ڈسیں۔ اللہ تعالیٰ' رسولؐ اللہ
اور ائمہ علیہم السلام کی رحمتیں اور برکتیں آپ کے ساتھ ہیں۔
اٹھئے اور اپنی زندگی کو عزت کی لوح پر اپنے لہو کے قلم سے لکھئے
کہ عظیم قوموں کی تاریخ رنگ وخوشبو سے نہیں سنگ ولہو سے
لکھی جاتی ہے۔ والسلام

سید نصیر الاجتہادی

صدر مرکزی مجلس علمائے پاکستان کراچی

شیعہ حضرات کی طرف سے وقتاً فوقتاً اشتعال انگیز بیانات اور تقریریں شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن "بینات" کی تاریخ گواہ ہے کہ ہم نے کبھی ان کا نوٹس نہیں لیا' لیکن یہ اپیل شیعہ برادری کی سب سے بلند تر شخصیت کی جانب سے شائع ہوئی ہے اس لئے یہ اسلامیان پاکستان کے لئے توجہ طلب ہے یہ تو ظاہر ہے کہ اجتہادی صاحب کا روئے سخن عیسائیوں' یہودیوں' ہندوؤں' سکھوں' قادیانیوں' دہریوں' کمیونسٹوں اور دیگر لادین قوتوں کی طرف نہیں۔ صرف اور صرف مسلمانوں کی طرف ہے۔ ان کی خوں افشاں اپیل کا متن پڑھ کر ذہن میں چند سوالات ابھرتے ہیں :

سب سے پہلے تو یہ کہ آج تک لوگ یہی سمجھتے رہے ہیں کہ شیعہ' سنی' دیوبندی' بریلوی' حنفی' اہل حدیث وغیرہ مسلمانوں کے فرقے ہیں اور یہ سب ملت اسلامیہ کا جزو ہیں لیکن اجتہادی صاحب نے اپنی "قوم" اور "ملت اسلامیہ" کی اصطلاح کا صور اس شدت سے پھونکا ہے' جس سے ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ شاید کسی اقلیتی مذہب وملت کا لیڈر پاکستان کے مسلمانوں کو للکار رہا ہے' اور یہ کہ

اس لیڈر کی ملت اور ملت اسلامیہ کے درمیان کوئی قدر مشترک اور کوئی رشتہ اخوت موجود نہیں ہے۔ اجتہادی صاحب ذرا اپنی سرفروشانہ اپیل کو بغور پڑھیں' کیا اس سے یہی تاثر نہیں مل رہا؟ اور کیا یہ تاثر ملت اسلامیہ کی وحدت کے لئے ایک چیلنج نہیں ہے؟

دوسرا سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دنوں پاکستان کے مسلمانوں کی طرف سے اجتہادی صاحب کی "ملت جعفریہ" پر آخر کون سی افتاد اچانک آن پڑی ہے جس سے متاثر ہو کر وہ جامہ صبر کو تار تار کردینے اور آگ کے شعلے برسانے پر مجبور ہیں اور وہ اپنے نوجوانوں کو میدان کارزار برپا کرنے کی دعوت دے رہے ہیں؟ جہاں تک ہماری ناقص معلومات کا تعلق ہے شیعہ برادری کو ان دنوں کوئی نیا سانحہ ہرگز پیش نہیں آیا' نہ پاکستان کے مسلمانوں کی طرف سے کسی زیادتی کی ہمیں کوئی اطلاع ہے۔ آخر خاص اس موقعہ پر جب کہ پاکستان میں اسلامی نظام کی طرف پیش رفت کی کوششیں ہو رہی ہیں اجتہادی صاحب کی اس بھپری ہوئی اپیل کا پس منظر کیا ہے؟ کیا یہ اس یہودی سازش کی صدائے بازگشت تو نہیں جس کے ذریعے اسلامی ممالک کو خانہ جنگی کی آگ میں دھکیل کر انہیں مفلوج کردیا جاتا ہے؟ اور جن کا خمیازہ آج ایران وافغانستان بھگت رہے ہیں۔

لطف یہ کہ اجتہادی صاحب پاکستان میں اپنی ملت جعفریہ کی تیس سالہ غلامی کا ماتم بھی کررہے ہیں' ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر وہ کون سی غلامی ہے جس میں آج تک اجتہادی صاحب اور ان کی قوم جکڑی رہی ہے' اور یہ کہ تیس برس تک اجتہادی صاحب اس غلامی پر صابر وشاکر ہو کر کیسے بیٹھے رہے ہیں' اور آج یکایک انہیں کیسے خیال آگیا کہ اس نام نہاد غلامی کی زنجیروں کو کاٹ پھینکنا چاہیے۔

پاکستان کی تاریخ کا تیس سالہ دور سب کے سامنے ہے اس ملک میں محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس رفقاء کو سب و شتم کیا گیا' مسلمانوں کی مقدس ماؤں (امہات المومنین) کے لئے نازیبا وناروا القاب تجویز کئے گئے' خلفائے راشدینؓ پر لعن وملامت کے تیر برسائے گئے' اسلام کی بزرگ ترین ہستیوں کی عزت وناموس کو پامال کیا گیا' اور جن لوگوں نے ان نازیبا حرکات پر ٹوکا انہیں قید وبند کی سزائیں دی گئیں' ان کی زبان و قلم پر پابندیاں عائد کی گئیں اور یہ سب کچھ اجتہادی صاحب کی ملت جعفریہ کی نازبرداری کیلئے کیا گیا۔ کیا یہی غلامی ہے جس کا اجتہادی صاحب ماتم کر رہے ہیں؟ شکایت تو مسلمانوں کو ہونی چاہئے تھی کہ اجتہادی صاحب اوران کی قوم کے ہاتھوں سے وہ اپنے مقدس بزرگوں کی عزت وناموس کو نہیں بچاسکے' لیکن افسوس ہے کہ اجتہادی صاحب اپنی قوم کے تیس سالہ کارناموں پر ماتم کی سیاہ چادر ڈال کر اسے مظلوم اور غلام بتارہے ہیں۔

اجتہادی صاحب نے اپنی "ملت جعفریہ" کی تعداد ڈھائی کروڑ بتائی ہے۔ مرزا ناصر صاحب اپنے مریدوں کی تعداد ایک کروڑ بتاتے ہیں۔ ایک کروڑ کے قریب تعداد کا دعویٰ عیسائی کرتے ہیں اوراگر باقی اقلیتیں بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں تو ڈیڑھ دو کروڑ کی تعداد وہ بھی بتاسکتی ہیں' گویا پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کے بعد صرف اجتہادی صاحب کی "ملت جعفریہ" ہی آباد ہے' حیف ہے کہ مذہبی جماعتوں کے ذمہ دار لیڈر بھی ایسی غیرذمہ دارانہ باتیں کرنے سے نہیں ہچکچاتے۔

اجتہادی صاحب اپنی "ملت جعفریہ" کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی ہدف بتاتے ہیں اور وہ یہ کہ "ہم اس دنیا میں محمدؐ اور آل محمدؐ کے احکام کی روشنی میں زندگی گزاریں"۔

کاش کوئی شخص اجتہادی صاحب سے یہ دریافت کرسکتا کہ جو چیزیں آج کی ملت جعفریہ" کا خاص شعار سمجھی جاتی ہیں کیا محمدؐ و آل محمد (صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم)

کا ان پر عمل تھا؟ یہ تعزیہ' یہ دلدل' یہ ماتم' یہ سیاپا' یہ تقیہ' یہ متعہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمدؐ کی تعلیم ہے؟

کیا آل محمدؐ کے جد امجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ۲۵ سال تک حضرات خلفائے راشدینؓ کے ساتھ یک جان و دو قالب بن کر نہیں رہے؟ کیا حضرات حسنینؓ خلفائے راشدینؓ اور ان کے بعد کے اکابر اہل سنت کی معیت میں اسلامی احکام نہیں بجالاتے رہے؟ کیا امام باقر اور امام جعفر صادق مسلمانوں کی نمازوں میں شریک اور اہل سنت کے ہم دوش زندگی بسر نہیں کرتے تھے؟ اگر ان سب حضرات کی نمازیں ان کے جہاد' ان کی قربانیاں' ان کی معاشرت' ان کی معاملت حضرات خلفائے راشدینؓ اور مسلمانان اہل سنت کے ساتھ ہو سکتی تھی (اور ہوتی رہی ہے) تو کیا اجتہادی صاحب ان سے زیادہ پکے مومن ہیں؟ کیسا غضب ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نمازیں پڑھتے ہیں' لیکن علیؓ کے نام پر اپیل کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ یہ چند باتیں غیر ارادی طور پر ارتجالاً زیر قلم آگئیں بہرحال اجتہادی صاحب کی یہ اپیل مذہبی نہیں سیاسی ہے' ہم اسلامیان پاکستان خصوصاً جنرل محمد ضیاء الحق' قومی اتحاد کے امیروں وزیروں اور جناب شاہ احمد نورانی تک ان کی یہ اپیل پہنچاتے ہوئے ان سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس کا پس منظر تلاش کریں اور خانہ جنگی کے جس طوفان کی اس اپیل میں دعوت دی گئی ہے اس کے منبع کا سراغ لگائیں۔

حق تعالیٰ شانہ پاکستان کو ہر شر و فساد سے محفوظ رکھے اور پاکستان کے تمام لوگوں کو عقل و فہم نصیب فرمائے۔

(بینات صفر المظفر ۱۳۹۹ھ)

خمینی کا وصیت نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

ایک شیعی ماہنامہ ''المبلغ'' سرگودھا (جلد: ۵۵ شمارہ:۶،۷ بابت ماہ جون و جولائی ۱۹۹۰ء) میں ''امام خمینی کا وصیت نامہ'' شائع ہوا ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''میں جرأت کے ساتھ دعویٰ کرتا ہوں کہ ملت ایران اور دورِ حاضر میں اس کے دسیوں لاکھ عوام، عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملت حجاز اور امیر المؤمنین اور حسینؑ بن علیؑ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہما کی ملت کوفہ و عراق سے بہتر ہیں، وہ حجاز کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں مسلمان بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کرتے تھے اور بہانے بنا کر محاذ پر جانے سے گریز کرتے تھے۔

خداوند تعالیٰ نے سورہ توبہ کی چند آیات میں ان کی مذمت کی اور ان کے لئے عذاب کا وعدہ کیا ہے، ان لوگوں نے

اس حد تک رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ منسوب کیا کہ روایت کے مطابق حضورؐ نے منبر سے ان پر لعنت بھیجی اور اہل عراق وکوفہ نے امیرالمؤمنین کے ساتھ اتنی بدسلوکی کی اور آپ کی اطاعت سے اس حد تک سرکشی کی کہ روایات اور تاریخ کی کتابوں میں حضرتؓ نے ان کی جو شکایات کی ہیں وہ معروف ہیں، اور عراق وکوفہ کے مسلمانوں نے حضرت سیدالشہداؑ علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کیا، اس سے آپ واقف ہیں، جن لوگوں نے ان کی شہادت میں اپنے ہاتھ کو آلودہ نہیں کیا، وہ معرکے سے بھاگ گئے یا خاموش بیٹھ گئے، یہاں تک کہ وہ تاریخ کا مجرمانہ فعل انجام پایا۔“

اس اقتباس میں چند دعوے کئے گئے ہیں:

۱:...... پہلا دعویٰ یہ کہ آج کے ایرانی شیعہ، جو خمینی کے حلقہ بگوش ہیں، دورِ نبویؐ کے مسلمانوں سے افضل و بہتر ہیں، یہ دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح تنقیص اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کی صاف صاف نفی ہے، قرآن کریم نے متعدد جگہ اہل ایمان پر حق تعالیٰ شانہ کے اس احسان عظیم کا ذکر فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرامؓ کا معلّم و مربی بنا کر بھیجا ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

”لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ.“

(آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ:......”حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر

احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا
کہ وہ ان لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان
لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں، اور ان کو کتاب اور فہم کی
باتیں بتلاتے رہتے ہیں، اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی
میں تھے۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اس آیت کریمہ میں صحابہ کرامؓ پر دو احسان ذکر فرمائے گئے ہیں، ایک یہ کہ ان کی تعلیم و تربیت کے لئے سیدالاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا، اور دوسرا احسان یہ کہ اس عظیم الشان معلّم و مربی صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرر خود حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہوا ہے۔

کسی معلّم و مربی کا کمال اس کے لائق و باکمال تلامذہ کے ہنر ولیاقت سے ظاہر ہوا کرتا ہے، صحابہ کرامؓ وہ خوش نصیب و سعادت مند جماعت ہے، جن کی تعلیم و تربیت پر حق تعالیٰ شانہ نے نوعِ انسانی کا سب سے اعلیٰ، سب سے اکمل، سب سے افضل اور سب سے برتر معلّم و مربی صلی اللہ علیہ وسلم مقرر فرمایا، اس سے ہر شخص بداہتاً یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت افراد (صحابہ کرامؓ) انبیاءؑ کرامؑ کے بعد پوری نوعِ انسانی میں سب سے افضل و برتر ہیں، انبیاءؑ کرام علیہم السلام کو اس لئے مستثنیٰ کیا گیا کہ وہ کسی انسان کے زیر تربیت نہیں ہوتے، بلکہ براہ راست حق تعالیٰ شانہ سے تربیت یافتہ ہوتے ہیں، جیسا کہ حدیث نبویؐ: **"ادّبنی ربی فاحسن تادیبی."** (جامع الصغیر) (یعنی میرے رب نے مجھے ادب سکھایا، پس خوب ادب سکھایا) میں اس طرف اشارہ ہے، پس خمینی کا یہ کہنا کہ آج کے ایرانی شیعہ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے افضل ہیں، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ خمینی کی تعلیم و تربیت (نعوذ باللہ!) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے اعلیٰ و برتر ہے، اور یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کا دل ایمان سے اور اس کا دماغ عقل و فہم

سے یکسر خالی ہو، اور وہ: ''بے حیا باش ہرچہ خواہی کن'' کا مصداق ہو۔

یہیں سے یہ نکتہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ پر نکتہ چینی کرتے ہیں وہ درحقیقت ان کے مرشد و مربی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکتہ چیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت و تأثیر نبوت کے منکر ہیں، ان کو اصل بغض صحابہؓ سے نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سے ہے، مگر وہ اپنے اس بغض و عناد کا اظہار کرنے کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آڑ اور نشانہ بناتے ہیں، یہیں سے اس ارشادِ نبویؐ کے معنی بھی معلوم ہوجاتے ہیں:

''الله! الله! فی اصحابی، الله! الله! فی اصحابی لا تتخذوهم غرضا من بعدی، فمن احبهم فبحبی احبهم، ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم، ومن آذاهم فقد آذانی، ومن آذانی فقد آذی الله، ومن آذی الله فیوشک ان یاخذه.''

(مشکوٰۃ ص:۵۵۴، ترمذی ج:۲ ص:۲۲۶، مسند احمد ج:۴ ص:۸۷)

ترجمہ:...... ''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو! ان کو میرے بعد نشانہ نہ بنالینا، پس جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، اور جس نے ان کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پکڑ لیں۔''

۲:......خمینی کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مسلمان (صحابہ کرامؓ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ خمینی کا یہ دعویٰ خالص اور سفید جھوٹ ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے اس کی نفرت و عداوت اور بغض و کینہ پر مبنی ہے (اور یہی بغض و کینہ خمینی کے شیعہ مذہب کا منشا و منتہیٰ ہے)، اگر خمینی کے قلب و نظر پر بغض نبی، بغض صحابہ اور بغض سلام کی سیاہ پٹی نہ ہوتی تو اسے تاریخ کی یہ حقیقت، جو آفتاب نصف النہار سے زیادہ وشن ہے، کھلی آنکھوں نظر آتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نے طاعت و فرمانبرداری، فدائیت و جاں نثاری اور تعظیم و محبت کا وہ اعلیٰ معیار قائم کیا ہے، جس کا نمونہ پیش کرنے سے پوری انسانی تاریخ عاجز ہے، تاریخ و سیرت کی کتابوں میں اس کی سینکڑوں نہیں ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر روہ بن مسعود ثقفیؓ، قریش مکہ کا نمائندہ بن کر آتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کے بعد کفار قریش کو جو رپورٹ دیتا ہے، وہ یہ تھی:

"وفدت علیٰ قیصر و کسریٰ والنجاشی، واللہ! ان رأیت ملکا قط یعظمہٗ اصحابہٗ ما یعظم اصحاب محمد محمدًا، واللہ! ان تنخم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منھم فدلک بھا وجھہٗ وجلدہ واذا امرھم ابتدروا امرہٗ واذا توضأ کادوا یقتتلون علیٰ وضوئہ."

(صحیح بخاری کتاب الشروط ج:۱ ص:۳۷۹)

ترجمہ:......"میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ کی سی عقیدت و وارفتگی کہیں نہیں دیکھی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہیں، تو سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ

سکتا، وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا جو پانی گرتا ہے اس پر خلقت
ٹوٹ پڑتی ہے، بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ
لیتے ہیں، اور اسے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں، اور
جب وہ انہیں کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ تعمیلِ حکم میں ایک دوسرے
پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

یہ کسی عقیدت مند کی نہیں بلکہ ایک غیر مسلم کی شہادت ہے، جو معاند کافروں کے مجمع میں وہ ادا کر رہا ہے، لیکن خمینی کی تاریکیٔ قلب ونظر صحابہ کرامؓ کو تعمیل حکم میں کوتاہ کار بتارہی ہے۔

۳:......خمینی کا تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ بہانے بنا کر محاذ جنگ پر جانے سے گریز کرتے تھے، یہ دعویٰ بھی خالص دروغ و افترا ہے، قرآن کریم کی نص صریح کا انکار ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

ا:......"**ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ.**"

(الانفال:۶۲)

ترجمہ:......"اللہ نے آپؐ کی تائید کی اپنی مدد سے اور
اہل ایمان کے ذریعہ۔"

۲:......"**یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ.**"

ترجمہ:......"اے نبیؐ! کافی ہے آپؐ کو اللہ اور جو
مؤمن آپؐ کے پیروکار ہیں۔"

ان آیات شریفہ میں حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی تائید ونصرت اور کفایت کے ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ کی تائید ونصرت اور کفایت کو بھی ذکر فرمایا ہے، اس نص قطعی کے بعد جو شخص یہ کہتا ہے کہ صحابہ کرامؓ بہانے بنا کر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت سے گریز کیا کرتے تھے، عجب نہیں کہ وہ کل کو یہ دعویٰ بھی کرنے لگے کہ حق تعالیٰ شانہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وتائید سے گریز فرماتے تھے۔ نعوذباللہ من الغباوۃ والغوایۃ!

سیرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طالب علم جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات وسرایا کی تعداد ایک سو سے اوپر ہے، اب اگر خمینی کے بقول صحابہ کرامؓ محاذ جنگ پر جانے سے گریز کرتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جنگیں کس کی معیت میں لڑی تھیں؟ اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے ملأ اعلیٰ کا سفر فرمایا، پورے جزیرۃ العرب پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا، اور اسلامی جہاد کی لہریں ایران وشام کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلافت راشدہ کے مختصر سے دور میں قیصر وکسریٰ کے تاج وتخت تاراج ہوچکے تھے اور چین سے افریقہ تک کے وسیع وعریض خطے اسلام کے زیرنگیں آچکے تھے۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کا یہ معجزہ کن ہاتھوں سے ظہور میں آیا تھا؟ انہی صحابہ کرامؓ کے ذریعہ، جن کے بارے میں قرآن کریم شہادت دیتا ہے:

”مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا.“ (احزاب:۲۳)

ترجمہ:......”اہل ایمان میں وہ مرد ہیں، جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کردکھایا، ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کرچکے اور بعضے ان میں مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا تغیر وتبدل نہیں کیا۔“

جو شخص قرآن کریم کی اس شہادت کے بعد ان جاں نثارانِ اسلام کے

بارے میں یہ کہتا ہے کہ وہ بہانے بنا کر محاذ جنگ پر جانے سے گریز کرتے تھے، اس سے بڑھ کر دل کا اندھا کون ہوگا؟

"وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا." (بنی اسرائیل:۷۲)

ترجمہ:...... "اور جو شخص ہو اس دنیا میں (دل کا) اندھا، وہ ہوگا آخرت میں اندھا، اور راہ سے بھٹکا ہوا۔"

۴:...... خمینی کا چوتھا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی چند آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مسلمانوں کی مذمت فرمائی ہے، اور ان کے لئے عذاب کا وعدہ کیا ہے۔

سورۂ توبہ، جس کا بیشتر حصہ غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل ہوا، اس میں منافقین کی مذمت میں متعدد آیات ہیں، اور ان کے لئے عذاب کا وعدہ بھی ہے، لیکن یہ خالص جھوٹ ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مسلمانوں کی مذمت کی گئی ہے، یا ان سے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے، بلکہ قرآن کریم کی دوسری بے شمار آیات کی طرح سورۂ توبہ کی متعدد آیات میں اہل ایمان کی مدح فرمائی گئی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

"وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ." (التوبہ:۱۰۰)

ترجمہ:...... "اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی

ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے
ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں، جن کے نیچے نہریں
جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی
کامیابی ہے۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں، اور بالکل صحیح
لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اس میں خبر دی ہے کہ وہ سابقین
اولین مہاجرین و انصار سے اور ان تمام لوگوں سے، جنہوں نے
احسان کے ساتھ ان حضرات کی پیروی کی، راضی ہیں۔ پس
وائے ہلاکت ان لوگوں کی جو ان سے بغض رکھتے ہیں، یا ان کی
شان میں گستاخی کرتے ہیں، یا ان میں سے بعض کے ساتھ بغض
رکھتے ہیں، یا ان کی گستاخی کرتے ہیں، خصوصاً جو لوگ صحابہؓ کے
سردار، تمام صحابہؓ سے بہترؓ، ان سب سے افضل، یعنی صدیق اکبر،
خلیفہ اعظم، حضرت ابوبکر ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ سے بغض
رکھتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں، چنانچہ
رافضیوں کا مخذول ٹولہ افضل صحابہؓ سے عداوت رکھتا ہے، ان
سے بغض رکھتا ہے اور ان کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے، جس
سے ثابت ہوا کہ ان کی عقلیں معکوس ہیں اور ان کے دل الٹے
ہیں، ان لوگوں کو ایمان بالقرآن کہاں نصیب ہوسکتا ہے، جبکہ یہ
لوگ ان اکابرؓ کی گستاخی کرتے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی
رضامندی کا اعلان فرمادیا ہے۔" (تفسیر ابن کثیر ج:۲ ص:۳۸۳)

اسی سورۂ توبہ میں حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمِ." (التوبہ:۱۱۱)

ترجمہ:...... "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں (بھی) اور انجیل میں (بھی) اور قرآن میں (بھی) اور (یہ مسلّم ہے کہ) اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے؟ تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے (اللہ تعالیٰ سے) معاملہ ٹھہرایا ہے، خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

سورۂ توبہ ہی میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

"لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ مِنْ بَعْدِ مَا کَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْھُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْھِمْ اِنَّہٗ بِھِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ." (التوبہ:۱۱۷)

ترجمہ:...... "حق تعالیٰ نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی، جنہوں نے ایسے تنگی کے وقت میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا

ساتھ دیا، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں
کچھ تزلزل ہو چلا تھا، پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی،
بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے۔''
(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

نکتہ:......اس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ شانہ نے ان تمام مہاجرین و انصار کے ساتھ اپنا رؤف رحیم ہونا بیان فرمایا، جن کو غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت کا شرف حاصل ہوا، اور سورۂ توبہ کی آخری سے پہلی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے: ''وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَحِیْمٌ۔'' اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرات مہاجرین و انصار کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ بھی رؤف و رحیم ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ الغرض سورۂ توبہ میں حق تعالیٰ شانہ نے حضرات صحابہ کرامؓ کی جابجا مدح فرمائی ہے، ان سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا ہے، ان سے جنت کا قطعی اور دوٹوک وعدہ فرمایا ہے، اور ان کے حال پر حق تعالیٰ شانہ کی خصوصی عنایت و رحمت کا ذکر فرمایا ہے، لیکن خمینی کی معکوس عقل قرآن کریم سے صحابہ کرامؓ کے عیوب تلاش کرتی ہے، اور جو آیتیں منافقین کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں، انہیں اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر چسپاں کرتی ہے، سچ ہے:

''وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ سَبِیْلًا۔''

۵:......خمینی کا پانچواں دعویٰ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ منسوب کیا کہ روایات کے مطابق حضورؐ نے منبر سے ان پر لعنت بھیجی۔

یہ بھی خمینی کا خالص افترا ہے، جس سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دامن تقدیس یکسر پاک ہے۔

حضرات مہاجرینؓ و انصارؓ میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کیا ہو، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہو، اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرمنبر اکابر مہاجرینؓ و انصارؓ کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ سید المہاجرین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آخری ایام میں خطبہ ارشاد فرمایا:

ا:......"عن ابی سعید الخدری قال خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الناس وقال: ان اللہ خیّر عبدا بین الدنیا وبین ما عندہ، فاختار ذالک العبد ما عند اللہ، قال: فبکی ابوبکر، فتعجبنا لبکآئہ ان یخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عبد خیّر، فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو المخیّر وکان ابوبکر ھو اعلمنا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان من امن الناس علیّ فی صحبتہ ومالہ ابوبکر، ولو کنت متخذا خلیلا غیر ربی لاتخذت ابابکر خلیلا، ولکن اخوۃ الاسلام ومودتہ لا یبقین فی المسجد باب الا سدّا الا باب ابی بکر۔"

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۱۶)

ترجمہ:......"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا، اس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا میں رہنے اور اپنے پاس کی نعمتوں کے درمیان کا اختیار دیا، تو اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے پاس کی نعمتوں کو اختیار کرلیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ رونے لگے، ہمیں ان کے رونے پر تعجب ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک بندے کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اسے اختیار دیا گیا ہے (یہ بلاوجہ کیوں رو رہے ہیں؟) لیکن (بعد میں پتہ چلا کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو یہ اختیار دیا گیا تھا، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ عالم تھے (کہ وہ اس کو سمجھ گئے اور فراقِ نبویؐ کے صدمہ سے رونے لگے)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر سب سے زیادہ احسان ابوبکر کا ہے، جو انہوں نے اپنی رفاقت اور مالی ایثار سے کیا، اور اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، (اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے خلت تو نہیں) البتہ ابوبکر سے اسلامی اخوت و مودت کا رشتہ ہے، ابوبکر کے دروازے کے سوا مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کردیئے جائیں۔"

۲:......"عن هشام بن زيد قال سمعت انس بن مالك يقول مر ابوبكر والعباس بمجلس من مجالس الانصار وهم يبكون، فقال: ما يبكيكم؟ قالوا: ذكرنا مجلس النبى صلى الله عليه وسلم منا فدخل على النبى صلى الله عليه وسلم فاخبره بذالك، قال: فخرج النبى صلى الله عليه وسلم وقد عصب على رأسه حاشية برد، قال: فصعد المنبر ولم يصعده بعد ذالك اليوم، فحمد الله واثنىٰ عليه ثم قال: اوصيكم بالانصار، فانهم كرشى وعيبتى وقد قضوا الذى عليهم وبقى الذى لهم فاقبلوا

من محسنهم وتجاوزوا عن مسيئهم."

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۳۶)

ترجمہ:......"حضرت ہشام بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما، انصار کی ایک مجلس کے پاس سے گزرے، یہ حضرات بیٹھے رو رہے تھے، ان سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنا یاد آ گیا (جس سے ہم علالت نبویؐ کی وجہ سے محروم ہوگئے ہیں)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، جبکہ سر مبارک پر چادر کے کنارے کی پٹی بندھی ہوئی تھی، چنانچہ منبر پر رونق افروز ہوئے، آج کے بعد پھر کبھی منبر پر رونق افروز نہیں ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، چونکہ وہ میرے خاص احباب و رفقا ہیں، انہوں نے اپنی ذمہ داریاں پوری کردی ہیں اور ان کا حق باقی ہے، پس ان کے نیکوکاروں سے عذر قبول کرو، اور ان میں سے کسی سے غلطی ہوجائے تو اس سے درگزر کرو۔"

۳:......**"عن ابن عباس يقول: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه ملحفة منعطفا بها على منكبيه وعليه عصابة دسمآء حتى جلس على المنبر، فحمد الله واثنىٰ عليه ثم قال: اما بعد ايها الناس! فان الناس يكثرون ويقل الانصار حتى يكونوا كالملح في**

الطعام، فمن ولی منکم امرا یضر فیه احدا او ینفعه، فلیقبل من محسنهم ویتجاوز عن مسیئهم۔"

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۳۶)

ترجمہ:......"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (آخری علالت میں) باہر تشریف لائے، ردائے مبارک کاندھوں پر تھی، اور سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی، منبر پر رونق افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: لوگو! سب لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے، مگر انصار کم ہوتے جائیں گے، یہاں تک کہ ان کی حیثیت آٹے میں نمک کی رہ جائے گی، پس تم میں جو شخص امیر ہو، جس کے ذریعہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے یا نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ ان کے نیکوکاروں سے عذر قبول کرے، اور ان میں سے کسی سے غلطی ہوجائے تو درگزر کرے۔"

الغرض خمینی نے اپنے وصیت نامہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف جو زہر افشانی کی ہے، واقعات وشواہد اس کی یکسر تردید کرتے ہیں، اور خمینی کی یہ تمام تر داستان گوئی اس کے قلب ونظر کی پیداوار ہے، البتہ خمینی نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایران کے موجودہ شیعہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے کے شیعان کوفہ وعراق سے بہتر ہیں، بلفظ دیگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کے شیعانِ علی، موجودہ دور کے شیعوں سے بدتر تھے، اس کو خمینی صاحب ہی بہتر جانتے ہیں، کیونکہ ہر شخص اپنے اسلاف کی تاریخ سے زیادہ بہتر واقف ہوا کرتا ہے، اور خمینی کا یہ فقرہ کہ:

''اہل عراق اور کوفہ نے امیرالمؤمنینؓ کے ساتھ اتنی بدسلوکی کی اور آپ کی اطاعت سے اس حد تک سرکشی کی کہ روایات وتاریخ کی کتابوں میں حضرت نے ان کی جو شکایات کی ہیں وہ معروف ہیں۔''

اس کی تائید نہج البلاغہ کے ان خطبات سے ہوتی ہے جو سید مرتضیٰ رضی شیعہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیئے ہیں، ان کے چند اقتباسات مفکرِ اسلام جناب مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سوانح ''المرتضیٰ'' میں ''نہج البلاغہ'' کے حوالے سے نقل کردیئے ہیں، ذیل میں انہیں ''المرتضیٰ'' سے نقل کیا جاتا ہے:

''میں کب تک تم کو اس طرح سنبھالتا رہوں، جیسے ان نوعمر اونٹوں کو سنبھالا جاتا ہے، جن کے کوہان اندر سے زخمی ہیں، اور ظاہری جسم توانا ہے، یا وہ کپڑے جو جابجا پھٹ گئے ہیں، اور جتنا سنبھال کر پہنو پھٹتے ہی جاتے ہیں، اگر ایک جگہ سے سی دیئے گئے تو دوسری جگہ سے چاک ہوجاتے ہیں، جب بھی اہل شام کا کوئی ہراول دستہ پہنچتا ہے، تم میں سے ہر شخص اپنے گھر کے در بند کرلیتا ہے، اور ایسا چھپتا ہے جیسے گوہ اپنے سوراخ میں اور بجو اپنے بھٹ میں روپوش ہوجاتے ہیں۔

بخدا! ذلیل وہ ہے جس کی تم مدد کے لئے اٹھو، تم کو اگر کسی نے تیر بنا کر دشمن پر پھینکا تو گویا اس نے ایسے تیر پھینکے جن کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے، (تفریحی اور بے خطر) میدانوں میں تمہارا ہجوم نظر آتا ہے، اور جنگ کے جھنڈوں کے نیچے نہایت قلیل تعداد میں دکھائی دیتے ہو، میں خوب جانتا ہوں کہ تمہاری

اصلاح کس طرح ہوسکتی ہے، اور کیا چیز تمہاری کمر سیدھی کرسکتی ہے، مگر واللہ! میں تمہاری اصلاح کے لئے اپنے آپ کو نہیں بگاڑ سکتا۔

خدا تم سے سمجھے اور تم کو ذلیل کرے! تم کو حق کی اتنی پہچان نہیں جس قدر باطل کو تم پہچانتے ہو، اور باطل کی ایسی مخالفت نہیں کرتے جتنی حق کی مخالفت کرتے ہو۔

اے عراقیو! تم اس حاملہ عورت کی طرح ہو جس کا جب اس کی حمل کی مدت پوری ہوئی تو اسقاط ہوگیا، اور اس کا شوہر مرگیا، وہ عرصہ دراز تک بیوگی کی زندگی گزارتی رہی اور اس کا وارث وہ بنا جو سب سے دور کی قرابت رکھتا تھا۔

اور سنو! میں اس ذات پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہ (دشمن قوم) تم پر غالب آجائے گی، اس لئے نہیں کہ وہ تم سے زیادہ حق پرست ہے، بلکہ صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنے باطل پر تیز گام ہے، اور تم میرے حق میں سست گام اور کوتاہ خرام ہو، قومیں اپنے حکام کے ظلم سے ڈرتی ہیں، اور میرا حال یہ ہے کہ اپنی رعیت کے ظلم سے ڈرتا ہوں۔

میں نے جہاد پر تم کو ابھارا، مگر تم اپنی جگہ سے ہلے نہیں، تم کو سنانا چاہا، تم نے سنا نہیں، تم کو رازدارانہ انداز میں بلایا، اعلانیہ دعوت دی، مگر تم میں ذرا حرکت نہیں ہوئی، نصیحت کی مگر تمہارے کانوں پر جوں نہ رینگی۔

دیکھنے میں حاضر ہو، مگر درحقیقت غائب ہو، غلام ہو مگر

آقا بنے ہوئے ہو، تم کو حکمت کی باتیں سناتا ہوں، تم بدکتے ہو، تم کو بلیغ انداز میں وعظ و نصیحت کرتا ہوں، اور تم اِدھر اُدھر بھاگتے ہو، تم کو باغیوں سے مقابلہ کرنے پر ابھارتا ہوں، مگر اپنی تقریر ختم بھی نہیں کرتا کہ دیکھتا ہوں کہ تم قوم سبا کی طرح منتشر ہوجاتے ہو، اپنی مجلسوں میں واپس جاتے ہو، اپنی رائے مشورے میں تمہارے دل لگتے ہیں، میں تم کو صبح کو سیدھا کرتا ہوں، اور شام کو تم میرے پاس ٹیڑھی کمان کی طرح لوٹتے ہو، سیدھا کرنے والا تنگ آگیا، اور جن کو سیدھا کرنا مقصود ہے وہ اکڑ گئے (جن کو سیدھا کیا ہی نہیں جاسکتا)۔

اے لوگو! جو جسم سے حاضر ہیں، مگر ان کی عقلیں غائب ہیں، جن کی خواہشات جدا جدا ہیں، جن سے ان کے حکام آزمائش میں ہیں، ان کا ساتھی (بہ معنی آقا، رہنما، لیڈر) اللہ کا اطاعت گزار ہے، اور تم اس کی نافرمانی کرتے ہو، شام کا رہنما اللہ کی معصیت کرتا ہے، مگر اس کی قوم اس کے ساتھ ہے، بخدا! اگر معاویہ مجھ سے صرافوں کا معاملہ کریں، جو دینار کے بدلے درہم دیا کرتے ہیں، تو مجھ سے دس عراقی لے کر ایک شامی دے دیں تو مجھے منظور ہوگا، یہ لوگ حق کے معاملہ میں متفرق، جنگوں سے ہمت ہارے ہوئے، ان کے جسم یکجا، مگر خواہشات منتشر، ہر جا عہد و پیمان خداوندی کو ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، لیکن ان کے اندر حمیت بیدار نہیں ہوتی، یہ عرب کے چوٹی کے لوگ اور قوم کے باعزت و ممتاز افراد ہیں، لیکن ان کی کثرت تعداد سے کچھ فائدہ نہیں، اس لئے کہ ان کے دل مشکل

سے کسی امر پر مجتمع ہوتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ تم کو اپنے زخم کا مرہم بناؤں، اور تم ہی میرے زخم ہو، جیسے کوئی جسم میں چبھ کر ٹوٹ جانے والے کانٹے کو کانٹے ہی سے نکالنا چاہے، اور وہ جانتا ہے کہ وہ کانٹا اس سے پہلے کانٹے ہی کا ساتھ دے گا (اور ٹوٹ کر اور مصیبت بن جائے گا)۔

میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم گوہ کی طرح ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے ہو، نہ تو حق کو ہاتھ میں لیتے ہو، نہ ظلم و زیادتی کو روکتے ہو، نہ جنگ و مقابلہ کے موقع پر جم کر لڑنے والے، نہ امن و سکون کے زمانہ میں قابل اعتبار رفیق و معاون، میں تمہاری صحبت سے بیزار ہوں، اور تمہارے ہوتے ہوئے اور کثرت تعداد کے باوجود تنہائی محسوس کرتا ہوں۔

اے وہ لوگو! جن کے جسم مجتمع ہیں، اور خواہشات مختلف، تمہاری گفتگو پتھروں کو نرم کر دیتی ہے، اور تمہارا طرز عمل دشمنوں کو حملہ پر ابھارتا ہے، جو تمہیں بلائے اور پکارے اس کو مایوسی ہو، اور جس کا تم سے واسطہ پڑے، وہ کبھی اطمینان کی سانس نہ لے سکے، باتیں بنانا اور فریب میں رکھنا تمہارا دستور ہے، تم نے مجھ سے مہلت مانگی جیسے وہ مقروض مہلت مانگتا ہے جس پر مدت سے قرض چڑھا ہوا ہے، کس وطن و دیار کی تم حفاظت کرو گے، جب اپنے گھر کی حفاظت نہیں کر سکے، اور میرے بعد کس امیر و قائد کی حمایت و معیت میں تم جہاد کرو گے؟ حقیقی فریب خوردہ وہ ہے جس کو تم نے دھوکہ دیا، جس کے حصہ میں تم آئے، اس کے حصہ میں ایک خطا کرنے والا اور نشانہ

پر نہ لگنے والا تیر آیا۔“

(المرتضٰی ص:۲۹۵ تا ۲۹۸ طبع نشریات اسلام کراچی)

اسی طرح خمینی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں جو لکھا ہے، وہ بھی بالکل صحیح ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱:......عراق اور کوفہ کے شیعان حسین نے پیہم اصرار کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی، اور کہا کہ خلافت کا پھل پکا ہوا ہے، بس اس کو کاٹنے کی ضرورت ہے۔

۲:......حضرت حسین رضی اللہ عنہ ان نابکاروں کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مکہ مکرمہ سے عازم کوفہ ہوئے، ان کے مخلصین و محبین نے ہرچند گزارش کی کہ آپؓ کوفہ و عراق کے شیعوں پر قطعاً اعتماد نہ فرمائیں، یہ وہی لوگ ہیں جو آپؓ کے والد اور آپؓ کے بڑے بھائی کے ساتھ طوطا چشمی کا مظاہرہ کرچکے ہیں، مگر شیعان کوفہ کی دعوت اس قدر مؤثر اور پُرزور تھی کہ اس کے مقابلہ میں مخلصین کی فہمائش و نصیحت کارگر نہ ہوئی۔

۳:......جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ عراق پہنچ گئے، تو شیعان حسین نے وہی طوطا چشمی دکھائی، جو ہمیشہ سے ان کا وتیرہ رہی تھی، چنانچہ عراق کے ہزاروں شیعان حسین میں سے ایک بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نصرت و حمایت کے لئے آگے نہ بڑھا، اور خمینی کے بقول تاریخ کا مجرمانہ فعل انجام پایا۔

۴:......جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شیعان کوفہ کی غداری کے نتیجہ میں خاک و خون میں تڑپا دیئے گئے تو ان شیعان حسین کو اپنے مجرمانہ فعل کا احساس ہوا، اور ”توابین“ پارٹی قائم ہوئی، حضرت حسین زبانِ حال سے اپنے ان شیعوں کی یہ شکایت ضرور کرتے ہوں گے:

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اس زودِ پشیماں کا پشیماں ہونا!!

چنانچہ شیعہ جب سے اب تک ہر سال اپنی بے وفائی پر ماتم حسین کرتے ہیں، مگر ڈیڑھ ہزار سال گزر جانے کے باوجود ان کا یہ گناہِ عظیم اب تک معاف نہیں ہوا، اور نہ قیامت تک معاف ہوگا۔

جن لوگوں نے شیعان علی اور شیعان حسین کا لبادہ اوڑھ کر ان اکابرؓ کے ساتھ غداری کی، اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ان کے نفاق وشقاق سے محفوظ رکھے، آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ

محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ بینات کراچی محرم الحرام ۱۴۱۱ھ)

ایران سے تحریف شدہ قرآن کی اشاعت
اور
ایرانی سفارت خانہ کی وضاحت

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

گزشتہ دنوں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ:

''حکومت نے ایک ایرانی ادارے ''سازمان چپ و اشتہارات جاوداں ایران'' کے شائع کردہ قرآن پاک کے نسخوں کی ملک میں درآمد اور تقسیم پر بھی پابندی لگادی ہے اور انہیں ضبط کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ کاروائی وفاقی وزارت مذہبی امور نے جامع مسجد خضریٰ کے امام، ادارہ فکر اسلامی کے ڈاکٹر حبیب الرحمٰن اور بعض دوسرے مسلمانوں کی شکایت کی بنا پر کی ہے، ان کے بیان کے مطابق قرآن پاک کے ان نسخوں کے متن میں مبینہ طور پر رد و بدل کیا گیا ہے۔ وزارت نے چھان بین کے بعد اس امر کی توثیق کردی ہے کہ قرآن پاک کے مذکورہ نسخوں کے متن میں تحریف ہوئی ہے جو اشاعت قرآن پاک کے ایکٹ مجریہ ۱۹۷۳ء کی خلاف ورزی ہے۔''

(روزنامہ جنگ لاہور ۲۶/اکتوبر ۱۹۸۶ء ون سٹار)

ایران سے قرآن کریم کے ترمیم شدہ نسخہ کی اشاعت شیعہ نفسیات اور ان کے اعتقادی فلسفہ کے عین مطابق ہے، اور اس کو سمجھنے کے لئے قارئین کو مندرجہ ذیل نکات ذہن میں رکھنے چاہئیں:

ا:......شیعہ عقیدہ کے مطابق موجودہ قرآن خلفائے ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) کا جمع کیا ہوا ہے، اور وہ چونکہ (نعوذ باللہ) منافق و مرتد تھے اس لئے انہوں نے قرآن کریم کے بے شمار مقامات میں کمی بیشی کردی، اور وہی تحریف شدہ نسخہ دنیا میں رائج کردیا، اس لئے موجودہ قرآن بعینہٖ وہ قرآن نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور جسے چھوڑ کر آپؐ دنیا سے رخصت ہوئے تھے، بلکہ یہ منافقوں اور مرتدوں کا ترمیم کردہ ہے، اس سلسلہ میں شیعوں کی مستند کتابوں میں، جن پر شیعہ مذہب کا مدار ہے، ائمہ معصومین کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں نقل کی گئی ہیں، اور اکابر شیعہ مجتہدین کے بقول یہ روایات متواتر ہیں، جن میں موجودہ قرآن کے محرف ہونے کو ائمہ معصومین نے صاف صاف بیان کیا ہے، اور اسی کے مطابق شیعہ کا عقیدہ ہے، گویا قرآن کریم کے محرف ہونے کا عقیدہ ائمہ معصومین کی متواتر روایات کی روشنی میں شیعہ مذہب کے "ضروریات دین" میں داخل ہے، (اس نکتہ کی تفصیل حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی کے مضمون میں باحوالہ درج ہے، جو ماہنامہ بینات کراچی ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ میں شائع ہوا ہے، قارئین کرام اس مضمون کو بغور ملاحظہ فرمائیں)۔

شیعوں کے ایک بہت بڑے مجتہد علامہ حسین بن محمد تقی نوری طبرسی (متوفی ۱۳۲۰ھ) نے اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب" کے نام سے تیرھویں صدی کے اواخر میں تالیف فرمائی تھی، اس میں مصنف نے سو صفحوں میں (ص:۲۵۳ سے ص:۳۵۱ تک) سورۂ فاتحہ سے لے کر آخر قرآن تک ان تمام مقامات کی نشاندہی کی ہے جن میں تبدیلی کی گئی ہے، اور ائمہ معصومین کی روایات کے ذریعہ بتایا ہے کہ فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی تھی، اور منافقوں نے اس کو اس

طرح بدل دیا، اگر کوئی چاہے تو ائمہ معصومین کی ان روایات کی روشنی میں قرآن کریم کا ایک صحیح نسخہ تیار کرسکتا ہے، جو ائمہ معصومین کے ارشادات کے مطابق ''قرآن کریم کا صحیح نسخہ'' کہلانے کا مستحق ہوگا۔

۲:......شیعوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علیؓ نے قرآن کریم کا ایک ''صحیح نسخہ'' مرتب فرمایا تھا، جو عین ما انزل اللہ کے مطابق تھا، اور یہی ''اصلی قرآن'' تھا، حضرت علیؓ اس کی جمع و تدوین سے فارغ ہوئے تو قوم (صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ) کے سامنے اس کو پیش کیا، مگر قوم نے اسے قبول نہیں کیا بلکہ مسترد کردیا، یہ ''اصلی قرآن'' مدت العمر حضرت علیؓ کے پاس رہا، ان کے بعد یکے بعد دیگرے گیارہ اماموں کو منتقل ہوتا رہا، اور اب وہ امام غائب کے پاس غار میں محفوظ ہے۔

علامہ نوری طبرسی ''فصل الخطاب'' میں لکھتے ہیں:

''کان لامیر المؤمنین علیه السلام قرآنا مخصوصا جمعه بنفسه بعد وفات رسول الله صلی الله علیه وآله، وعرضه علی القوم فاعرضوا عنه، فحجبه عن اعینهم، وکان عند ولده علیه السلام یتوارثه امام عن امام، کسائر خصائص الامامة وخزائن النبوة، وهو عند الحجة عجل الله فرجه. یظهره للناس بعد ظهوره ویأمرهم بقرائته، وهو مخالف لهٰذا القرآن الموجود من حیث التالیف وترتیب السور والآیات بل الکلمات ایضا. ومن جهة الزیادة والنقیصة.'' (فصل الخطاب ص:۱۲۱)

ترجمہ:......''امیر المؤمنین (حضرت علی) علیہ السلام کے پاس ایک مخصوص قرآن تھا جس کو وفات نبویؐ کے بعد آپ

نے بنفس نفیس جمع کیا تھا اور اس کو قوم کے سامنے پیش کیا تھا، لیکن قوم نے اسے قبول نہیں کیا، پس آپ نے اس کو قوم کی نظروں سے چھپادیا، یہ قرآن آپ کی اولاد کے پاس رہا، دوسرے خصائص امامت اور خزائن نبوت کی طرح یہ قرآن بھی ہر امام کو پہلے امام سے وراثت میں ملتا رہا، اور اب وہ امام غائب کے پاس ہے، اللہ ان کی مشکل جلد آسان کرے، امام مہدی جب ظاہر ہوں گے تو اس قرآن کو بھی ظاہر کریں گے اور لوگوں کو اس کے پڑھنے کا حکم دیں گے، اور یہ قرآن، موجودہ قرآن سے مختلف ہے ترتیب کے لحاظ سے بھی، نہ صرف سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کے لحاظ سے، بلکہ کلمات کی ترتیب کے لحاظ سے بھی، نیز کمی اور زیادتی کے لحاظ سے بھی۔''

شیعوں کے خاتم المحدثین ملا باقر مجلسی (متوفی ۱۱۱۱ھ) ''حق الیقین'' میں لکھتے ہیں:

''پس بخواہد قرآن را بنحوی کہ حق تعالیٰ بر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نازل ساختہ بے آنکہ تغیر یافتہ باشد وتبدیل یافتہ باشد چنانچہ در قرآن ہائے دیگر باشد۔''

(حق الیقین ص:۳۵۸ مطبوعہ تہران ۱۳۵۴ ہجری شمسی)

ترجمہ:...... ''پس امام مہدی قرآن کو اسی طرح پڑھیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا تھا، بغیر اس کے کہ اس میں کوئی تغیر و تبدل ہوا ہو، جیسا کہ دوسرے قرآنوں میں تغیر وتبدل کردیا گیا۔''

الغرض ائمہ معصومین کے ارشادات کی روشنی میں شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ

امام مہدی جب ظاہر ہوں گے تو موجودہ قرآن کی جگہ ''اصلی قرآن'' رائج کریں گے، اور موجودہ قرآن چونکہ تحریف شدہ ہے اس لئے اس کی قرأت و تلاوت کو موقوف کردیں گے۔

۳:......ایران میں جناب روح اللہ خمینی کی قیادت میں جو مذہبی حکومت قائم ہوئی ہے یہ ایک نظریاتی حکومت ہے جو شیعوں کے نظریہ ''ولایت الفقیہ'' کی اساس پر قائم ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی غیبت کے زمانے میں شیعہ فقہاً و مجتہدین امام کے نائب ہیں، ان کا فرض ہے کہ وہ پوری دنیا میں شیعی مذہبی حکومت قائم کریں اور جن کاموں کے امام مکلّف ہیں، ائمہ کی غیبت کے زمانے میں وہ تمام ذمہ داریاں فقہاً پر عائد ہوتی ہیں، چنانچہ خمینی صاحب اپنی کتاب ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' میں لکھتے ہیں:

''ان الفقهاء هم اوصياء الرسول(۴) من بعد الائمة وفى حال غيابهم، وقد كلفوا بالقيام بجميع ما كلف الائمة (ع) بالقيام به.'' (ص:۷۵)

ترجمہ:......''فقہاً (یعنی مجتہدین شیعہ) ائمہ معصومین کے بعد اور ان کی غیبت کے زمانے میں رسول خداً کے وصی ہیں اور وہ مکلّف ہیں ان سب امور و معاملات کی انجام دہی کے جن کی انجام دہی کے مکلّف ائمہ علیہ السلام تھے۔''

اس نکتہ کی پوری تشریح و تفصیل حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

ان تینوں نکتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد غور کیجئے کہ جب شیعوں کے عقیدہ کے مطابق موجودہ قرآن کریم تحریف شدہ ہے اور ائمہ معصومین کے ارشادات کی روشنی میں انہوں نے ایک فہرست بھی مرتب کر رکھی ہے، جس میں سورۂ

فاتحہ سے لے کر آخر قرآن تک یہ نشاندہی کردی گئی ہے کہ فلاں سورہ کی فلاں آیت میں فلاں تبدیلی کردی گئی ہے۔

جب شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امام مہدی اس تحریف شدہ قرآن کو جو صحابہ کرامؓ کے زمانے سے چلا آتا ہے، ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے بلکہ وہ ''اصلی قرآن'' کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمع فرمایا تھا، اور جو موجودہ قرآن سے ترتیب میں بھی اور کمی بیشی کے لحاظ سے بھی مختلف ہے، رائج کریں گے۔

اور جب خمینی حکومت نظریہ ''ولایت فقیہ'' کی اساس پر قائم ہے، اور اس کے ذمہ بھی ان تمام امور کی انجام دہی لازم ہے جو امام غائب کے ذمہ لازم ہے، پس اگر ایرانی حکومت اور وہاں کے شیعہ عوام نے قرآن کا ''صحیح نسخہ'' دنیا کے سامنے لانے کی کوشش کی ہو تو اس میں ذرا بھی تعجب نہیں، کیونکہ چشم بددور خمینی حکومت اتنی مضبوط ہے کہ اسے اپنے معاملات میں کسی کی بھی پرواہ نہیں، اب بھی اگر تحریف شدہ قرآن کے بجائے ''قرآن کے صحیح نسخہ'' کو رواج نہ دیا جائے تو ایران کی شیعہ حکومت کو اس کا موقع کب آئے گا...؟

البتہ اس سلسلہ میں ایرانیوں سے ایک بے احتیاطی بھی ہوئی وہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ پاکستان میں آیت اللہ خمینی کی حکومت ہے، اگرچہ ان کا عقیدہ یہی ہے کہ ساری دنیا پر حکومت کا حق صرف اور صرف ائمہ معصومین کو ہے، یا ان کی غیر موجودگی میں نظریہ ''ولایت فقیہ'' کے تحت نائب امام خمینی کو ہی اس کا حق ہے، اور جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق ولایت چھیننے کی وجہ سے ابوبکر وعمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) صرف ظالم و غاصب ہی نہیں بلکہ منافق و مرتد بھی تھے (نعوذ باللہ)، اسی طرح امام کے نائب جناب خمینی صاحب کا حق حکومت غصب کرنے کی وجہ سے دنیا بھر کے موجودہ مسلمان حکمران بھی ظالم و غاصب ہیں، الغرض نظریاتی طور پر تو شیعہ عقیدہ کے مطابق ہر جگہ امام خمینی ہی کی حکومت ہے، مگر ظاہر ہے کہ عملاً ان کا دائرہ

حکومت ایران تک محدود ہے، تو بے احتیاطی یہ ہوئی کہ انہوں نے ایران میں تیار کردہ قرآن کریم کا ''صحیح نسخہ'' پاکستان میں بھیج دیا، حالانکہ اس کو ایران کے شیعہ ''مؤمنین'' تک ہی محدود رہنا چاہئے تھا، اور جب پاکستان کی حکومت نے ایرانیوں کے ''تصحیح کردہ قرآن'' پر پابندی عائد کردی، اور اسے ضبط کرنے کا حکم صادر کردیا تو اس خبر سے پاکستان سے ایران تک تمام شیعوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی، چنانچہ اسلام آباد کے ایرانی سفارت خانہ کی جانب سے ایک وضاحتی اشتہار تمام بڑے اخبارات میں شائع کیا گیا، جس کا عکس درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون

ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ (سورۃ الحجر - ۹)

بعض جرائد میں یہ خبر چھپی ہے، اور اس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ایران میں چھپنے والے قرآن مجید کے بعض نسخے، قرآن مجید کے دوسرے نسخوں سے ناروا طور پر مختلف ہیں اس لئے محترم مسلمانوں کی توجہ مندرجہ ذیل نکات کی جانب مبذول کرائی جاتی ہے۔

۱۔ اسلام کے آغاز سے آج تک، عام مسلمان، خاص طور پر دینی پیشواؤں اور مذہبی علماء نے خدا کے فضل وکرم سے اپنی ساری کوششیں قرآن مجید کو ہر قسم کی تحریف یا اختلاف سے پاک اور محفوظ رکھنے میں صرف کی ہیں اور اس کتاب مقدس کو جس طرح بلا تحریف اپنے آ[ئمہ] اسلام سے حاصل کیا۔ اُسی طرح صحیح وسالم شکل میں آنے والی نسلوں تک پہنچایا۔

۲۔ کافی مدت سے اسلام کے دشمنوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ قرآن کریم میں تحریف کا الزام اور بہتان کسی ایک اسلامی مذہبی فرقہ پر لگا کر اُمت اسلامیہ میں تفرقہ کے بیج بوئیں اور اس سلسلہ میں جعلی حوالہ فراہم کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

۳۔ اسلامی جمہوریہ ایران میں قرآن مجید کی طباعت کے سلسلہ میں بہت

احتیاط برتی جاتی ہے تاکہ اس میں کسی قسم کی غلطی باقی نہ رہے اور اگر قرآن مجید کے کچھ نسخے اغلاط کے ساتھ کسی ایرانی طباعتی ادارہ کے نام سے شائع ہوئے ہیں تو بلاشبہ یہ دشمنان اسلام کی سازش ہے اور جو لوگ اس بات کو اچھالتے ہیں ہماری نظر میں وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر اسلام کے دشمنوں کے ایجنٹ ہیں۔

۴۔ ظاہر ہے کہ تحریف شدہ قرآن مجید کریم کے نسخوں کی تقسیم کے بارے میں جو بھی خبر شائع ہوئی ہے وہ اسلام کے دشمنوں کی منظم سازش کے تحت عمل میں لائی گئی ہے اور اسلامی جمہوریہ ایران اس کی بڑی شدت سے مذمت کرتا ہے۔ ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق

رائٹری فرہنگی سفارت کار جمہوری اسلامی ایران، اسلام آباد

(روزنامہ جنگ کراچی ۳۱/اکتوبر ۱۹۸۶ء)

ایرانی سفارت خانہ کا یہ اشتہار شیعوں کے روایتی تقیہ و کتمان کا مرقع: ''وزدے بکف چراغ دارد'' کی بہترین مثال اور معشوق بے وفا کی کہہ مکرنی ہے، ایران میں قرآن کریم کا ترمیم شدہ نسخہ چھاپا جاتا ہے اور جب مسلمانوں کو اس کی خبر ہوتی ہے کہ شیعہ، قرآن کریم کے اول درجہ کے دشمن ہیں تو بڑی معصومیت سے فرمایا جاتا ہے کہ یہ حرکت ہم نے نہیں کی، بلکہ کسی دشمن اسلام نے یہ حرکت کی ہوگی، حالانکہ شیعوں سے بڑھ کر دشمن اسلام کون ہے؟ اس اشتہار میں کس قدر دجل و تلبیس اور تقیہ و کتمان سے کام لیا گیا ہے اس کا اندازہ قارئین کو گزشتہ سطور سے ہوا ہوگا، مختصراً اس اشتہار کے ایک ایک نکتہ کا بھی تجزیہ کر دیکھئے:

اس اشتہار کی بسم اللہ آیت کریمہ: ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ.'' سے کی گئی ہے، بلاشبہ اہل اسلام کے نزدیک یہ آیت شریفہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، اس لئے اس میں کوئی تحریف اور کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، لیکن شیعوں کے نزدیک یہ آیت قرآن کی محفوظیت کی دلیل نہیں، بلکہ آیت کا مطلب صرف یہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک نسخہ صحیح

سالم رہے گا، اور وہ امام غائب کے پاس غار میں ''محفوظ'' ہے، اس کے علاوہ دوسرے جتنے نسخے ہیں ان میں شیعوں کے بقول منافقوں نے رد و بدل کردیا ہے، چنانچہ شیعوں کے عظیم مجتہد و محدث علامہ نوری طبرسی نے اس آیت کے جو متعدد جوابات دیئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

''وایضا الحفظ عند محمد وآله صلوات الله علیهم لم لا یکفی عن تحقق مفهوم الآیة؟ ومعه لا مانع لتغییره عند غیرهم.'' (فصل الخطاب ص:۳۶۱)

ترجمہ:...... ''نیز قرآن کریم کا محمد وآل محمد صلوات اللہ علیہم کے پاس محفوظ ہونا آیت کا مفہوم صادق آنے کے لئے کیوں کافی نہیں؟ اور اس صورت میں دوسروں کے پاس جو قرآن ہے اگر اس میں رد و بدل کردیا گیا ہو تو اس سے کوئی مانع نہیں۔''

ٹھیک یہی بات ہندوستان کے ایک شیعہ مفسر فرمان علی نے اپنے حاشیہ قرآن میں لکھی ہے:

''ذکر سے ایک تو قرآن مراد ہے، تب اس کی نگہبانی کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ضائع و برباد نہ ہونے دیں گے، پس اگر تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہو تب بھی یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ محفوظ ہے، اس (آیت) کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اس (قرآن) میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہوگئے، کم سے کم اس میں تو شک ہی نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی۔'' (ترجمہ فرمان علی ص:۴۶۹)

واضح رہے کہ شیعہ مفسر فرمان علی کے ترجمہ وحواشی پر گزشتہ صدی کے بڑے بڑے شیعہ مجتہدین کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں، گویا متقدمین شیعہ کی طرح چودھویں صدی کے تمام مجتہدین شیعہ بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں کہ قرآن کریم کا ایک ''صحیح نسخہ'' امام غائب کے پاس محفوظ ہے، اور باقی تمام نسخوں میں تغیر وتبدل کردیا گیا ہے۔ اب قارئین انصاف فرمائیں کہ اس آیت کریمہ کے حوالے سے ایرانی سفارت خانے کا یا کسی اور شیعہ کا یہ تاثر دینا کہ وہ قرآن کریم کے اس نسخہ کو، جو امت کے ہاتھوں میں ہے، صحیح سمجھتے ہیں، محض دجل وتلبیس اور تقیہ وکتمان نہیں تو اور کیا ہے؟

اشتہار کے پہلے نکتے میں کہا گیا ہے کہ:

> ''مسلمانوں نے ہر دور میں قرآن کریم کی حفاظت پر اپنی ساری کوششیں صرف کی ہیں اور جس طرح انہوں نے قرآن کریم کو اپنے اسلاف سے لیا ہے، بغیر کسی تحریف کے، صحیح وسالم شکل میں آنے والی نسلوں تک پہنچایا ہے۔''

ایرانی سفارت خانے کا یہ نکتہ اہل اسلام کے اصول پر تو بالکل صحیح ہے، لیکن ایران کے قائد اعظم علامہ خمینی کے شیعی عقیدے کے مطابق بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ قرآن کا جو نسخہ امت کے ہاتھ میں ہے، وہ حضرات خلفائے راشدین (حضرت ابوبکر وعمر وعثمان) رضی اللہ عنہم کی جمع وتدوین اور صحابہ کرامؓ کی تعلیم کے ذریعہ بعد کی امت تک پہنچا ہے، صحابہ کرامؓ ہی قرآن کریم کے اولین راوی ہیں، وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور بعد کی امت کے درمیان واسطہ ہیں، یہی صحابہؓ مسلمانوں کے ''اسلاف'' ہیں۔

شیعہ عقیدے کے مطابق مسلمانوں کے یہ اسلاف دو چار کے سوا سب منافق اور مرتد تھے، جنہوں نے، شیعوں کے بقول، حضرت علیؓ کو، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامزد کردہ خلیفہ بلافصل اور وصی رسول تھے، خلیفہ نہ بنا کر عہد رسولؐ کو توڑ

ڈالا، آل رسولؐ کا حق غصب کرلیا، ان پر مظالم ڈھائے، قرآن کریم میں من مانی تبدیلیاں کر ڈالیں، اور امیرالمؤمنین (حضرت علیؓ) نے قرآن کریم کا جو "صحیح نسخہ" مرتب فرمایا تھا اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔

جناب خمینی صاحب نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں حضرات خلفائے راشدینؓ اور عام صحابہ کرامؓ کے بارے میں جو گل افشانیاں کی ہیں ان کی باحوالہ تفصیل حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی کتاب "ایرانی انقلاب" میں ملاحظہ کرلی جائے، ان کا خلاصہ مولانا نعمانی مدظلہ کے الفاظ میں یہ ہے:

ا:...... "شیخین ابوبکر و عمر دل سے ایمان ہی نہیں لائے تھے، صرف حکومت اور اقتدار کی طمع و ہوس میں انہوں نے بظاہر اسلام قبول کرلیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے کو چپکا رکھا تھا۔"

۲:...... "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت و اقتدار حاصل کرنے کا ان کا جو منصوبہ تھا اس کے لئے وہ ابتدا ہی سے سازش کرتے رہے اور انہوں نے اپنے ہم خیالوں کی ایک طاقتور پارٹی بنالی تھی، ان سب کا اصل مقصد اور مطمح نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت پر قبضہ کرلینا ہی تھا، اس کے سوا اسلام سے اور قرآن سے ان کو کوئی سروکار نہیں تھا۔"

۳:...... "اگر بالفرض قرآن میں صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامت و خلافت کے لئے حضرت علیؓ کی نامزدگی کا ذکر بھی کردیا جاتا تب بھی یہ لوگ ان قرآنی آیات اور خداوندی فرمان کی وجہ سے اپنے اس مقصد اور منصوبہ سے دستبردار ہونے والے نہیں تھے، جس کے لئے انہوں

نے اپنے کو اسلام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکا رکھا تھا، اس مقصد کے لئے جو حیلے اور جو داؤ پیچ ان کو کرنے پڑتے وہ سب کرتے اور فرمان خداوندی کی کوئی پرواہ نہ کرتے۔"

۴:......"قرآنی احکام اور خداوندی فرمان کے خلاف کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی، انہوں نے بہت سے قرآنی احکام کی مخالفت کی اور خداوندی فرمان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔"

۵:......"اگر وہ اپنا مقصد (حکومت و اقتدار) حاصل کرنے کے لئے قرآن سے ان آیات کو نکال دینا ضروری سمجھتے (جن میں امامت کے منصب پر حضرت علی کی نامزدگی کا ذکر کیا گیا ہوتا) تو وہ ان آیتوں ہی کو قرآن سے نکال دیتے، یہ ان کے لئے معمولی بات تھی۔"

۶:......"اگر وہ ان آیات کو قرآن سے نہ نکالتے تب وہ یہ کر سکتے تھے اور یہی کرتے کہ ایک حدیث اس مضمون کی گھڑ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو سنا دیتے کہ آخری وقت میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ امام و خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ شوریٰ سے طے ہوگا اور علی جن کو امامت کے منصب کے لئے نامزد کیا گیا تھا اور قرآن میں بھی اس کا ذکر کر دیا گیا تھا، ان کو اس منصب سے معزول کر دیا گیا۔"

۷:......"اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ عمر، ان آیات کے بارے میں کہہ دیتے یا تو خدا سے ان آیتوں کے نازل کرنے میں، یا جبرئیل یا رسول خدا سے ان کو پہنچانے میں اشتباہ ہوگیا،

یعنی غلطی اور چوک ہوگئی۔"

۸:......"خمینی صاحب نے حدیث قرطاس ہی کا ذکر کرتے ہوئے بڑے دردناک نوحہ کے انداز میں (حضرت عمرؓ کے بارے میں) لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت میں اس نے آپؐ کی شان میں ایسی گستاخی کی جس سے روح پاک کو انتہائی صدمہ پہنچا اور آپؐ دل پر اس صدمہ کا داغ لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس موقع پر خمینی صاحب نے صراحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ عمر کا یہ گستاخانہ کلمہ دراصل اس کے باطن اور اندر کے کفر و زنادقہ کا ظہور تھا یعنی اس سے ظاہر ہوگیا کہ (معاذ اللہ) وہ باطن میں کافر و زندیق تھا۔"

۹:......"اگر یہ شیخین (اور ان کی پارٹی والے) یہ دیکھتے کہ قرآن کی ان آیات کی وجہ سے (جن میں امامت کے لئے حضرت علی کی نامزدگی کی گئی ہوتی) اسلام سے وابستہ رہتے ہوئے ہم حصول حکومت کے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے، اسلام کو ترک کرکے اور اس سے کٹ کر ہی یہ مقصد حاصل کرسکتے ہیں تو یہ ایسا ہی کرتے، اور ابوجہل و ابولہب کا موقف اختیار کرکے (اپنی پارٹی کے ساتھ) اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوجاتے۔"

۱۰:......"عثمان و معاویہ اور یزید ایک ہی طرح کے اور ایک ہی درجہ کے "چپاولچی" (ظالم و مجرم) تھے۔"

۱۱:......"عام صحابہ کا یہ حال تھا کہ یا تو وہ ان کی (شیخین کی) خاص پارٹی میں شریک، شامل، ان کے رفیق کار

اور حکومت طلبی کے مقصد میں ان کے پورے ہم نوا تھے، یا پھر وہ
تھے جو ان لوگوں سے ڈرتے تھے اور ان کے خلاف ایک حرف
زبان سے نکالنے کی ان میں جرأت و ہمت نہیں تھی۔''

۱۲:......دنیا بھر کے اولین و آخرین اہل سنت کے بارے میں خمینی صاحب کا ارشاد ہے کہ:

''سنیوں کا معاملہ یہ ہے کہ ابوبکر و عمر قرآن کے صریح
احکام کے خلاف کچھ کہیں، یہ لوگ قرآن کے مقابلہ میں اسی کو
قبول کرتے اور اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ عمر نے اسلام میں جو
تبدیلیاں کیں اور قرآنی احکام کے خلاف جو احکام جاری کئے
سنیوں نے قرآن کے اصل حکم کے مقابلہ میں عمر کی تبدیلیوں کو
اور ان کے جاری کئے ہوئے احکام کو قبول کرلیا اور وہ انہی کی
پیروی کررہے ہیں۔'' (ایرانی انقلاب ص:۷۵ تا ۷۸)

الغرض جب مسلمانوں کے اسلاف (صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ) شیعوں کے بقول ایسے تھے جس کی تصویر ''کشف الاسرار'' میں خمینی صاحب نے کھینچی ہے تو ان کے ہاتھوں سے آئے ہوئے قرآن پر ایرانی سفارت خانے کو کیونکر ایمان ہوسکتا ہے، جبکہ ائمہ معصومین کے دو ہزار سے زیادہ ارشادات شیعہ کتابوں میں موجود ہیں کہ منافقوں نے (یعنی حضرات خلفائے راشدینؓ نے) قرآن کریم میں بہت سا ردوبدل کر ڈالا، اور سب جانتے ہیں کہ شیعہ قرآن کو تو چھوڑ سکتے ہیں، مگر اپنے ائمہ معصومین کے متواتر ارشادات سے انحراف ان کے نزدیک کفر سے کم نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی شیعہ کا قرآن کریم پر ایمان نہیں ہوسکتا، جو شخص شیعہ کہلاکر ''ایمان بالقرآن'' کا دم بھرتا ہے اس کا دعویٰ سراسر کذب و خداع اور دروغ بے فروغ ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ روایت وہی سچی کہلاتی ہے جس کے راوی سچے ہوں،

جھوٹے راویوں کی روایت کو سچا کہنا خود بہت بڑا جھوٹ ہے۔ پس اگر ایرانی سفارت خانے کا یہ نکتہ کہ ہر دور میں مسلمانوں نے قرآن کریم کی حفاظت کی، مبنی بر صداقت ہے اور خمینی کی شیعہ حکومت واقعتاً قرآن کریم پر ایمان رکھتی ہے تو ایرانی سفارت خانے کو صاف صاف اعلان کردینا چاہئے کہ قرآن کے راویان اولین، خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ سب کے سب پکے سچے مسلمان تھے، مؤمن مخلص تھے، عادل و امین تھے، تمام دینی امور میں ثقہ اور لائق اعتماد تھے، جس طرح قرآن کریم کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں اسی طرح قرآن کریم کے راویان اولین کی سچائی و دیانت داری، ان کا ایمان و اخلاص اور ان کی عدالت وثقاہت بھی ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

اور یہ اعلان بھی کردینا چاہئے کہ شیعہ راویوں نے ان اکابرؓ کے خلاف جو ہزاروں داستانیں گھڑ کر شیعہ کتابوں میں پھیلادی ہیں، یہ تمام داستانیں جھوٹ کا پلندہ ہے، اور یہ اسلام اور قرآن کے خلاف دشمنان اسلام کی سازش تھی، جس کا مقصد قرآن کے راویان اولین کو مجروح کرکے قرآن کریم سے امت کو برگشتہ کرنا تھا، وہ تمام شیعہ مصنّفین جنہوں نے یہ من گھڑت اور خود تراشیدہ روایات اپنی کتابوں میں درج کیں، وہ سب اسلام کے ازلی دشمن تھے۔

اور یہ اعلان بھی کردینا چاہئے کہ روح اللہ خمینی صاحب نے اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' میں خلفائے ثلاثہؓ کو جو منافق و بے ایمان اور ظالم و جابر لکھا ہے، خمینی صاحب اس سے توبہ کرتے ہیں اور تمام صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدینؓ کو عادل و امین اور مؤمن مخلص سمجھتے ہیں۔

دوسرے نکتہ میں ایرانی سفارت خانے کی جانب سے کہا گیا ہے کہ کافی مدت سے دشمنان اسلام کی یہ کوشش رہی ہے کہ قرآن کریم کی تحریف کا الزام اور بہتان کسی ایک اسلامی مذہبی فرقہ پر لگا کر امت اسلامیہ میں تفرقہ کے بیج بوئیں، اور اس سلسلہ میں جعلی مواد فراہم کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

ایرانی سفارت خانے کا یہ نکتہ حرف بحرف صحیح ہے مگر اس کی نشاندہی نہیں کی گئی کہ یہ دشمنانِ اسلام کون تھے؟ اور انہوں نے قرآن کریم کی تحریف کا الزام اور بہتان کس اسلامی فرقہ پر لگایا؟ اور وہ کون سے جعلی حوالے تھے جن کے فراہم کرنے میں دریغ نہیں کیا گیا؟ ہم ایرانی سفارت خانے کی اطلاع کے لئے ان دشمنان اسلام کی نشاندہی کرتے ہیں۔

سنئے! یہ دشمنان اسلام شیعہ مصنفین اور مجتہدین ہیں جنہوں نے دوسری صدی سے لے کر چودھویں صدی تک مسلسل تیرہ سو سال یہ پروپیگنڈا کیا اور مسلمانوں کے سب سے پہلے طبقے (صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ) پر یہ الزام اور بہتان لگایا کہ انہوں نے قرآن کریم میں تحریف کر دی، اور جعلی حوالے کے طور پر ایک دو نہیں، سو پچاس نہیں، بلکہ دو ہزار سے زیادہ روایتیں ائمہ معصومین کی طرف منسوب کر دیں۔

اور اگر ایرانی سفارت خانے کو ان دشمنان اسلام کی فہرستیں مطلوب ہوں تو علامہ حسین بن محمد تقی نوری طبرسی نے ''فصل الخطاب'' میں (ص:۲۶ سے ص:۳۲ تک) ان اسلام دشمنوں کی فہرست بھی درج کر دی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

۱:......شیخ جلیل علی بن ابراہیم قمی، مصنف تفسیر قمی۔

۲:......ثقۃ الاسلام کلینی، مصنف الکافی۔

۳:......الثقۃ الجلیل محمد بن حسن صفار، مصنف کتاب البصائر۔

۴:......الثقۃ بن ابراہیم نعمانی تلمیذ کلینی، مصنف کتاب الغیبت۔

۵:......الثقۃ الجلیل سعد بن عبداللہ قمی، مصنف کتاب ناسخ القرآن ومنسوخہ۔

۶:......سید علی بن احمد کوفی، مصنف کتاب بدع المحدثہ۔

۷:......اجلۃ المفسرین واماہم الشیخ الجلیل محمد بن مسعود عیاشی۔

۸:......شیخ فرات بن ابراہیم الکوفی۔

۹:......الثقۃ الثقۃ محمد بن عباس الماہیار۔

۱۰:......الشیخ الاعظم محمد بن محمد بن النعمان المفید۔

۱۱:......شیخ المتکلمین و متقدم نوبختیین ابوسہل اسماعیل بن نوبخت، مصنف کتب کثیرہ۔

۱۲:......الشیخ المتکلم الفیلسوف ابومحمد حسن بن موسیٰ، مصنف تصانیف جیدہ۔

۱۳:......الشیخ الجلیل ابواسحٰق ابراہیم بن نوبخت، مصنف کتاب الیاقوت۔

۱۴:......اسحٰق کاتب جس نے امام مہدی کو دیکھا ہے، خدا امام موصوف کی مشکل جلد آسان کردے۔

۱۵:......رئیس الطائفہ، جس کے معصوم ہونے کا قول کیا گیا ہے یعنی شیخ ابوالقاسم حسین بن روح بن ابی بحر النوبختی، جو شیعوں کے اور امام مہدی کے درمیان تیسرے سفیر تھے۔

۱۶:......العالم الفاضل المتکلم حاجب بن لیث بن سراج۔

۱۷:......الشیخ الثقۃ الجلیل الاقدم فضل بن شاذان، مصنف کتاب الایضاح۔

۱۸:......الشیخ الجلیل محمد بن حسن الشیبانی، مصنف تفسیر نہج البیان۔

۱۹:......الشیخ الثقۃ احمد بن محمد بن خالد برقی، مصنف کتاب المحاسن۔

۲۰:......الثقۃ محمد بن خالد، مصنف کتاب التنزیل والتفسیر۔

۲۱:......الشیخ الثقۃ علی بن حسن بن فضال، مصنف کتاب التنزیل من القرآن والتحریف۔

۲۲:......محمد بن حسن الصیرفی، مصنف کتاب التحریف والتبدیل۔

۲۳:......احمد بن محمد بن سیار، مصنف کتاب القرات یا کتاب التنزیل والتحریف۔

۲۴:......الثقۃ الجلیل محمد بن عباس بن علی بن مروان ماہیار، مصنف تفسیر۔

۲۵:......ابوطاہر عبدالواحد بن عمرقمی۔

۲۶:......الجلیل محمد بن علی بن شہر آشوب، مصنف کتاب المناقب وکتاب المثالب۔

۲۷:......شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی، مصنف کتاب الاحتجاج (مصنف احتجاج نے اس کا عہد کیا ہے کہ وہ صرف وہی روایتیں ذکر کریں گے جن پر (شیعوں کا) اجماع ہے یا وہ موافق ومخالف کے درمیان مشہور ہیں، یا دلیل عقل سے ثابت ہیں، موصوف نے دس سے زیادہ صریح روایتیں نقل کی ہیں۔ ناقل۔ (فصل الخطاب ص:۳۱)۔

۲۸:......مولیٰ محمد صالح، مصنف شرح الکافی۔

۲۹:......فاضل سید علی خان، مصنف شرح الصحیفہ۔

۳۰:......مولیٰ مہدی نراقی۔

۳۱:......الاستاذ الاکبر بہبہانی، مصنف الفوائد۔

۳۲:......محقق قمی۔

۳۳:......شیخ ابوالحسن شریف، مصنف تفسیر مرأۃ الانوار (صاحب فصل الخطاب لکھتے ہیں: "وجعله فی تفسیره المسمی بمرأة الانوار من ضروریات مذهب التشیع واکبر مفاسد غصب الخلافة بعد تتبع الاخبار وتصفح الآثار." (ص:۳۱) یعنی ابوالحسن شریف نے اخبار کی تتبع تلاش اور آثار کی چھان بین کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تحریف قرآن کا عقیدہ شیعہ مذہب کے "ضروریاتِ دین" میں داخل ہے اور یہ غصب خلافت کا سب سے بدترین نتیجہ ہے۔ ناقل)۔

۳۴:......شیخ علی بن محمد مقابی، مصنف مشرق الانوار۔

۳۵:......السید الجلیل علی بن طاؤس، مصنف فلاح السائل، سعد السعود۔

اور یہی مذہب ہے جمہور محدثین (شیعہ) کا جن کے کلمات پر ہم کو اطلاع ہوئی ہے۔ (فصل الخطاب ص:۲۶ تا ۳۲)

یہ چند ناموں کی فہرست ہے جو علامہ نوری طبرسی نے درج کی ہے، اور یہ بھی بطور نمونہ ہے ورنہ یہ فہرست ہزاروں سے متجاوز ہو سکتی ہے۔

ہم ایرانی سفارت خانے کی وساطت سے ایرانی حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ موجودہ ایران کے قائد اعظم جناب خمینی کا اس مضمون کا فتویٰ ساری دنیا میں شائع کیا جائے کہ:

۱:......وہ تمام شیعہ راوی جنہوں نے تحریف قرآن پر دو ہزار سے زیادہ روایتیں گھڑ کر ائمہ معصومین سے منسوب کر ڈالی ہیں۔

۲:......وہ تمام شیعہ مصنفین جنہوں نے بغیر کسی تردید کے ان روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی، اور اس پر ہزاروں صفحات سیاہ کئے .....اور

۳:......وہ تمام شیعہ مجتہدین، علماءاور عوام جو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے تھے، یا اب بھی رکھتے ہیں، یہ سب کے سب اسلام کے دشمن، یہودی اور مجوسی تھے اور ہیں .....تا کہ امت ان اسلام دشمنوں کے فتنہ تحریف سے پوری طرح محفوظ ہو سکے۔

تیسرے اور چوتھے نکتے میں جو کہا گیا ہے کہ یہ کسی دشمن کی شرارت ہے، یہ دراصل ایرانی سفارت خانے کی جانب سے اپنے جرم کو چھپانے اور اس پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش ہے، ٹھوس اور قطعی دلائل کی روشنی میں ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ تحریف شدہ نسخہ ایران ہی میں چھپا ہے، اور ایرانی سفارت خانے کو بھی اس کا بخوبی علم ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی وہ بنیادی کتابیں جن میں عقیدہ تحریف درج کیا گیا ہے، جن میں ائمہ معصومین کی دو ہزار سے زائد روایتیں اس مضمون کی نقل کی گئی ہیں کہ منافقوں (خلفائے راشدینؓ) نے قرآن میں ردوبدل کر دیا تھا، جن میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کا اصلی نسخہ امام غائب کے پاس غار میں محفوظ ہے، اور وہ جب تشریف لائیں گے تو دنیا میں ''اصلی قرآن'' رائج کریں گے، اور موجودہ قرآن دنیا سے نابود ہو جائے گا، جن کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ تیسری صدی تک تمام

متقدمین شیعہ تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے تھے، اور بعد کی صدیوں کے بڑے بڑے مجتہدین شیعہ کا بھی یہی عقیدہ رہا، اور جن معدودے چند شیعوں نے اس کا انکار کیا، وہ محض مصلحت اندیشی پر مبنی ہے، ورنہ اندر سے وہ بھی عقیدۂ تحریف قرآن پر ہی ایمان رکھتے تھے، اور جن کتابوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ فلاں سورہ کی فلاں آیت دراصل اس طرح نازل ہوئی تھی، اور منافقوں نے اس کو اس طرح بدل دیا۔

یہ کتابیں جن میں عقیدہ تحریف کو ائمہ معصومین کے ارشادات سے ثابت کیا گیا ہے، آج بھی ایران میں چھپ رہی ہیں، ایرانی حکومت ان کتابوں کو ساری دنیا میں پھیلا رہی ہے، اور ایسی کتابوں کا گویا ایک سیلاب ہے جو ایران سے اٹھ کر دنیا کے کناروں سے ٹکرا رہا ہے، ایران کے شیعہ مؤمنین ان کتابوں کو پڑھ پڑھ کر موجودہ قرآن اور جامعین قرآن کے خلاف آگ بگولہ ہو رہے ہیں۔

مثلاً علامہ کلینی کی ''اصولِ کافی'' جو شیعوں کے نزدیک اصح الکتاب کہلاتی ہے، تفسیر قمی، تفسیر عیاشی، احتجاج طبرسی، ملا باقر مجلسی کی کتابیں: حیات القلوب، جلا العیون، حق الیقین اور مراۃ العقول۔ سید نعمت اللہ جزائری کی کتاب الانوار النعمانیہ وغیرہ وغیرہ۔

یہ کتابیں نہ صرف ایران میں چھپ رہی ہیں، بلکہ علامہ خمینی اپنے معتقدین کو ان کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں۔ الغرض تحریف قرآن کے عقیدے کا مرکز آج بھی ایران ہے، اور ان کتابوں کے نتیجے میں ایران کے ہر فرد کی خواہش وتمنا ہے کہ موجودہ قرآن، جو خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے ذریعہ امت تک پہنچا ہے، اس کو دنیا سے نابود کر دیا جائے، اور ائمہ معصومین کے مقدس ارشادات کی روشنی میں قرآن کا ''صحیح نسخہ'' رائج کیا جائے، ان حقائق کی روشنی میں انصاف کیجئے کہ قرآن کا محرف نسخہ ایران کے سوا اور کون شائع کر سکتا تھا...؟؟

اگر علامہ خمینی اور ان کی شیعی حکومت کو موجودہ قرآن پر ایمان ہوتا تو کیا

ایران میں ایسی کتابوں کی اشاعت ممکن تھی؟ نہیں! بلکہ وہ تمام کتابیں جن میں تحریف قرآن کا خبیث عقیدہ ائمہ معصومین کے حوالے سے درج کیا گیا ہے اور جن پر شیعہ مذہب کی بنیاد ہے ان کو ایران میں نذر آتش کیا جاتا، ان کے مصنفین کو ملعون سمجھا جاتا، اور ان کی کتابوں کی اشاعت کرنے والوں کو اسی طرح تختۂ دار پر لٹکایا جاتا جس طرح کہ خمینی کے باغیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ایران کے قائد اعظم خمینی اور ان کی شیعی حکومت موجودہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتی بلکہ ائمہ معصومین کے ارشادات کی روشنی میں اس کی اصلاح و ترمیم کو ضروری سمجھتی ہے، اور ایران سے ترمیم شدہ نسخہ کی اشاعت کرکے انہوں نے قرآن کریم کے بارے میں اپنے اصل عقائد کا اظہار کیا ہے، اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ایران کے قائداعظم جناب خمینی صاحب بھی وہ کام کر سکتے ہیں جو امام غائب کو دنیا میں ظاہر ہو کر کرنا ہے۔

(ماہنامہ بینات کراچی ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ)

اس ترجمہ کو ضبط کیا جائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

ابھی کچھ عرصہ پہلے سید فرمان علی کا ترجمہ ''پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ، ۱۳۹ فاران ب سوسائٹی، حیدر علی روڈ کراچی نمبر: ۵۔'' کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے، یہ ترجمہ پون صدی پہلے لکھا گیا تھا اور اسی زمانے میں مطبع نظامی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا، جب سے اب تک یہ ترجمہ گوشۂ گمنامی میں تھا، مگر اب سید نجم الحسن کراروی کی نظر ثانی اور اصلاح و ترمیم کے بعد اسے بڑی آب و تاب کے ساتھ پاکستان میں شائع کیا گیا ہے۔

اس ترجمہ پر اکابر اہل تشیع کی تصدیقات، تقریظات ثبت ہیں، خود مترجم کی تصریح یہ ہے کہ:

> ''میں نے تمام حضرات علماؑ و مجتہدین کو مختلف مقامات سے تھوڑا تھوڑا سنایا، الحمدللہ کہ سب نے سن کر فقط زبان سے ہی نہیں، بلکہ لکھ دیا کہ ایسا عمدہ اور صحیح ترجمہ نظر سے نہیں گزرا۔''

''لکھنؤ کے نامی شاعر جناب مولوی مرزا محمد ہادی

صاحب عزیز نے مجھے ایک خط لکھا جس کے بعض کلمات یہ تھے:

''میں اس ترجمہ کا بے حد مشتاق تھا، میرا عقیدہ یہ ہے
کہ اگر کتاب اللہ اردو میں نازل ہوتی تو آپ کے ترجمہ میں،
اور اس میں ایک نقطہ کا فرق نہ ہوتا۔'' (ص:۱۴)

یہ دیکھ کر نہایت دکھ اور صدمہ ہوا کہ اس ترجمہ کے حواشی میں کئی جگہ بڑی جسارت اور بے باکی کے ساتھ قرآن مجید کو غلط اور تحریف شدہ قرار دیا گیا ہے، اور امہات المؤمنینؓ، خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ پر کیچڑ اچھالی گئی ہے، اہل اسلام کی توجہ کے لئے یہاں اس کے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں:

۱:......آیت تطہیر میں تحریف:

سورۂ احزاب کا چوتھا رکوع (آیات: ۲۸ تا ۳۴) پورے کا پورا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ سے متعلق ہے، اسی ذیل میں آیت:۳۳ کا یہ جملہ بھی ہے، جو ''آیت تطہیر'' کے نام سے موسوم ہے:

''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ
الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔'' (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ:......''اے (پیغمبر کے) اہل بیت! خدا تو بس
یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی) برائی سے دور رکھے، اور جو
پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔''
(ترجمہ فرمان علی)

اس آیت کریمہ میں ازواج مطہراتؓ کو ''اہل بیت'' سے خطاب کرکے ان کی تطہیر کامل کا اعلان فرمایا گیا ہے، قرآن کریم کی اس نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ ''اہل بیت'' بھی ہیں اور فیصلۂ خداوندی کے مطابق پاک اور مطہر بھی۔

مترجم اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو ''اہل بیت'' سے عداوت اور اللہ تعالیٰ کے اس قطعی فیصلہ سے انحراف ہے، وہ اس آیت کی کوئی ایسی تاویل بھی نہیں کر سکتے جس کے ذریعہ آیت تطہیر کا روئے سخن ازواجِ مطہراتؓ سے ہٹا کر کسی اور کی طرف پھیرا جا سکے، اس لئے کہ ماقبل و مابعد میں خطاب ازواجِ مطہراتؓ ہی سے چلا آرہا ہے، اور یہ ناممکن ہے کہ درمیان کا یہ ٹکڑا کسی اور سے متعلق قرار دے دیا جائے۔ جناب مترجم نے اس مشکل کا یہ حل نکالا ہے کہ یہاں قرآن میں تحریف کردی گئی ہے، آیت کا یہ ٹکڑا کسی اور جگہ کا تھا، جسے (نعوذ باللہ) خودغرضی کی وجہ سے یہاں جڑ دیا گیا ہے، مترجم کے الفاظ یہ ہیں:

> ''اس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ماقبل و مابعد کو ملا کر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی، بلکہ اور ربط بڑھ جاتا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں بلکہ خواہ مخواہ کسی خاص غرض سے داخل کردی گئی ہے۔'' (ص:۷۵۶)

مترجم کی اس عبارت سے دو باتیں واضح ہوئیں:

ایک یہ کہ اگر قرآن کریم صحیح، برحق اور تغیر و تبدل سے محفوظ ہے تو یہ آیت تطہیر لامحالہ ازواجِ مطہراتؓ کے حق میں ہے، اور وہی قرآنی خطاب ''اہل البیت'' کا مصداق ہیں، دوم یہ کہ مترجم اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کے نزدیک قرآن کریم تحریف شدہ ہے، اس میں کسی ''خاص غرض'' کی وجہ سے تغیر و تبدل کردیا گیا ہے۔ نعوذباللہ! استغفراللہ!

۲:......آیت رحمت و برکات میں تحریف:

مترجم کی بدقسمتی سے قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی ''اہل البیت'' کا خطاب ''نبی کی بیوی'' کے لئے ہی استعمال ہوا ہے، سورۂ ہود آیت:۷۳ میں حضرت ابراہیم

علیہ السلام کی اہلیہ مقدسہ کے ساتھ فرشتوں کا مکالمہ مذکور ہے، جس میں فرشتوں نے ان کو "اہل البیت" کے لفظ سے خطاب کیا:

"قَالُوْا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ." (ہود:۷۳)

ترجمہ:...... "وہ فرشتے بولے (ہائیں) تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت (نبوت) تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، اس میں شک نہیں کہ وہ قابل حمد (وثنا) بزرگ ہے۔" (ترجمہ فرمان علی)

چونکہ اس آیت میں "نبی کی بیوی" کو فرشتوں نے "اہل البیت" کے لفظ سے خطاب کیا ہے جس سے ہر قاری قرآن کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہوگا کہ نبی کی بیوی بھی اس کے "اہل بیت" میں شامل ہے، اور یہ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ ان کے اہل بیت میں شامل ہے (جس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے بھی دے رہے ہیں) تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ آپؐ کے "اہل بیت" میں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں، آیت شریفہ کا مفہوم اور نتیجہ کھلا ہوا اور بدیہی ہے کہ کسی معمولی عقل وفہم کے آدمی کو بھی اس کے سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آسکتی، اور نہ اس میں کسی ادنیٰ تاویل کی گنجائش ہے، سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ نعوذ باللہ! قرآن کریم کی یہ آیت ہی غلط ہے، چنانچہ مترجم نے اہل بیت نبویؐ کی عداوت سے مجبور ہوکر یہی راستہ اختیار کیا ہے، مترجم صاحب لکھتے ہیں:

"اس مقام پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو خدا نے اہل بیت میں داخل کیا ہے، کیونکہ اس کے قبل کی آیت ("قبل کی آیت" میں نہیں بلکہ اسی آیت:۷۳ کے پہلے جملہ میں۔ ناقل) میں جتنا خطاب حضرت سارہ کی طرف ہے واحد

مؤنث حاضر کے صیغہ میں، اور اس آیت میں ضمیر ''کم'' جمع مذکر
حاضر کی ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب
کچھ اور لوگ ہیں، اور یہ آیت یہاں خواہ مخواہ داخل کردی گئی
ہے۔''

گویا مصنف کو صاف صاف اقرار ہے کہ اگر قرآن کریم صحیح ہے اور ہر قسم کی غلطی اور تحریف سے پاک ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی نص قطعی کی رو سے ''ازواجِ نبیؐ'' بغیر کسی شک وشبہ کے اہل بیت میں شامل ہیں، اور اگر اس عقیدہ کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ قرآن کریم کو غلط کہا جائے۔ نعوذ باللہ من الکفر والشقاق!

موصوف کی عبارت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ وہ جس مسلک کے نقیب اور ترجمان ہیں وہ ڈنکے کی چوٹ قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ قرار دیتا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہے اسے یہ بھی ایمان رکھنا ہوگا کہ ازواجِ مطہراتؓ ''اہل بیت'' میں شامل ہیں، قرآن کریم نے انہی کو ''اہل بیت'' کا نام دیا ہے، اہل بیت (ازواجِ مطہراتؓ) کی کرامت دیکھو کہ ان سے بغض وعداوت کے مریضوں کو اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا کہ وہ قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہہ کر دین وایمان سے خارج ہوں، اور اپنے کفر کا صاف صاف اعلان کرنے پر مجبور ہوں، گویا خدائے عزیز و ذوانتقام نے اہل بیت (ازواجِ مطہراتؓ) کے دشمنوں کے مقابلے میں اپنی کتاب عزیز کو پیش کردیا کہ وہ اس آہنی دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوتے رہیں، وکفی اللہ المؤمنین القتال!

۳:......سورۂ الم نشرح میں تحریف:

سورۂ الم نشرح کی آیت کریمہ: ''فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ.'' میں لفظ

"فَانْصَبْ" صاد کے فتحہ کے ساتھ ہے، جس کا ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی قدس سرہ نے یہ کیا ہے:

"پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر۔"

لیکن مترجم اس کو "فانصِب" صاد کے کسرہ کے ساتھ قرار دیتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"تو اب جبکہ تم (تبلیغ کے اکثر کاموں سے) فارغ ہو چکے تو (اپنا جانشین) مقرر کردو۔"

اور حاشیہ میں اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں:

"خدا نے دوسرا احسان جتایا ہے کہ تم پر جو نبوت اور احکام خدا پہنچانے کا بوجھ بہت بڑا تھا اس کو علیؑ بن ابی طالب کی خلافت و وزارت سے ہلکا کردیا، اور چونکہ اس حکم خدا یعنی حضرت علیؑ کی خلافت کے اظہار کو حضرت رسولؐ بہت مشکل کام سمجھتے تھے اس بنا پر خدا نے جس طرح دوسرے مقام پر دوسرے الفاظ میں فہمائش کی ہے، اسی طرح یہاں بھی یوں فرمادیا کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے، پھر وقت مقرر فرمادیا کہ جب تم آخری حج سے فارغ ہو تو خلیفہ مقرر کرو، اس کے بعد پھر خدا کی طرف رجوع کرو، یعنی موت کی تیاری کرو۔" (ص:۱۰۷۵)

یہ ترجمہ اور تشریح اس پر مبنی ہے کہ لفظ "فانصِب" کو صاد کے زیر کے ساتھ پڑھا جائے، حالانکہ قرآن کریم میں "فانصب" کا لفظ زیر کے ساتھ سرے سے ہے ہی نہیں، قرآن کریم میں تو "فانصَب" صاد کے زبر کے ساتھ ہے، نجم الحسن کراروی نے (جن کی نظر ثانی کے بعد یہ ترجمہ شائع ہوا ہے) اس پر ایک طویل نوٹ لکھا ہے جو بطور ضمیمہ آخر میں ملحق ہے، اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ صحیح لفظ "فانصِب" صاد کے

کسرہ سے ہے، فتحہ کے ساتھ غلط اور تحریف شدہ ہے، اور یہ تحریف حجاج بن یوسف ثقفی نے کی تھی، کراروی صاحب لکھتے ہیں:

> ''یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید پر اعراب حجاج بن یوسف ثقفی نے لگوائے تھے، جس کا تعصب اظہر من الشمس ہے، بروایت مشکوٰۃ اس نے ۵ لاکھ انسان قتل کرائے تھے، تواریخ میں ہے کہ شیعان علیؑ کا قتل اس کی حکومت کے نصب العین میں شامل تھا، قرآن مجید پر اعراب لگانے میں بھی یہ جذبہ کارفرما تھا، حضرات ائمہ اہل بیتؑ نے آیت: ''فاذا فرغت فانصب'' میں لفظ ''فانصب'' کو بکسر صاد قرار دیا ہے۔'' (ضمیمہ ص:۴)

قرآن مجید کے الفاظ کی تحریف کو ''ائمہ اہل بیت'' کی طرف منسوب کرنا کراروی صاحب اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کا خالص افتراٗ ہے، اسی وجہ سے علامہ زمخشریؒ صاحبِ کشاف کو اسے رافضیوں کی بدعت و اختراع قرار دینا پڑا، جیسا کہ کراروی صاحب نے زمخشری کی عبارت نقل کی ہے:

> "ومن البدع ما روی عن بعض الرافضة انه قرأ: "فانصب" فكسر الصاد. ای فانصِب عليًّا للامامة." (ضمیمہ ص:۴)
>
> ترجمہ:...... ''اور من جملہ بدعات کے ہے وہ بات جو بعض رافضیوں سے نقل کی گئی ہے کہ "فَانصِبْ" کو بکسر صاد پڑھ کر یہ مطلب لیا کہ علی کو امامت کے لئے مقرر کردو۔''

کراروی صاحب، علامہ زمخشری کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''تعجب ہے کہ انہوں نے (علامہ زمخشری نے) اعراب لگانے والے پر کوئی اعتراض نہیں کیا، جس نے

''فانصب'' کے صاد کو مفتوح کر کے مقصود باری کو بدل دیا، اور اس پر اعتراض کرتے ہیں جس نے اسے مکسور قرار دے کر مقصود باری کے مطابق اس کا مطلب بیان کیا ہے۔'' (ضمیمہ ص:۶)

مترجم کے ترجمہ وتشریح اور کراروی صاحب کے طویل ضمیمہ سے یہ امور الم نشرح ہوگئے کہ:

الف:......شیعوں کے نزدیک ''فانصب'' بفتح صاد غلط ہے، یہ دراصل بکسر صاد تھا، جسے تحریف کر کے بفتح صاد سے بدل دیا گیا۔

ب:...... یہ تحریف حجاج بن یوسف کی کارستانی ہے۔

ج:......اور اس تحریف سے مقصود ربانی بدل دیا گیا، اور آیت کا مطلب کچھ کا کچھ بن گیا۔

یہاں میرا مقصود کراروی صاحب کے نظریہ تحریف قرآن کی تردید کرنا نہیں صرف یہ دکھانا ہے کہ شیعہ، قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہتے ہیں، تاہم مناسب یہ ہوگا کہ کراروی صاحب کے الزام تحریف کا جواب خود ان ہی کے ایک ہم مسلک بزرگ کے قلم سے ہوجائے، مشہور شیعی عالم محمد جواد مغنیہ کی تفسیر ''الکاشف'' میرے سامنے ہے، وہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"وتحدر الاشارة الیٰ ان بعض بماجورین للفتنة وبث النعرات بین اهل المذاهب الاسلامیة قد نسب الی الشیعة الامامیة انهم یفسرون کلمة "فانصب" فی الآیة الکریمة بانصب علیّا للخلافة ویکفی فی الرد علیٰ هذا الافتراء ما قاله صاحب مجمع البیان، وهو من شیوخ المفسرین عند تفسیر هذه الآیة ما نصه بالحروف ومعنی انصب من النصب وهو التعب

لا تشغيل بالراحة." (ج:۲ ص:۸۲ طبع بیروت)

ترجمہ:......"یہاں اس طرف بھی اشارہ کردینا مناسب ہے کہ بعض کرائے کے لوگ جنہیں فتنہ انگیزی اور اسلامی مذاہب کے درمیان تشویش پھیلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے انہوں نے شیعہ امامیہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے۔ کہ وہ اس آیت کریمہ کے لفظ "فانصب" کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ علیؓ کو خلافت کے لئے مقرر کردو، اور اس افتراٗ کی تردید کے لئے صاحب مجمع البیان کا، جو شیعہ امامیہ کے نزدیک شیوخ المفسرین میں سے ہے، قول نقل کردینا کافی ہے، وہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "انصب" کا لفظ نصب سے ہے، جس کے معنی تعب و مشقت کے ہیں، یعنی راحت میں مشغول نہ ہو۔"

غور فرمایئے کہ کراروی صاحب تو "فانصَب" بفتح صاد کو غلط قرار دینے پر چار پانچ صفحے سیاہ کرتے ہیں، اسے حجاج بن یوسف کی کارستانی بتاکر تحریف شدہ ثابت کرتے ہیں، اس کے بجائے "فانصِب" بکسر صاد کو صحیح بتاتے ہیں، لیکن ان کے ہم مسلک دوسرے صاحب ان کی اس بات کو افتراٗ و بہتان کہتے ہیں اور جو لوگ ایسی بات کریں انہیں فتنہ انگیز اور کرائے کے لوگ کہتے ہیں، گویا یہ بھی قرآن کریم کا معجزہ ہے اور حضرات اہل بیتؓ کی کرامت ہے کہ جو لوگ پردۂ تقیہ سے نکل کر اپنے عقیدۂ تحریف قرآن کا کچھ کچھ اظہار کردیتے ہیں خود انہیں کے ہم مسلک لوگ (ازراہِ تقیہ) ان کو "فتنہ انگیز" اور "کرائے کے لوگ" کہہ کر ان کی بات کو بہتان اور افتراٗ قرار دیتے ہیں، وکفی اللہ المؤمنین القتال! واقعی اس مسلک کے بزرگوں نے صحیح فرمایا تھا:

"**انکم علیٰ دین من کتمه اعزه الله، ومن اذاعه اذله الله.**" (اصول کافی، باب الکتمان ج:۲ ص:۲۲۲)

ترجمہ:......"تحقیق تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ اس کو عزت دے گا اور جو شخص اس کو ظاہر کرے گا اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔"

افسوس ہے کہ یہ حضرات "امام" کی نصیحت پر عمل نہیں کرتے اور اپنے اصل عقائد کا اظہار کر کے یہاں تک ذلیل ہوتے ہیں کہ اپنے ہی ہم مسلک لوگوں کی زبان سے "فتنہ انگیز" اور "کرائے کے لوگ" کا خطاب پاتے ہیں۔

تنبیہ:......محمد جواد مغنیہ صاحب "الکاشف" کا یہ کہنا کہ "فانصب" کی یہ تشریح شیعہ امامیہ پر افتراء ہے، صحیح نہیں، کیونکہ کراروی صاحب نے اپنے ضمیمہ میں شیعوں کے امام المفسرین علی بن ابراہیم القمی (المتوفی: ۳۲۹ھ) سے یہی تفسیر نقل کی ہے:

"قال اذا فرغت من حجة الوداع فانصب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب."

(تفسیر قمی ج:۲ ص:۴۲۹، طبع نجف اشرف، ضمیمہ کراروی ص:۲)

ترجمہ:......"اے رسول تم اب جبکہ حجۃ الوداع سے فراغت کر چکے تو علی کے نصب خلافت کا اعلان کردو۔"

(ترجمہ کراروی صاحب)

شیعہ مفسرین میں ابن ابراہیم قمی چوتھی صدی کے ہیں، اور علامہ کلینی مصنف "الکافی" کے استاذ ہیں، جبکہ تفسیر "مجمع البیان" کے مصنف فضل بن حسن بن فضل طبرسی (المتوفی: ۵۴۸ھ) چھٹی صدی کے ہیں، اس لئے طبرسی کے حوالے سے یہ کہنا تو غلط ہے کہ یہ شیعہ امامیہ کا ائمہ پر افتراء ہے، البتہ اگر موصوف یہ کہہ دیتے کہ یہ شیعہ امامیہ کا ائمہ پر افتراء ہے تو یہ واقعہ کی صحیح ترجمانی ہوتی۔

۴:......تحریف شدہ قرآن کی تلاوت کرو: امام کا حکم:

کراروی صاحب نے اپنے ضمیمہ میں ایک طرف تو ''فانصب'' بفتح صاد کو غلط اور تحریف شدہ ثابت کرنے پر پورا زورِ قلم صرف کردیا ہے، اور اس کے لئے بڑی تقطیع کے چار پانچ صفحے سیاہ کرڈالے ہیں، لیکن بحث کے آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ:

> ''لیکن ہم حکم امام کے مطابق اسی طرح تلاوت کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح موجودہ قرآن میں مرقوم ہے۔''

غالباً حکم ''امام'' سے موصوف کا اشارہ اصول کافی کی درج ذیل روایت کی طرف ہے کہ:

> ''سالم بن سلمہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے ایک شخص نے امام جعفر کی خدمت میں قرآن کریم پڑھا جس کے الفاظ ایسے تھے جو اس قرآن میں نہیں جسے لوگ پڑھتے ہیں، امام نے فرمایا: ابھی اس قرآن کے پڑھنے سے باز رہو، بلکہ اسی طرح پڑھو جس طرح لوگ پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ امام مہدی کا ظہور ہو، جب امام مہدی کا ظہور ہوگا تو وہ کتاب اللہ کو اپنی حد پر پڑھیں گے۔'' (اصول کافی ج:۲ ص:۱۳۸۸ مطبوعہ تہران)

کراروی صاحب کے اس فقرہ سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اول:......ان کے نزدیک قرآن دو ہیں: ایک ''موجودہ قرآن'' جس پر ان کا ایمان نہیں بلکہ وہ اسے قول امام کی بنا پر تحریف شدہ سمجھتے ہیں، دوسرا ''اصلی قرآن'' جو ان کے نزدیک تحریف سے پاک ہے، مگر امام غائب کے ساتھ وہ بھی دنیا سے غائب ہے، گویا جو قرآن دنیا میں موجود ہے اس پر ان کا ایمان نہیں، اور جس قرآن پر ان کا ایمان ہے وہ دنیا میں موجود نہیں۔

دوم:......ان کے امام کے بقول موجودہ قرآن غلط اور تحریف شدہ ہے، اس کے باوجود اس کا پڑھنا فرض ہے اس لئے کہ امام نے ان سے کہا ہے کہ غلط اور تحریف شدہ قرآن کو بس اسی طرح پڑھتے رہو۔

سوم:......یہ ظاہر ہے کہ تحریف شدہ الفاظ کلام الٰہی نہیں ہو سکتے، اس کو کلام الٰہی کہنا اور کلام الٰہی کی حیثیت سے پڑھنا افتراً علی اللہ ہے، مگر کراروی صاحب کے بقول امام نے شیعوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ ہمارے خیال میں امام نے ایسا حکم کبھی نہ دیا ہوگا، بلکہ قرآن کریم کو تحریف شدہ ثابت کرنے کے لئے شیعوں کے مقدس راویوں نے امام پر افتراً کیا ہے، ورنہ اگر ''امام'' اس کو تحریف شدہ سمجھتے تو اس کے پڑھنے کا حکم ہرگز نہ دیتے۔

چہارم:......کراروی صاحب کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ''امام'' کی طرف منسوب روایات پر کتنا مضبوط ایمان رکھتے ہیں کہ ان روایات پر اعتماد کرکے قرآن متواتر کو نعوذ باللہ! غلط اور اور تحریف شدہ مان لیتے ہیں، اور انہی روایات کی بنا پر وہ ''امام'' کے ایسے مطیع و فرمانبردار ہیں کہ امام کی طرف خواہ کیسی ہی مہمل اور خلاف عقل و شرع بات منسوب کی گئی ہو وہ بے چوں و چرا اس کی تعمیل کرتے ہیں، اگر روایات کے مطابق امام حکم دے کہ قرآن کو غلط کہو (جو صریح کفر ہے) تو یہ اس کی تعمیل کے لئے حاضر، اور اگر امام کہے کہ قرآن کو غلط پڑھو (جو افتراً علی اللہ ہے) تو یہ اس کے لئے بھی ہر طرح تیار ہیں، شیعہ راویوں نے جو روایات گھڑ کر ''امام'' کی طرف منسوب کردی ہیں کراروی صاحب اور ان کے گروہ کو ان راویوں پر اور ان کی روایات پر ایسا ایمان ہے کہ ان کے بھروسے وہ قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ قرار دینا واجب سمجھتے ہیں، مگر ان روایتوں سے انحراف ان کے نزدیک جائز نہیں۔

پنجم:......ان شیعی روایات نے ''ائمہ'' کی جو تصویر پیش کی ہے وہ ''ائمہ ہدیٰ'' کی نہیں بلکہ ''ائمہ ضلالت'' کی ہے، قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہنا پھر

محرف قرآن کو پڑھنے کا حکم دینا کسی ''امام ہدیٰ'' کا کام نہیں ہوسکتا، مگر ان روایات کے مطابق ''امام'' قرآن کریم کو غلط بھی کہتے تھے اور اس کے پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے، نعوذ باللہ!

۵:......آیت: ''وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ'' میں تحریف:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے:

''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ.''

(الحجر:۹)

ترجمہ:......''بے شک ہم ہی نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کے نگہبان بھی ہیں۔'' (ترجمہ فرمان علی)

یہ آیت کریمہ مترجم کے عقیدۂ تحریف قرآن کی جڑ کاٹ دیتی ہے، مگر چونکہ ان کا قرآن کریم کے بجائے امام کی طرف منسوب روایات تحریف پر ایمان ہے اس لئے مترجم نے اس آیت کی ایسی تاویل کرڈالی جس سے ان کے امام کے عقیدۂ تحریف پر کوئی آنچ نہ آئے، چنانچہ آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''ذکر سے ایک تو قرآن مراد ہے، جس کو میں نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے، تب اس کی نگہبانی کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ضائع و برباد نہ ہونے دیں گے، پس اگر تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہوتب بھی یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ محفوظ ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر وتبدل نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہوگئے، کم سے کم اس میں تو شک ہی نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی، اور یہ مطلب

بھی نہیں کہ ہر ہر لفظ کو محفوظ رکھیں گے، کیونکہ اس زمانے میں
چھاپہ خانوں کی طرف سے روزانہ سینکڑوں ہزاروں اوراق قرآن
کے برباد کئے جاتے ہیں۔

دوسرے ذکر سے مراد جناب رسالت مآب صلی اللہ
علیہ وسلم ہیں، تب مطلب یہ ہوگا کہ کفار کے شر سے خدا آپ کو
محفوظ رکھے گا۔" (ص:۴۶۹)

مصنف کی اس تاویل سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

ایک یہ کہ ان کے نزدیک حفاظت قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قرآن، جو شرقاً وغرباً مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، اور جس کے لاکھوں حفاظ ہر زمانے میں رہے ہیں، یہ ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے، بلکہ حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا "ایک صحیح نسخہ" دنیا میں موجود رہے گا۔

"ایک صحیح نسخہ" سے موصوف کی مراد غالباً وہی نسخہ ہے جو امام غائب کے پاس ہے، جیسا کہ اصولِ کافی کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ جب وہ ظاہر ہوں گے تو قرآن کا "صحیح نسخہ" اپنے ساتھ لائیں گے اور اسے لوگوں کے سامنے پڑھیں گے۔

شیعہ روایت کے مطابق یہ "صحیح نسخہ" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتب کرکے لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا، مگر کسی نے اسے قبول ہی نہیں کیا، وہی "صحیح نسخہ" یکے بعد دیگر اماموں کے پاس منتقل ہوتا رہا، تاآنکہ امام غائب کے ساتھ وہ بھی غائب ہوگیا۔ (اصولِ کافی ج:۲ ص:۶۳۲ مطبوعہ تہران ۱۳۸۸ھ)

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

"پس بخواند قرآن را بنحوی کہ حق تعالیٰ بر حضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازل ساختہ بے آنکہ تغیر یافتہ باشد

چنانچہ در قرآن ہائے دیگر شد۔"

(حق الیقین ص:۳۵۸، مطبوعہ تہران ۱۳۵۴ ہجری شمسی)

ترجمہ:......"پس امام مہدی قرآن کو اس طرح پڑھیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، بغیر اس کے کہ اس میں کوئی تغیر وتبدل ہوا ہو، جبکہ دوسرے قرآنوں میں تغیر وتبدل ہوگیا ہے۔"

دوم:......مترجم صاف صاف لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اس (قرآن مجید) میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا "تغیرات" ہوگئے ہیں۔"

مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے کہ قرآن مجید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بغیر کسی ادنیٰ تغیر وتبدل کے جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے، اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا، یہ ایک ایسی صداقت ہے جسے انصاف پسند غیر مسلم بھی ماننے پر مجبور ہیں، جو شخص کتاب اللہ میں تغیر وتبدل تسلیم کرتا ہے وہ کتاب اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتا، کیونکہ قرآن کریم کو تحریف شدہ فرض کرلینے کے بعد نہ قرآن کریم کے کسی حرف پر اعتماد رہ جاتا ہے نہ دین اسلام کی کسی بات پر، چنانچہ اصولِ کافی کے محشی علامہ اکبر غفاری لکھتے ہیں:

"لانه لو كان تطرق التحريف والتغيير فى الفاظ القرآن لم يبق لنا اعتماد علىٰ شئ منه، اذ علىٰ هذا يحتمل كل آية منه ان تكون محرفة ومغيرة وتكون علىٰ خلاف ما انزله الله، فلا يكون القرآن حجة لنا، وتنتفى فائدته، وفائدة الامر باتباعه والوصية به،

وعرض الاخبار المتعارضة عليه."

(اصول کافی ج:۲ ص:۶۳۱، مطبوعہ تہران ۱۳۸۸ھ)

ترجمہ:......"کیونکہ اگر قرآن کے الفاظ میں تحریف اور تغیر وتبدل فرض کرلیا جائے تو ہمارے لئے اس کے کسی حرف پر بھی اعتماد نہیں رہ جاتا، کیونکہ اس صورت میں قرآن کریم کی ہر آیت میں یہ احتمال ہوگا کہ وہ محرف ومبدل اور ما انزل اللہ کے خلاف ہو، پس اندریں صورت قرآن ہمارے لئے حجت نہیں رہ جاتا، اس کا فائدہ ہی ختم ہوجاتا ہے، اور قرآن کی پیروی کی تاکید و وصیت اور متعارض روایات کو قرآن پر پیش کرنے کا اصول، یہ سب باطل اور بے کار ہوجاتے ہیں۔"

لیکن مترجم کے نزدیک قرآن کریم میں نہ صرف یہ کہ تغیر وتبدل ہوسکتا ہے، بلکہ بہت سے تغیرات ہوچکے ہیں۔ نعوذ باللہ! نقل کفر کفر نہ باشد!

مترجم نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ ان کے عقیدہ کے مطابق قرآن میں کیا کیا تغیرات ہوچکے ہیں، صرف یہ کہا ہے کہ:

"کم از کم اس میں تو شک نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی ہے۔"

موصوف کے اس عقیدہ کی تشریح و وضاحت ان کے مسلک کی کتابوں میں موجود ہے کہ قرآن کریم میں (نعوذ باللہ) درج ذیل تبدیلیاں کردی گئی ہیں:

۱:......قرآن کریم کا بہت سا حصہ ساقط کردیا گیا۔

۲:......بہت سی باتیں اس میں اپنی طرف سے ملادی گئیں۔

۳:......اس کے الفاظ بدل دیئے گئے۔

۴:......حروف تبدیل کردیئے گئے۔

۵:......سورتوں اور آیتوں، بلکہ کلمات کی ترتیب بدل دی گئی۔

میں ان امور کی تفصیل اپنے رسالہ ''ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر'' میں باحوالہ ذکر کرچکا ہوں، اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے، یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مترجم بغیر کسی جھجک کے تحریف قرآن کا اعلان کرتے ہیں کہ:

''قرآن میں بہت سی تبدیلیاں کردی گئی ہیں، خصوصاً ترتیب تو بالکل ہی بدل دی گئی ہے۔''

۶:......''هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ'' میں تحریف:

سورۃ الحجر کے تیسرے رکوع میں ہے: "هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ." (الحجر:۴۱) اس آیت کریمہ میں لفظ "عَلَيَّ" (عین، لام اور یائے مشدد تینوں کے فتحہ کے ساتھ) ہے، مصنف نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے: ''یہی راہ سیدھی ہے جو کہ مجھ تک (پہنچی) ہے۔'' اس کے حاشیہ میں مصنف، قرآن کریم کے ان الفاظ کو غلط، بھونڈے اور خرابی کے حامل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ ترجمہ قرآن کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہے، لیکن اس میں علاوہ بھونڈے معنی ہونے کے ایک بڑی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اس صورت میں ایک نیا جملہ محذوف ماننا پڑے گا۔''

''قرآن کریم کے ظاہری الفاظ'' کو غلط قرار دینے کے لئے مصنف ایک دوسری قرأت نقل کرتے ہیں:

''بعض قرأ نے "هٰذَا صِرَاطٌ عَلِيٌّ مُسْتَقِيْمٌ" پڑھا ہے۔''

مصنف کے نزدیک یہ قرأت بھی غلط ہے کیونکہ:

''اس بنا پر "عَلِيٌّ فَعِيْلٌ" کے وزن پر بلند کے معنی میں ہوگا، اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بلند راستہ ہے، حالانکہ یہ توجیح (کذا فی الاصل۔ ناقل) بھی صحیح نہیں کیونکہ راستہ کی خوبی سیدھا ہونا ہے، نہ بلند ہونا۔''

قرآن مجید کی ان دونوں متواتر قرأتوں کو غلط قرار دے کر مصنف اپنی طرف سے ایک نئی قرأت تصنیف کرکے اس کے ذریعہ قرآن کریم کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''اور جب دونوں صورتیں صحیح نہ رہیں تو اب تیسری قرأت "هٰذَا صِرَاطُ عَلِيٍّ مُسْتَقِيْمٌ." کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، اور اس میں نہ کوئی لفظی خرابی لازم آتی ہے، نہ معنوی، اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ علیؑ کی راہ سیدھی ہے اور اس میں خدا کی طرف سے حضرت علیؑ کے نام کی تصریح اور اعلان عام ہے کہ حضرت ہی کا دین سیدھا اور مستقیم ہے، اور انہی کے پیرو سیدھے جنت میں پہنچیں گے، اور یہ آپ کا شرف عظیم اور فخر جسیم ہے اور یہی تقاسیر اہل بیتؑ کا بھی منشا ہے۔''

واضح رہے کہ: "صِرَاطُ عَلِيٍّ مُسْتَقِيْمٌ." قرآن کریم کے الفاظ نہیں، بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح مصنف نے یہ لفظ خود تصنیف کرکے انہیں قرآن کریم میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے، اس مقام پر مصنف نے دو جرائم کا ارتکاب کیا ہے:

۱:......قرآن کریم کے الفاظ کو غلط قرار دینا اور ان کے لئے سوقیانہ الفاظ استعمال کرنا۔

۲:......اپنے تصنیف کردہ الفاظ کو قرآن کریم میں داخل کرکے تحریف لفظی کا ارتکاب کرنا۔

مصنف کی یہ تحریف ان کے اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ نعوذ باللہ! قرآن کریم میں تحریف کردی گئی، قرآن کے اصل الفاظ: "صِرَاطُ عَلِيٍّ" ہونے چاہئیں مگر تحریف کرنے والوں نے اس کی جگہ: "صِرَاطٌ عَلَيَّ" لکھ دیا۔

ترجمہ فرمان علی اور اس کے حواشی کے جو اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں ان سے مندرجہ ذیل نتائج بالکل ظاہر ہیں:

۱:......مصنف اور اس کے گروہ کے نزدیک یہ قرآن کریم جو ہمارے ہاتھوں میں ہے بعینہٖ وَہ نہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا، بلکہ اس میں بہت سی تبدیلیاں کردی گئی ہیں، مثلاً:

الف:......اس کی ترتیب بالکل بدل دی گئی۔

ب:......کسی آیت کا ٹکڑا دوسری آیت میں لگادیا گیا۔

ج:......قرآن کے صحیح الفاظ کو بدل کر اس کی جگہ (نعوذ باللہ) بھونڈے الفاظ درج کردیئے گئے۔

د:......قرآن کریم کے اعراب میں تحریف کردی گئی۔

۲:......یہ تبدیلیاں خودغرض لوگوں نے کسی "خاص غرض" کی بنا پر کی ہیں۔

۳:......ان تبدیلیوں سے مرادِ الٰہی کو بدل دیا گیا۔

۴:......اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کا جو وعدہ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ایک "صحیح نسخہ" اپنی اصلی حالت پر رہے گا۔

۵:......اور یہ "صحیح نسخہ" حضرت علیؓ نے مرتب کیا تھا، جو یکے بعد دیگرے ائمہ کے پاس محفوظ چلا آتا تھا، اور اب وہ "صحیح نسخہ" امام غائب کے پاس غار میں محفوظ ہے۔

۶:......اس "صحیح نسخہ" کے علاوہ اب روئے زمین پر قرآن کریم کا کوئی "صحیح

نسخہ'' موجود نہیں، چنانچہ مصنف کے مندرجہ بالا اقتباسات میں قرآن کریم کے تمام موجودہ نسخوں کی غلطیاں اور تبدیلیاں قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں۔

(مزید تفصیل کے لئے اس ناکارہ کا رسالہ ''ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر'' دیکھ لیا جائے۔)

ان تصریحات کے بعد حکومت کے ارباب حل وعقد اور دیگر اہل فکر ونظر سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ قرآن کریم کے بارے میں مندرجہ بالا عقائد رکھتے ہوں، کیا ان کے کافر ومرتد ہونے میں کوئی شک وشبہ رہ جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی تحریف کا عقیدہ رکھنے کے بعد آدمی مسلمان نہیں رہ سکتا، سوال یہ ہے کہ اس ترجمہ کو شائع کرنے والے، اس کی تقریظ لکھنے والے اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو مسلمانوں کی فہرست میں کیوں شمار کیا جاتا ہے؟

''پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ'' جس نے یہ ترجمہ وحواشی شائع کئے ہیں ان کو حکومت سندھ کے محکمہ اوقاف نے ''صحیح قرآن مجید'' چھاپنے کا باقاعدہ اجازت نامہ جاری کیا ہے، جس کا فوٹو قرآن مجید پر مطبوع ہے، اور قارئین کی توجہ کے لئے ہم اس کا عکس ذیل میں دے رہے ہیں۔

محکمہ اوقاف حکومت سندھ کے اجازت نامہ کا عکس:

ہمیں اس اجازت نامہ پر تعجب ہی نہیں، نہایت ہی دکھ ہے کہ کیا محکمہ اوقاف نے قرآن مجید کو (نعوذ باللہ) گالیاں دلوانے کے لئے یہ اجازت نامہ جاری کیا تھا؟

یہ ترجمہ مارشل لا دور میں شائع ہوا، جبکہ کوئی حرف سنسر کی چھلنی سے گزرے بغیر شائع نہیں ہوسکتا تھا، ہمیں اس پر بھی تعجب ہے کہ ''ترجمہ فرمان علی'' جو کفر والحاد کا مجموعہ ہے، مارشل لا دور میں کیسے شائع ہوگیا؟

ہمارا مطالبہ ہے کہ اس ترجمہ کو فوراً ضبط کیا جائے، ''پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ''

کے ارکان اور اس کے تصحیح کنندگان کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلایا جائے، اور محکمہ اوقاف کے ان افسران کے خلاف کاروائی کی جائے جنہوں نے ایسے منافقوں اور مرتدوں کو قرآن مجید کا یہ دل آزار ترجمہ شائع کرنے کی اجازت دی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد
وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

(ماہنامہ بینات کراچی صفر ۱۴۰۷ھ)

تنبیہ الحائرین

مؤلفہ: امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیعہ مذہب کے پیروکاروں کا قرآن کریم پر نہ صرف یہ کہ ایمان نہیں ہے' بلکہ وہ قرآن کے دشمن بھی ہیں' ان کے نزدیک قرآن کریم محرف اور تحریف شدہ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اصلی قرآن' امام غائب کے پاس ہے جو ''سرمن رائی'' کی غار میں چھپا ہوا ہے اور قرب قیامت میں ان کے بارہویں امام جو امام غائب ہیں' لے کر آئیں گے۔

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی قدس سرہٗ نے شیعہ مجتہدین کو ہر جلسے' مناظرے اور مجلس میں چیلنج دیا کہ شیعہ کا قرآن پر ایمان نہیں ہے بلکہ وہ اسے تحریف شدہ مانتے ہیں' مگر صدا بر نخواست کے مصداق کسی شیعہ کو اس چیلنج کا سامنا کرنے کی جرأت و ہمت نہ ہوئی۔

پیش نظر مقالہ حضرت لکھنویؒ کی کتاب ''تنبیہ الحائرین'' کا تعارف ہے جو انہوں نے شیعہ مجتہد حائری کے رسالہ ''موعظہ قرآن'' کے رد اور جواب میں لکھی تھی۔ (سعید احمد جلال پوری)

تبصرے سے پہلے مصنفؒ کا ایک اقتباس پڑھئے:

''ہندوستان کے تمام باخبر اصحاب اس بات سے واقف ہیں کہ تقریباً بیس بائیس سال سے ''النجم'' میں نہایت کامل تحقیقات کی بنیاد پر پے در پے یہ اعلان ہو رہا ہے کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے، یہ بھی اعلان کردیا گیا کہ اگر کوئی مجتہد شیعہ اس بات کا اطمینان دلا دیں کہ شیعہ ہونے کے بعد قرآن مجید پر ایمان ہوسکے گا تو قسم ہے رب العرش کی میں اسی وقت فی الفور شیعہ ہونے کے لئے آمادہ ہوں، ان اعلانات سے سرزمین ہند کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا، مگر کسی شیعہ مجتہد کی رگ حمیت کو جنبش نہ ہوئی۔ ایڈیٹر صاحبان ''اصلاح'' و ''الشمس'' زمین و آسمان کے قلابے ملاتے تھک کر خاموش ہوگئے مگر کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا، سوائے اس کے کہ الزام اور قوی ہوگیا، جرم اور سنگین بن گیا، صاف صاف بایں الفاظ ان کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ ''یہ قرآن چند جہلائے عرب کا جمع کیا ہوا ہے اس پر اعتراض نہ ہوتو کیا ہو؟'' نعوذ باللہ منہ۔

آخر آخر میں امروہہ ضلع مرادآباد کے شیعوں کو کچھ

غیرت آئی، اور دسمبر ۱۹۲۰ء مطابق ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں ایک بڑے معرکے کا مناظرہ ہوا، اور اس میں مَیں نے یہ قیامت خیز سوال پیش کیا کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر ہے؟ یا ہوسکتا ہے؟ اور صرف سوال ہی نہیں بلکہ مذہب شیعہ کا مکمل فوٹو کھینچ کر سب کے سامنے رکھ دیا گیا کہ یہ وجوہ ہیں جن سے شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے، شیعہ مناظر یعنی صدر الافاضل مولوی سبط حسن صاحب مجتہد، جو حائری صاحب مجتہد پنجاب سے علمی قابلیت میں بدرجہا فوقیت رکھتے ہیں، اس سوال کے جواب میں چار روز تک سرگرداں و پریشان رہے، مگر ''رہ بجائے نبردند'' جیسی شکست عظیم، اعدائے قرآن کریم کو اس مناظرہ میں ہوئی سارا زمانہ جانتا ہے۔ ختم مناظرہ کے بعد ایک ہفتہ کے اندر اندر ہماری طرف سے وہ سوال مع ان وجوہ کے چھاپ کر شائع کردیا گیا اور اعلان دے دیا گیا کہ شیعوں کے قبلہ وکعبہ نے اگر کوئی جواب اس سوال کی وجوہ کا مناظرہ میں دیا ہو، یا اب اپنے علماً و مجتہدین کی متفقہ قوت سے دے سکتے ہوں تو اس کو جلد سے جلد چھاپ کر شائع کردیں، مگر اب تک کہ چوتھا سال ختم ہونے کو ہے، صدائے برنخاست۔

پھر یہی اعلان کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے، بمبئی میں دیا گیا، اور بڑے بڑے شیعہ تاجروں کے سامنے، جن کو ملک التجار کہنا چاہئے، بآواز بلند کہا

گیا کہ وہ اپنے مکان پر کسی شیعہ مجتہد کو بلالیں میں بھی بلا تکلف
آجاؤں گا، اس مسئلہ کا پورا اطمینان کرلیں، مگر کسی کو ہمت نہ
ہوئی، پھر یہی اعلان پنجاب میں اور پنجاب کے صدر مقام لاہور
میں دیا گیا، لاہور باوجودیکہ مجتہد پنجاب جناب حائری صاحب کا
مستقر ہے مگر وہاں بھی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔

واقعی یہ مسئلہ اس قابل ہے کہ اس کا جس قدر اعلان
دیا جائے کم ہے اور اس کی تحقیقات میں جتنی کوشش کی جائے بجا
ہے، کیونکہ اس مسئلہ نے مذہب شیعہ کی حقیقت بالکل بے پردہ
کردی، جب قرآن پر ایمان نہیں تو رہ کیا گیا؟ دنیا کا کوئی
بیوقوف بھی اس شخص کو، جس کا ایمان قرآن شریف پر نہ ہو،
مسلمان نہیں کہہ سکتا۔"

یہ طویل اقتباس امام اہل سنت حضرت العلاّمہ مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی (قدس سرہ) کی کتاب "تنبیہ الحائرین" کا ہے، جو شیعوں کے مجتہد پنجاب حائری صاحب کے رسالہ "موعظۂ تحریف قرآن" کے جواب میں لکھی گئی تھی، مولانا لکھنویؒ کی یہ کتاب ایک عرصہ سے نایاب تھی، فقیر راقم الحروف بھی اس کا متلاشی تھا، حال ہی میں یہ کتاب "مکتبہ فاروق اعظم چک نمبر ۵، ۱۴۔ایل، ضلع ساہیوال" سے شائع ہوئی تو اس کی قدر شناسی کا تقاضا ہوا کہ اس پر چند سطری تعارف لکھ دیا جائے۔

حضرت مولانا فاروقیؒ، ردّ رفض و بدعت میں "آیۃ من آیات اللہ" تھے، بڑے سے بڑے شیعہ مجتہد کو ان سے یارائے گفتگو نہ تھا، انہوں نے شیعہ مذہب کے ایک ایک اصول پر ایسی مدلّل، عام فہم اور متین تنقید کی کہ شیعہ مذہب کا اصل چہرہ

نقاب تقیہ سے عریاں ہوکر سب کے سامنے آ گیا۔ مولانا مرحوم کے نزدیک شیعہ مذہب کی بنیاد عداوت قرآن پر ہے، اس مذہب کے یہودی الاصل بانیوں کو قرآن کریم سے دشمنی اور بغض تھا، اور قرآن کریم پر حملہ کرنے کی بس یہی ایک صورت تھی کہ جو طبقہ قرآن کریم کا سب سے پہلے مخاطب و حامل بنا، جن کو مشیت الٰہیہ نے پوری امت کے لئے قرآن کریم کا داعی و مبلغ بنایا اور جن حضرات نے قرآن کریم براہ راست مہبط وحی ﷺ سے نقل کیا ان سب کو گمراہ و منافق ٹھہرایا جائے، مولانا لکھتے ہیں:

"ایک بات اس مقام پر غور طلب ہے وہ یہ کہ آیا ان دو باتوں میں اصل اور مقدم کون ہے؟ اور نتیجہ کون؟ آیا اس فرقہ کو اصالتاً عداوت قرآن کریم سے ہے، اور قرآن کریم کے مجروح کرنے کے لئے اس کے اول راویوں یعنی صحابہ کرامؓ پر طعن کئے گئے یا اصالتاً صحابہ کرامؓ سے عداوت ہے اور ان کی ضد میں قرآن شریف پر حملے کئے گئے اور قرآن کریم پر ایمان نہ رہا۔

راقم الحروف کی تحقیق میں اول الذکر بات صحیح ہے، کیونکہ کسی کو کسی سے عداوت ہونے کے لئے بنائے خصومت ضروری ہے، اور صحابہ کرامؓ سے بنائے خصومت کوئی بھی نہیں، انہوں نے شیعوں کو کیا نقصان پہنچایا؟ شیعوں کا تو اس وقت وجود بھی نہ تھا، ہاں قرآن شریف سے بنائے خصومت ظاہر ہے کہ جس مذہب کی بنیاد ابن سبا اور اس کی ذریت ڈال رہے تھے، قرآن شریف اس کی مزاحمت کر رہا ہے، بہرحال کچھ بھی

ہو، خواہ عداوت قرآن اصل ہو، یا عداوت صحابۂ کرامؓ، نتیجہ ایک ہے، یہ دونوں عداوتیں لازم و ملزوم ہیں، جیسا کہ اب آنکھوں سے مشاہدہ ہو رہا ہے۔'' (ص:۵)

''تنبیہ الحائرین'' کے مقدمہ میں مولانا مرحوم نے جناب حائری صاحب کے رسالہ ''تحریف قرآن'' کی تمہید کا جواب دیا ہے، جو بہت دلچسپ اور قابل دید ہے، اس کے بعد کتاب میں دو بحثیں اور خاتمہ ہے۔

پہلی بحث میں ثابت کیا ہے کہ شیعوں کا قرآن کریم پر ایمان نہیں نہ وہ اس قرآن کو، جو صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک مسلمانوں کے سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہے، قرآن سمجھتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں، نہ ان کا ایمان ہے، نہ شیعہ مذہب پر رہتے ہوئے ایمان ہوسکتا ہے، شیعوں کا یہ دعویٰ کہ وہ بھی قرآن کو کلام الٰہی مانتے ہیں اور ہر قسم کی تحریف و تبدیلی، حذف و اضافہ اور کمی بیشی سے پاک سمجھتے ہیں، محض تقیہ ہے، مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''واضح ہو کہ شیعوں کا ایمان نہ قرآن مجید پر ہوسکتا ہے نہ کسی اور موہوم فرضی قرآن پر، اور ان کے ایمان نہ ہوسکنے کی وجہ صرف عقیدۂ تحریف نہیں بلکہ بہت سی وجوہ ہیں، جن میں سے صرف وہی تین وجوہ اس وقت پیش کی جاتی ہیں جو آج سے چار برس پہلے مناظرۂ امروہہ میں پیش ہوچکی ہیں، شاید اتنے دنوں کی غور و فکر کے بعد اب حائری صاحب یا کوئی اور مجتہد شیعہ ان کا جواب دے سکیں۔'' (ص:۲۱)

پہلی وجہ مولانا مرحوم نے یہ ذکر فرمائی ہے کہ بعد کی امت کو قرآن اور دین

اسلام کی ایک ایک چیز صحابہ کرامؓ ہی کے واسطے سے ملی ہے، اور شیعہ مذہب کے مطابق:

''صحابہ کرامؓ کی جماعت ساری کی ساری جھوٹی تھی (نعوذ باللہ) اور ان میں ایک متنفس ایسا نہ تھا جو جھوٹا نہ ہو، فرق صرف اس قدر ہے کہ بخیال شیعہ اس جماعت میں دو گروہ تھے، ایک حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے ساتھیوں کا، جو بڑا گروہ تھا، ہزاروں لاکھوں آدمی اس گروہ میں تھے۔

دوسرا گروہ حضرت علی مرتضٰی اور ان کے ساتھیوں کا تھا، جس میں گنتی کے چار پانچ بیان کئے جاتے ہیں (کتاب احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران، جو مذہب شیعہ کی معتبر کتاب ہے، اس کے صفحہ:۴۸ میں ہے: "ما من الامة احد بایع مکرھًا غیر علیّ و اربعتنا." یعنی امت میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے بغیر دلی رضامندی کے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی ہو، سوا علی اور ہمارے چار اشخاص کے مراد، ابو ذر، سلمان، مقداد، عمار۔ معلوم ہوا کہ تمام امت دل و زبان سے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھی، یہ پانچ شخص جن کا ظاہر و باطن یکساں نہ تھا، زبان سے تو ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ تھے، دل کسی اور طرف تھے، یہی مضمون دوسری کتب کافی وغیرہ میں بروایات کثیرہ منقول ہے۔)، بنا بر مذہب شیعہ جھوٹے یہ دونوں گروہ تھے، مگر پہلے گروہ کے جھوٹ کا نام نفاق ہے، اور دوسرے گروہ کے جھوٹ کا نام تقیہ ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلا گروہ جھوٹ بولتا تھا، مگر جھوٹ بولنے کو عبادت نہ جانتا تھا، اور دوسرا گروہ یعنی حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ والے جھوٹ بولنے کو بہت بڑی عبادت اور بہت ضروری فرض جانتے تھے۔

نیز پہلا گروہ بخیال شیعہ مافوق الفطرت قوت اپنے اندر رکھتا تھا کہ اپنے

مختلف الطبائع اشخاص کو جن کی تعداد حد تواتر کو پہنچی ہوئی تھی، بآسانی جھوٹ پر متفق کرلیتا تھا (اس کی مثالیں بنا بر مذہب شیعہ بہت ہیں، منجملہ ان کے یہ کہ بقول شیعہ: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام غدیر میں ستر ہزار کے سامنے حضرت کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا اعلان کردیا، مگر خلفائے ثلاثہ نے اس واقعہ کو جھٹلا دیا، اور سب کو اس بات پر متفق کردیا کہ حضرتؐ نے کسی کی خلافت کا اعلان نہیں کیا، اور مثلاً: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امام نماز نہ بنایا تھا، مگر خلفائے ثلاثہ نے سب کو اس جھوٹ پر متفق اور اس کی روایت کو متواتر بنادیا۔)، حالانکہ اتنے بڑے گروہ کو جھوٹ پر متفق کرلینا فطرۃً محال ہے۔

لہٰذا شیعوں کو نہ صرف قرآن کا، بلکہ دین کی کسی چیز کا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت، دلائل نبوت وغیرہ کا کسی طرح یقین نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان کی ہر چیز صحابہ کرامؓ کے نقل و روایت سے مابعد والوں کو ملی ہے اور ظاہر ہے کہ جھوٹی اور جھوٹ پر اتفاق کرنے والوں کی نقل و روایت پر کسی طرح یقین و ایمان نہیں ہوسکتا۔" (ص:۲۱)

دوسری وجہ:

"باقرار شیعہ و مطابق روایات شیعہ یہ قرآن خلفائے ثلاثہ کے اہتمام و انتظام سے جمع ہوا اور انہی کے ذریعہ تمام عالم اسلام میں پھیلا اور اس کی کوئی قابل وثوق تصدیق ان حضرات سے، جن کو شیعہ ائمہ معصومین کہتے ہیں، شیعوں کی کتابوں میں منقول نہیں ہے اور حضرات خلفائے ثلاثہ کے متعلق شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ معاذاللہ وہ نہ صرف مخالف دین تھے، بلکہ دشمن دین تھے، لہٰذا جو چیز دین کی، دشمن دین کے ہاتھ سے ملے، جو معاذاللہ خائن بھی ہو، کاذب بھی ہو، تخریب دین کے

درپے بھی ہو، صاحب شوکت و سلطنت بھی ہو، ایسی فوق الفطرت قوت بھی رکھتا ہو — کہ جھوٹ پر سب کو متفق کر کے ایک بے بنیاد بات کو متواتر اور ایک متواتر کو بے بنیاد بنادے اور اس دشمن کے سوا کوئی دوسرا نکاس (ذریعہ حصول) بھی اس چیز کا نہ ہو، نہ کسی دوسرے معتبر ذریعہ سے اس کی تصدیق ہوئی ہو، بھلا وہ چیز قابل اعتبار ہوسکتی ہے؟ اس پر کسی سمجھدار کا ایمان ہوسکتا ہے؟ حاشا ثم حاشا، ہرگز نہیں!'' (ص:۲۲)

خلاصہ یہ کہ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت و کردار، دیانت و امانت، اور اخلاق و اعمال اور دین و ایمان کا نقشہ خدانخواستہ وہی تھا جو شیعہ مذہب پیش کرتا ہے تو قرآن کی قرآنیت ثابت ہوسکتی ہے نہ دین اسلام کی کوئی چیز کسی عاقل کے نزدیک قابل اعتبار ہوسکتی ہے۔

پس صحابہ کرامؓ پر جرح کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کوئی نہیں، نہ ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم کو آئندہ نسلوں کے لئے ایسا مشکوک اور مشتبہ کردیا جائے کہ کوئی شخص شیعہ مذہب قبول کرنے کے بعد قرآن کریم کو کتاب اللہ کی حیثیت سے قبول نہ کرسکے، یہی وجہ ہے کہ بانیان مذہب شیعہ نے بے شمار ایسی روایات تصنیف کرڈالیں جن کا مفاد یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کی بے شمار آیتیں نکال ڈالیں، بہت سی آیتیں اپنی طرف سے ملادیں، بہت سی آیات کے الفاظ وحروف تبدیل کردیے۔

تیسری وجہ:

شیعوں کی معتبر اور نہایت معتبر کتابوں میں زائد از دو ہزار روایات قرآن کریم میں پانچ قسم کی تحریف کی موجود ہیں، کمی بیشی، تبدلِ الفاظ، تبدلِ حروف، خرابی ترتیب آیات وسور وکلمات۔

اور یہ روایات ان تین اقراروں کے ساتھ ہیں: اقرار اول: علمائے شیعہ کا کہ یہ روایات کثیر اور متواتر ہیں۔ اقرار دوم: علمائے شیعہ کا کہ یہ روایات تحریف قرآن پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔ اقرار سوم: علمائے شیعہ کا کہ انہی روایات کے مطابق شیعہ تحریف قرآن کے معتقد بھی ہیں۔" (ص:۲۳)

اور یہ تیسری وجہ ہے شیعوں کے ایمان بالقرآن نہ ہونے کی، جب شیعہ مذہب کی بے شمار متواتر روایات جو بقول بانیانِ مذہب کے ائمہ معصومین سے مروی ہیں اور ان میں صراحۃً یہ رونا رویا گیا کہ قرآن کا اتنا حصہ ظالموں نے نکال دیا، اتنا حصہ اپنی طرف سے گھڑ کر ملادیا، قرآن کے الفاظ و حروف میں لاتعداد تبدیلیاں کردیں، سورتوں، آیتوں اور الفاظ تک کی ترتیب کو مسخ کر ڈالا اور پھر اس مذہب کے بڑے بڑے محققین بڑی شد و مد سے یہ عقیدہ بھی رکھتے ہوں کہ ان متواتر روایات میں قرآن کریم کی تحریف کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ عین حق وصواب ہے، کیا ان تمام امور کے بعد بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس مذہب کے ماننے والے قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے بلاکم و کاست کلام الٰہی سمجھتے ہیں؟ نہیں! ہرگز نہیں!!

اس کے بعد مولانا مرحوم نے تحریف کی پانچوں قسمیں کتب شیعہ سے ثابت کر کے علمائے شیعہ کے ان تینوں اقراروں کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے، بطور نمونہ یہاں ایک شیعہ مصنف کے ایک فقرے کا ترجمہ نقل کرتا ہوں، اصل عبارت "تنبیہ الحائرین" میں ملاحظہ فرمائیے، فصل الخطاب کے مؤلف لکھتے ہیں:

> "میرے نزدیک تحریف قرآن کی روایتیں معناً متواتر ہیں اور ان سب روایتوں کو ترک کردینے سے ہمارے تمام فن حدیث کا اعتبار جاتا رہے گا، بلکہ میرا علم یہ ہے کہ تحریف قرآن

کی روایتیں مسئلہ امامت کی روایتوں سے کم نہیں، لہٰذا اگر تحریف
قرآن کی روایتوں کا اعتبار نہ ہو تو مسئلہ امامت بھی روایتوں سے
ثابت نہ ہو سکے گا۔" (ص:۳۶)

اللہ اکبر! علامہ نوری طبرسی کے نزدیک "مسئلہ تحریف قرآن" اور "مسئلہ امامت" شیعہ روایات کے مطابق دونوں ہمسنگ ہیں، دونوں متواتر ہیں، مانو تو دونوں کو مانو، اور انکار کرو تو دونوں کا کرو۔

شیعہ مذہب میں مسئلہ امامت کی اہمیت سے اہل علم تو پہلے بھی ناآشنا نہیں تھے، مگر شیعہ مطالبات کی روشنی میں جب سے الگ شیعہ نصاب تجویز ہوا ہے اور شیعہ حضرات نے اس میں اپنا علیحدہ کلمہ "**لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ علی ولی اللّٰہ وصی رسول اللّٰہ و خلیفتہ بلا فصل**۔" درج کروایا ہے اس کی اہمیت ہر خاص و عام پر روشن ہو چکی ہے، شیعوں نے مسئلہ امامت کو کلمہ کا جز بنا کر دنیا پر یہ واضح کر دیا ہے کہ شیعوں کی کوئی چیز بھی مسلمانوں سے مشترک نہیں، حتیٰ کہ ان کا کلمہ بھی مسلمانوں سے علیحدہ ہے، نیز یہ تأثر بھی دیا ہے کہ صدر اول کے مسلمان، بشمول حضرت علی کرم اللہ وجہہ شیعہ کلمہ کے مطابق مؤمن نہیں تھے، کیونکہ خلافت راشدہ کے چالیس سالہ زریں دور میں "شیعہ کلمہ" رائج نہ تھا، اس وقت نہ شیعہ تھے نہ مسئلہ امامت تھا، بلکہ چار دانگ عالم میں مسلمانوں کا کلمہ ہی پڑھا جاتا تھا، اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ شیعہ حضرات آج تک جو مسلمانوں کا کلمہ پڑھتے رہے ہیں یہ ان کی مجبوری تھی، تقیہ تھا، کوئی ان کی سنتا اور مانتا نہیں تھا، خدا عوامی حکومت کا بھلا کرے کہ اس نے مذہب شیعہ کو نقاب تقیہ سے باہر نکلنے کا موقع دے کر ان کی مجبوری ختم کر دی، اور وہ

اپنا علیحدہ کلمہ بنا کر مسلمانوں سے الگ ہوگئے، ''خس کم جہاں پاک''۔ جس سے ثابت ہوا کہ بانیان مذہب شیعہ (ابن سبا، ابوبصیر، زراہ وغیرہ) سے لے کر آج تک جو شیعہ مسلمانوں میں شامل رہے، تو ان کی شمولیت ظاہر داری تھی، ورنہ واقعتاً وہ کبھی مسلمانوں میں شامل ہی نہیں ہوئے، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کا جو مقولہ، حضرت مولانا لکھنویؒ نے نقل کیا ہے کہ: "و بالجملة فایامهم فی الاسلام کلها سود، لم یزالوا موالین لاعداء الله و معادین لاولیائه." (یعنی اسلام میں ان کی پوری تاریخ سیاہ ہے، یہ ہمیشہ دشمنان خدا کے دوست اور دوستانِ خدا کے دشمن رہے ہیں) شیعوں نے اپنا کلمہ علیحدہ کر کے اس مقولہ کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

قدرتِ خدا کا کرشمہ دیکھو کہ قادیانیوں کو ملّت اسلامیہ سے علیحدہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو تحریک چلانا پڑی، جان و مال اور عزت و آبرو کی بے پناہ قربانیاں دینا پڑیں، مگر شیعوں کو مسلمانوں سے الگ کرنے کا نہ کسی نے مطالبہ کیا، نہ کوئی تحریک چلی، نہ اس کی ضرورت ہی کسی مسلمان نے سمجھی، خود شیعہ بزرجمہروں نے اپنے آپ یہ کارنامہ انجام دے لیا اور اپنا سارا اثاثہ تقسیم کر کے مسلمانوں سے الگ ہو بیٹھے۔

وکفی اللّٰہ المؤمنین القتال وکان اللّٰہ قویا عزیزا۔

مسلمان راہنما شیعوں کی اس علیحدگی سے غمگین ہیں اور انہیں ہونا بھی چاہئے، مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہوا تو اس کا صدمہ ہم کو نہ ہو تو اور کس کو ہو؟ لیکن جب چھوٹا بھائی اپنی ہر چیز تقسیم کر کے یکسر علیحدہ ہو جانے پر بضد ہو تو بڑا بھائی اس پر افسوس تو کر سکتا ہے، اور اسے کرنا بھی چاہئے، مگر چھوٹے بھائی کو روک تو نہیں سکتا، شیعہ بھائی اگر مسلمانوں سے الگ ہوگئے ہیں، اور انہوں نے ضد میں آ کر اپنا کلمہ بھی علیحدہ بنالیا ہے تو اس پر صدمہ تو جس قدر بھی ہو کم ہے، مگر جب کوئی جماعت از خود یہ

ضد کرے کہ اس کا مسلمانوں سے کوئی رشتہ وتعلق نہیں، اس کے اور ان کے درمیان دین کی کوئی قدر مشترک نہیں، حتیٰ کہ اس کا اور ان کا کلمہ بھی الگ الگ ہے تو اس کو کیوں روکا جائے؟ شیعوں نے جو کچھ کیا اپنی صوابدید کے مطابق کیا اور انہوں نے یہ واضح کردیا کہ ان کا کلمہ، کلمہ اسلام سے علیحدہ ہے، کلمہ اسلام مسلمانوں کو مبارک ہو، اور دین شیعہ شیعوں کو۔ ولکل وجھۃ ھو مولیھا۔

شاید کہا جائے کہ پھر شیعہ بھائی ''اسلام'' کا نام کیوں استعمال کرتے ہیں اور اپنے کو ''مسلمان'' کیوں کہتے ہیں؟ جب کہ انہوں نے اپنی ہر چیز مسلمانوں سے الگ کر لی ہے، میری گزارش یہ ہے کہ سمجھنے والوں کو غلط فہمی ہوئی ہے، شیعہ حضرات ''اسلام'' کا نام استعمال نہیں کرتے، بلکہ تقیہ کرتے ہیں، ان کے دین کے دس حصوں میں سے نو حصے صرف ''تقیہ شریف'' میں منحصر ہیں (اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ ص:۴۸۱) اور تقیہ ان کے امام معصوم کے باپ دادا کا دین ہے جو تقیہ نہ کرے وہ ایمان ہی سے خارج ہوجاتا ہے (ایضاً ص:۴۸۴) اور تقیہ کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ آدمی کا مذہب اندر سے کچھ اور ہو، مگر اوپر کا لیبل کچھ اور، ان کے امام معصوم کی تاکید ہے کہ ''تم (یعنی شیعہ صاحبان) ایک ایسے دین پر ہو کہ جو شخص اس کو چھپائے گا اللہ اسے عزت دے گا، اور جو شخص اسے ظاہر کرے گا خدا اسے ذلیل کرے گا۔'' (ایضا ص:۴۵۸) تمام حوالے تنبیہ الحائرین سے ماخوذ ہیں۔

شیعہ بے چاروں نے اپنے دین کی ایک ایک چیز ظاہر کرکے، بقول امام معصوم، خدا کی جانب سے ذلت قبول کرلی، ان کا علیحدہ کلمہ، جو صدیوں سے ان کے سینوں میں چھپا ہوا تھا، انہوں نے اس کے افشاء واظہار کی جرأت کرکے آخری ذلت بھی برداشت کرلی، اب ان کی ردائے تقیہ یکسر چاک ہوچکی ہے، صرف اس کی ایک

تار باقی ہے اور وہ ہے اسلام کا نام، اور دین شیعہ پر ''مسلمانی'' کا بورڈ۔ امید رکھنی چاہئے کہ شیعہ صاحبان جرأت سے کام لے کر اس آخری تار تقیہ کو بھی توڑ ڈالیں گے، سوچو اور غور کرو کہ شیعہ بھائی جامہ تقیہ سے نکل کر کہاں سے کہاں پہنچ گئے، کجا وہ دن تھے کہ ان کا امام اول اور ابوالائمہ (سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مراد ہیں) چالیس برس تک دین شیعہ کا ایک عمل بھی بجا نہیں لاتا تھا، بلکہ اس کی زندگی کا ایک ایک عمل اور ایک ایک حرکت و سکون، مسلمانوں کے دین کے مطابق تھا، وہ مسلمانوں کا کلمہ پڑھتا تھا، مسلمانوں کی اقتدا ٔ میں نمازیں ادا کرتا تھا، مسلمانوں کو نماز پڑھاتا تھا، مسلمانوں کی جلی خفی صحبتوں اور سرگرمیوں میں برابر کا شریک تھا، اس کی حیثیت ۳۵ سال تک اسلامی خلافت کے بلند پایہ وزیر کی تھی، اور آخری قریباً پانچ سال میں وہ مسلمانوں کا امیر تھا، الغرض اس کی ایک چیز بھی مسلمانوں سے الگ نہ تھی، نہ کلمہ، نہ نماز، نہ قرآن، نہ تعلیم، نہ نصاب تعلیم وغیرہ وغیرہ۔

اور پھر ٹھیک ٹھیک یہی حیثیت شیعوں کے باقی گیارہ معصوم اماموں کی رہی، ان کی پوری کی پوری زندگی مذہب شیعہ کے خلاف مسلمانوں کے دین پر گزری، ان کے دل مسلمانوں کے دلوں کے ساتھ دھڑکتے تھے، مسلمان ان حضرات کو اپنی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور سمجھتے تھے، وہ مسلمانوں کے ہر دینی و ملّی عمل اور ہر معاشرتی و سماجی دکھ سکھ میں برابر کے شریک تھے، گویا یک جان دو قالب کا ٹھیک ٹھیک نقشہ نظر آتا تھا، ان تمام امور کو شیعہ بھی مانتے ہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ''تقیہ'' تھا، اب دیکھو کہ اس ردائے تقیہ سے سرکتے سرکتے یہاں پہنچ گئے ہیں کہ ان کی ایک چیز بھی مسلمانوں کے ساتھ مشترک نہیں رہی، انہوں نے آہستہ آہستہ اپنا سب کچھ مسلمانوں سے علیحدہ کرلیا ہے، میں کہتا ہوں کہ شیعہ صاحبان اپنے ائمہ کے دین و

مذہب (تقیہ) کی مخالفت پر اگر اسی طرح کمربستہ رہے تو وہ وقت بہت قریب آتا ہے کہ وہ اپنے مذہب سے ''اسلام'' کا لیبل بھی از خود اتار پھینکیں گے، آج اگر وہ مسلمان کہلاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ واقعتاً امت اسلامیہ میں شامل رہنے کے دل سے خواہش مند ہیں، یہ ہوتا تو وہ اپنی ایک ایک چیز مسلمانوں سے الگ کیوں کر لیتے؟ نہیں! بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستانی اور اسلامی معاشرہ میں اسلام کے لیبل کو اتار دینے کی جرأت وہ اپنے اندر نہیں پاتے، اس لئے وہ مجبور ہیں کہ اپنے دین کو (جس کی ہر چیز انہوں نے اسلام سے جدا کر لی ہے) ''اسلام'' ہی کا نام دیں، کل انہیں ذرا بھی موقع ملا تو انشاءاللہ ''مسلمانی'' کا بورڈ بھی اتار لیں گے (ہم آج بھی شیعہ بھائیوں سے بصد منت و لجاجت عرض کرتے ہیں، ان کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں، ان کی سو سو خوشامدیں کرتے ہیں کہ خدارا علیحدگی نہ کرو، تمہارا دین و مذہب جو کچھ بھی ہو، ہوا کرے، مگر اسے امام اول اور دیگر ائمہ کی طرح تقیہ کے صندوق میں بند ہی رکھو، نہ کلمہ علیحدہ بناؤ، نہ نمازیں علیحدہ کرو، نہ نصاب تعلیم جدا کرو، بلکہ ائمہ معصومین کی طرح سب کچھ مسلمانوں کی اقتداء میں کرو، دیکھو خلافت راشدہ کا ۳۵ سالہ دور امام اول کے سامنے گزرا، مگر انہوں نے اف تک نہ کی، صبر و شکر سے تقیہ کر کے مسلمانوں کے ساتھ ہر عمل میں شریک رہے، تم امام اول سے زیادہ متقی نہیں ہو کہ تم سے آج خلافت راشدہ کا نام اور خلفائے راشدین کے کارنامے بھی برداشت نہیں ہو پاتے، اور تم نے تقیہ کے تقدس کو بٹہ لگا کر اپنا علیحدہ نصاب تعلیم اور علیحدہ کلمہ بنالیا ہے، خدارا علیحدگی سے باز رہو، افتراق نہ ڈالو، مسلمانوں سے الگ ٹکری نہ بناؤ، ورنہ اگر تم نے ہماری اس خوشامد کو قبول نہ کیا تو آئندہ کا مؤرخ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ جن لوگوں کی مسلمانوں کے ساتھ کوئی چیز بھی مشترک نہیں اور جن کے تمام

صول وفروع حتیٰ کہ کلمہ تک مسلمانوں سے علیحدہ ہے، انہیں آخر اسلام سے کیا واسطہ؟ اور مسلمانی سے کیا نسبت؟ دیکھو آج تم از خود مسلمانوں سے علیحدگی کر رہے ہو، تو وقت کی عدالت آئندہ کبھی تمہیں مسلمانوں کے کیمپ میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دے گی، مسلمانوں کا تمہاری علیحدگی سے کچھ نہیں بگڑے گا، تم خود ہی بقول امام معصوم تقیہ چھوڑ کر ذلیل وخوار ہوگے۔ من اذاعہ اذلہ اللہ)۔

بہرحال یہ بحث تو ضمناً درمیان میں آگئی، کہنا یہ چاہتا تھا کہ شیعہ عالم علامہ نوری طبرسی کے نزدیک شیعہ روایات کے مطابق انکار قرآن اور مسئلہ امامت کی حیثیت ہمسنگ ہے، شیعہ مذہب اگر قرآن کے تحریف سے پاک کرنے کا دعویٰ کرے تو علامہ طبرسی بتاتے ہیں کہ اسے ''مسئلہ امامت'' سے بھی دستکش ہونا پڑے گا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ کہتے ہیں کہ ایک مسئلہ امامت نہیں، بلکہ پورے مذہب شیعہ کی روایتی حیثیت ہی حرف غلط ثابت ہوجائے گی، اس لئے وہ تاکید کرتے ہیں کہ مذہب شیعہ کے اصول و روایات کا پابند رہتے ہوئے قرآن کریم کے صحیح وسالم رہنے کا وہم بھی کسی شیعہ کے خیال میں نہیں آنا چاہئے، گویا قرآن کا تحریف سے پاک ہونا شیعہ مذہب کی نقیض اور ضد ہے اور دو ضدیں کبھی آپس میں جمع نہیں ہوسکتیں، شیعوں کے سامنے صرف دو راستے ہیں، یا قرآن کریم کو ہر قسم کی تحریف سے پاک اور منزہ سمجھیں، اس صورت میں انہیں شیعہ مذہب کو خیرباد کہنا ہوگا یا مذہب شیعہ کو صحیح سمجھیں اس صورت میں انہیں ایمان بالقرآن کے ادعاء سے باز آنا ہوگا۔

بہرحال شیعہ مذہب میں دہ ہزار سے زائد متواتر روایتیں جس طرح قرآن کریم کی تحریف کا اعلان کر رہی ہیں، اسی طرح بارہ اماموں سے لے کر تمام علمائے شیعہ بھی یہی عقیدہ رکھتے چلے آئے ہیں، اس لئے یہ عقیدہ روایتی حیثیت ہی سے نہیں

بلکہ اعتقادی حیثیت سے بھی شیعوں میں متواتر چلا آیا ہے کہ یہ قرآن اصل قرآن نہیں بلکہ اس کا بیشتر حصہ (معاذ اللہ) تحریف شدہ ہے، لے دے کر چار شیعہ علماءؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف کے قائل نہیں تھے، شریف مرتضٰی، شیخ صدوق، ابوجعفر طوسی، ابوعلی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان، اول تو سوچنا چاہئے کہ جو مسئلہ بارہ اماموں کے دور سے متواتر چلا آیا ہو، لاکھوں شیعہ اسی عقیدے پر مرے ہوں، اس مسئلہ میں ان بے چارے چار اشخاص کا قول جن کا زمانہ اماموں سے صدیوں بعد ہوا، کیا حیثیت رکھتا ہے؟ دوسرے دیگر علمائے شیعہ نے ان چار شخصوں کے قول کو دلائل و براہین کے ساتھ رد کردیا، مثلاً شریف مرتضٰی پر رد کرتے ہوئے علامہ خلیل قزوینی نے صافی شرح کافی میں لکھا ہے:

> ''اس بات کا دعویٰ کرنا کہ قرآن یہی ہے جو مصاحف مشہورہ میں ہے، مشکل ہے۔ اور اس پر صحابہ اور اہل اسلام کے اہتمام سے، جو انہوں نے حفاظت قرآن میں کیا، استدلال کرنا نہایت کمزور ہے، بعد اس امر کے معلوم کرلینے کے کہ ابوبکر و عمر و عثمان نے کیا کیا کام کیئے۔'' (تنبیہ الحائرین ص:۴۹)
>
> ''میں کہتا ہوں کہ ''صدوق'' اپنے مذہب کے ثابت کرنے کا اتنا حریص ہے کہ جس بات میں ذرا سا بھی احتمال اپنے مذہب کی تائید کا پاتا ہے اس کو لے لیتا ہے، اور اس کے نتائج فاسدہ کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ ان نتائج کو تسلیم کرنا اس کے امکان میں نہیں جو اعتراض اس نے تحریف قرآن پر کیا ہے، بعینہٖ یہ وہی اعتراض ہے جو مخالفین ہمارے اصحاب پر حضرت علی

کی امامت پر نص جلی موجود ہونے کے متعلق کیا کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب نے ان کے اعتراض کا جواب ایسے عمدہ دلائل سے دیا ہے کہ پھر کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، مگر صدوق وغیرہ نے ایک زمانہ دراز کے بعد پھر اس اعتراض کو زندہ کر دیا، اور جو کچھ کتب امامیہ میں لکھا ہے اس سے غفلت اور فراموشی اختیار کی۔''
(تنبیہ الحائرین ص:۵۰)

اس پر مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''واقعی علامہ نوری نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اگر منکرین تحریف کی دلیل صحیح ہو اور صحابہ کرامؓ ایسے کامل ایماندار اور محافظ دین مان لئے جائیں کہ ان کی دینداری اور حفاظت دین کے بھروسہ پر قرآن میں تحریف کا ہونا محال ہو تو پھر خلافت کے معاملہ میں بھی ماننا پڑے گا کہ اگر رسول (ﷺ) نے حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو خلیفہ بنایا ہوتا تو ناممکن تھا کہ ایسے دیندار اور دین کے جانثار حکم رسولؐ کے خلاف کسی دوسرے کو خلیفہ بناتے، علی ہذا فدک اگر حضرت فاطمہؓ کا حق ہوتا تو کبھی یہ دیندار جماعت رسول کی بیٹی کی حق تلفی نہ کرتی، غرض صحابہؓ کے تمام مظالم کے افسانے بے بنیاد ہوجائیں گے، خلاصہ یہ ہوا کہ سنّی ہوجاؤ، سنّیوں کی طرح صحابہ کرامؓ کی دینداری اور تقدس کا عقیدہ رکھو اور شیعوں کی تمام روایات کو زُور و بہتان سمجھو تو قرآن پر ایمان ہوسکتا ہے، ورنہ نہیں:

مومن قرآن شدن بارفض دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں۔"
(ص:۵۰)

تیسرے، جن چار شیعہ علماء کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن کریم کو اپنی متواتر روایات کے علی الرغم تحریف سے پاک سمجھتے تھے، ان کے ہاتھ میں اصول شیعہ کے مطابق ایک بھی دلیل نہیں، مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

"مگر جب کہ زائد از دو ہزار احادیث ائمہ معصومین کی ان کے قول کے خلاف ہیں اور ان کے موافق ایک ٹوٹی پھوٹی روایت بھی نہیں اور پھر اس پر طرہ یہ کہ اگر ان کی دلیل مان لی جائے تو مذہب شیعہ فنا ہوجاتا ہے، لہٰذا ان کا یہ انکار ہرگز ہرگز از روئے مذہب شیعہ قابل اقتدا نہیں ہوسکتا نہ اس کی بناء پر شیعوں کو منکر تحریف کہنا کسی طرح صحیح ہوسکتا ہے۔" (ص:۴۳)

چوتھے، یہ چار اشخاص اپنے ائمہ کی متواتر احادیث کے علی الرغم یہ تو کہتے ہیں کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی، مگر اپنے ائمہ کی ان لاتعداد تصریحات کی کوئی تاویل نہیں کرپاتے ہیں جن میں تحریف قرآن کا افسانہ تراشا گیا ہے، لطف یہ کہ امام معصوم تو اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر قرآن میں کمی بیشی کا رونا رویا کرتے تھے، مثلاً احتجاج طبرسی، مطبوعہ ایران میں ص:۱۱۹ سے ص:۱۳۲ تک، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف جو ایک طویل روایت منسوب کی گئی ہے، مولانا مرحوم نے اس کے جستہ جستہ فقرے نقل کرنے کے بعد ان کا خلاصہ بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

"احتجاج کی اس روایت سے حسب ذیل امور معلوم

ہوتے ہیں:

اول:...... یہ کہ اس قرآن میں نبی کی توہین، قرآن جمع کرنے والوں نے بڑھائی ہے۔

دوم:...... یہ کہ قرآن مذاہب باطلہ اور مخالفین اسلام کی تائید کرتا ہے، شریعت کو مٹا رہا ہے، کفر کے ستون اس سے قائم ہوتے ہیں۔

سوم:...... اس قرآن میں ایسی عبارات بڑھائی گئی ہیں جو قابل نفرت اور خلاف فصاحت ہیں۔

چہارم:...... یہ نہیں معلوم کہ یہ بڑھائی ہوئی عبارتیں کون کون اور کہاں کہاں ہیں (گویا نعوذ باللہ پورا قرآن مشکوک۔ناقل)۔

پنجم:...... اس قرآن کے جمع کرنے والے منافق اور کفر کے ستون قائم کرنے والے اور دوستان خدا کے دشمن تھے، انہوں نے اپنی پسند وخواہش کے موافق قرآن کو جمع کیا۔"

(ص:۳۱)

اب ان معصوم اور عینی شاہدوں کے مقابلے میں ان چار شخصوں کے قول کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ جو نہ معصوم ہیں نہ عینی شاہد۔

مولانا نے دعویٰ کیا ہے اور ان کا یہ دعویٰ مبنی برصداقت ہے کہ ایک شیعہ عالم بھی قرآن پر ایمان نہیں رکھتا، نہ شیعہ مذہب پر قائم رہتے ہوئے کسی کے لئے ایمان بالقرآن ممکن ہے، جن چار اشخاص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف

قرآن کے منکر تھے یہ محض ان کا تقیہ ہے۔

مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''اب بعونہ تعالیٰ ان چاروں اشخاص کے اقوال اور ان کی حقیقت و اصلیت کا اظہار کیا جاتا ہے، واضح ہو کہ جب بانیان مذہب شیعہ عداوت قرآن کا حق ادا کر چکے، اور راویان قرآن یعنی صحابہ کرامؓ کو بھی بخیال خود خوب مجروح کر لیا، تب بھی صبر نہ آیا اور تحریف قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں حضرت علیؓ اور امام باقرؒ کے نام سے تصنیف کر کے اپنی کتابوں میں درج کر دیں، سمجھے تھے کہ اب دین اسلام مٹ چکا، مسلمان قرآن مجید کی طرف سے ضرور شک میں پڑ جائیں گے، مگر خدا کی قدرت دیکھو کہ نہ اسلام مٹا، نہ قرآن مجید میں کسی کو شک پیدا ہوا، مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں نے بھی ان روایات تحریف کو گوزشتر سے بدتر سمجھا اور ان کو بھی قرآن شریف کے محرف ہونے کا وہم پیدا نہ ہوا، مثلاً سر ولیم مورے، جو صوبہ متحدہ کے لفٹنٹ گورنر تھے، باوجود عیسائی ہونے کے اور باوجود اس کے کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کی انجیلوں کو محرف کہا جاتا ہے تو بھی وہ قرآن کو محرف نہ کہہ سکے، اور اپنی کتاب لائف آف محمد (ﷺ) میں لکھ گئے:

''یہ بالکل صحیح اور کامل قرآن ہے، اور اس میں ایک حرف کی بھی تحریف نہیں ہوئی، ہم ایک بڑی مضبوط بناء پر دعویٰ

کر سکتے ہیں کہ قرآن کی ہر آیت خالص اور غیر متغیر صورت میں ہے اور آخر کار ہم اپنی بحث کو ون ہیم صاحب کے فیصلہ پر ختم کرتے ہیں، وہ فیصلہ یہ ہے کہ: ہمارے پاس جو قرآن ہے ہم کامل طور پر اس میں ہر لفظ محمد (ﷺ) کا سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اسکے ہر لفظ کو خدا کا لفظ خیال کرتے ہیں۔"

بلکہ نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے نفرین و ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی اور واقعی اس سے بڑھ کر نمک حرامی کیا ہوگی کہ جس دین کا نام لیتے ہیں اس کی جڑ کاٹنا شروع کی، اسلام کو کیا مٹاتے خود ہی اسلام سے خارج ہوگئے، خدا کے نور کو جو شخص بجھانے کی کوشش کرتا ہے اس کو یہی پھل ملتا ہے:

چراغے را کہ ایزد بر فرو زد
ہر آں کہ پف زند ریشش بسوزد

بالآخر شریف مرتضٰی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی طرح یہ کلنک کا ٹیکہ مٹانا چاہئے، لہٰذا انہوں نے تقیہ کر کے تحریف قرآن کا انکار کردیا، مگر افسوس کہ انہوں نے ایک ایسے کام کا ارادہ کیا جس میں کامیابی محال تھی، وہ اپنے قول کی کوئی دلیل مذہب شیعہ کے اصول کے مطابق نہ پیش کر سکے، نہ اپنی تائید میں کوئی روایت ائمہ معصومین کی لا سکے، نہ روایات تحریف کا کوئی جواب دے سکے، بلکہ انکار کی دھن میں وہ باتیں لکھ گئے جو ان کے مذہب کے لئے سم قاتل تھیں، اور وہ ایسا کرنے پر

مجبور تھے، قرآن پر ایمان کا دعویٰ بغیر شیعہ مذہب کی بیخ کنی کے
ممکن ہی نہ تھا۔" (ص:۴۱)

آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے بعد کی پوری امت کے درمیان صحابہ کرامؓ ہی واسطہ ہیں، کفار نے قرآن کریم کی تکذیب کے لئے آنحضرت ﷺ سے بے اعتمادی کا راستہ اختیار کیا، اور شیعہ مذہب کے یہودی الاصل بانیوں نے جو تقیۃً مسلمان کہلاتے تھے، یہی مقصد صحابہ کرامؓ کو مجروح کر کے حاصل کرلیا، نتیجہ اس کا بھی وہی تکذیب قرآن ہی نکلا، اس لئے شیعہ مذہب کی جنگ دراصل صحابہؓ سے نہیں تھی، بلکہ قرآن کریم سے ہے، مولانا نے صحیح لکھا ہے کہ:

"خدا کی قدرت اور اس کی غیرت تو دیکھو، جو لوگ اس کے دوستوں کی مخالفت کرتے ہیں ان کو کس طرح اعلان جنگ دیتا ہے؟ بہترین انبیاءؑ ﷺ کے اصحاب کرام کے دشمنوں کو اس نے کس طرح صحابہ کرامؓ کے مقابلہ سے (ہٹا کر) اپنی مقدس کتاب کے مقابلہ میں لاکر ڈال دیا ہے، کہ ہمارے نبی (ﷺ) کے اصحاب سے تم کیا لڑتے ہو، آؤ پہلے ہم سے لڑو، ہماری کتاب کا مقابلہ کرو، اور اس کا مزہ چکھو، "و کفی اللہ المؤمنین القتال۔ اہل ایمان کی طرف سے لڑنے کو اللہ کافی ہے۔" لہٰذا اب ہم کو لازم ہے کہ شیعوں کو کسی دوسرے مسئلہ میں ہرگز ہرگز گفتگو نہ کرنے دیں، اور اس سنگین قلعہ سے ٹکرا ٹکرا کر ان کے سر پاش پاش ہوجائیں گے۔" (ص:۵)

شیعہ حضرات ایمان بالقرآن کے لاکھ دعوے کرتے پھریں، مگر جب تک وہ

قرآن کریم کے حاملین اولین پر کامل ومکمل اعتماد نہیں کرتے وہ قرآن کا قرآن ہونا بھی کسی منطق سے ثابت نہیں کر سکتے، کجا کہ ان کا دعویٰ ایمان بالقرآن لائق التفات ہو، یہی وجہ ہے کہ جن شیعہ علماء نے ازراہ تقیہ ایمان بالقرآن کا اعلان کرنا چاہا انہیں اپنے مذہب کو پامال کر کے طوعاً وکرہاً تقدس صحابہؓ کا اعتراف کرنا پڑا کہ اس کے سوا ایمان بالقرآن کا کوئی راستہ ہی نہیں، شیخ صدوق اور شریف مرتضیٰ کا قصہ آپ اجمالاً سن ہی چکے ہیں، لاہور کے سابق شیعہ مجتہد حائری صاحب کا اعتراف بھی سنئے وہ اسی ''موعظۂ تحریف قرآن'' میں فرماتے ہیں، اور کتنی بلند آہنگی سے فرماتے ہیں:

''اس مقدس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت جس میں دنیا کی کوئی کتاب اس کے مثل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی، وہ حیرت انگیز روحانی انقلاب ہے جو اس کے ذریعہ نمودار ہوا۔''

اللہ اکبر! قرآن کریم کی سب سے بڑی خصوصیت حائری صاحب کے نزدیک بھی اس کا حیرت انگیز روحانی انقلاب ہے، ایک لحہ ٹھہر کر سوچئے کہ جو قوم اس روحانی انقلاب کی منکر ہو کیا وہ اس مقدس کتاب کو واقعتاً انقلاب آفریں مانتی ہے یا مان سکتی ہے؟ اب ایک قدم آگے بڑھئے، اور پھر سوچئے کہ یہ روحانی انقلاب سب سے پہلے زمین کے کس خطے میں برپا ہوا؟ کن لوگوں میں برپا ہوا؟ اور اس روحانی انقلاب کے نتیجے میں وہ کیا سے کیا ہو گئے؟ سنئے! حائری صاحب ہی ہمیں بتاتے ہیں

''یہ بات کہ جو انقلاب اس کتاب نے پیدا کیا اس کی کوئی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، سب کو مسلّم ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام جو تمام نبیوں سے اور تمام مذہبی مصلحوں

سے بڑھ کر کامیاب ہوئے، تو یہ کامیابی اسی پاک کتاب قرآن
کے ذریعہ سے وقوع میں آئی اس کے احکام نے ہر قسم کی
خطرناک بدیوں کو جو ہزاروں سال سے جڑ پکڑے ہوئے تھیں،
جیسے بت پرستی، شراب خوری وغیرہ خس و خاشاک کی طرح
نیست و نابود کر دیا اور جزیرہ نمائے عرب میں ان کا نشان تک نہ
چھوڑا، خطرناک جنگجو قوموں کو، جن کی عداوتیں صدیوں سے چلی
آتی تھیں، ایک معتمد قوم بنا دیا، اور ایک ان پڑھ قوم کو اعلیٰ سے
اعلیٰ علوم و تہذیب کے علم بردار بنا کر ان کو دنیا کا پیشرو بنا دیا۔"

"قرآن کی تعلیم نے ان کو ایک خدا پرست، راست
باز انسانوں کی جماعت بنا کر دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا کر دیا،
اور دوسروں میں بھی انہوں نے وہی روح پھونک دی جو قرآنی
تعلیم کے مطابق خود ان کے اندر کام کر رہی تھی۔"

(تنبیہ الحائرین ص:۱۷)

سنا آپ نے قرآن کا روحانی اعجاز، اور آنحضرت ﷺ کی سب انبیاءؑ سے
سے بڑی کامیابی، جس کے طفیل حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جناب
حائری صاحب کی زبان و قلم سے ایک معتمد قوم، اعلیٰ سے اعلیٰ علوم و تہذیب کے
علمبردار، دنیا کے پیشرو، خدا پرست، راست باز انسان، ساری دنیا کے مصلح، قرآنی
تعلیم کے مطابق عمل کرنے والے، پوری دنیا میں قرآنی تعلیم کی روح پھونکنے والی
جماعت کے خطابات عنایت ہوئے، کیوں؟ اس لئے کہ اگر صحابہ کرامؓ کی یہ خصوصیات
تسلیم نہ کی جائیں بلکہ شیعہ مذہب کے مطابق معاذ اللہ ان کو منافق، خائن، ظالم فرض

کرلیا جائے تو قرآن، اسلام اور نبوت سب کچھ ختم ہوجاتا ہے، مولانا مرحوم نے حائری صاحب کے اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد ٹھیک لکھا ہے:

''حائری صاحب نے قرآن شریف کی عظمت اور اس کی عجیب وغریب تاثیرات کی بابت جو کچھ لکھا، سچ لکھا، واقعی اگر شیعوں کا عقیدہ یہی ہے تو ان کا ایمان قرآن شریف پر ہوسکتا ہے، مگر افسوس کہ شیعوں کا عقیدہ اس کے برخلاف ہے۔'' (ص:۱۹)

پھر شیعہ عقائد کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد مولانا لکھنویؒ فرماتے ہیں:

''جناب حائری صاحب! قرآن شریف پر ایمان رکھنے کا جو دعویٰ آپ نے کیا ہے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ آپ کو اہل سنت کے دامن میں پناہ لینی پڑی، صحابہ کرامؓ کے تمام بدیوں سے پاک ہونے اور اعلیٰ علوم وتہذیب کے علمبردار بن کر تمام عالم کے پیشوا ہونے، خدا پرست اور راست باز، خدا پرست اور قرآنی تعلیم کے مروج ہونے کا اقرار کرنا پڑا، کیا ان سب اقراروں کے بعد مذہب شیعہ کا نام ونشان باقی رہ گیا؟ اور کیا اب بھی اس میں شک ہے کہ کسی شیعہ کا ایمان قرآن پر نہیں، اور نہ ہوسکتا ہے، قرآن شریف پر ایمان بغیر اہل سنت کے دامن میں پناہ لیئے ہوئے نصیب نہیں ہوسکتا۔'' (ص:۲۰)

شیعہ صاحبان اگر قرآن کریم کی تحریف وتکذیب کا داغ اپنے مذہب کی پیشانی سے دھونا چاہتے ہوں تو مولانا لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ وہ تین کام کریں:

''اول:......اپنے مذہب کی دو ہزار سے زائد متواتر روایات کے غیر معتبر ہونے کی ایسی معقول وجہ بیان کریں جس سے اُن کا فن حدیث اور خصوصاً مسئلہ امامت کی روایات باطل نہ ہوجائیں۔

دوم:......اپنے ائمہ معصومین کی کوئی صحیح یا ضعیف حدیث ہی پیش کردیں کہ قرآن کریم تحریف سے پاک ہے۔

سوم:......شیعہ مجتہد یہ فتویٰ شائع کردیں کہ جو شخص قرآن پاک میں تحریف کا قائل ہو وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہے۔

جب تک وہ یہ تین کام نہیں کرتے ان کا دعویٰ ایمان بالقرآن کسی عاقل کے نزدیک لائق التفات نہیں ہوسکتا۔''

(ص:۵۱)

دوسری بحث اہل حق کے خلاف حائری صاحب کی زہرافشانیوں کا تحقیقی اور عالمانہ جواب ہے، اور خاتمہ میں مذہب شیعہ کے چالیس عقائد و مسائل کا ذکر ہے، جن سے شیعہ مذہب کی حقیقت الم نشرح ہوجاتی ہے، ''تنبیہ الحائرین'' شیعہ مذہب کے لئے تریاق ایمان اور اکسیر ہدایت ہے، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کو کرنا چاہئے۔

(ماہنامہ بینات محرم ۱۳۹۷ھ)

شیعہ عقائد کے بارے میں
عدالتی بیان

آج سے بیس اکیس سال قبل حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال نامہ کے جواب میں مشہور فرقوں کے عقائد پر نہایت غیر جانبدارانہ مگر مدلل اور دل نشین پیرایہ میں ایک تحریر سپرد قلم کی تھی جو ماہنامہ ''بینات'' رجب شعبان ۱۳۹۹ھ میں اشاعت خاص کی صورت میں شائع ہوئی، اس تحریر کو اندرون و بیرون ملک تمام مسلمانوں نے بے حد پسند کیا، خصوصاً اہل حق اکابر علمائے دیوبند نے اس کی بے حد تحسین فرمائی۔ اس کے بعد اسے ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' کے نام سے الگ کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ جس کے بحمداللہ لاکھوں نسخے پوری دنیا میں تقسیم ہو چکے ہیں، اس مقالہ کا ایک حصہ شیعہ فرقہ کے بنیادی عقائد سے متعلق تھا۔ جو ماہنامہ ''الرشید'' لاہور بابت محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تو شیعہ حضرات نے مضمون نگار حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف عدالت میں

مقدمہ کر دیا کہ مضمون نگار نے اس مضمون میں ہماری طرف غلط عقائد منسوب کرکے ہماری دل آزاری کی ہے نیز یہ کہ اس مضمون میں درج عقائد ہمارے عقائد نہیں ہیں، لہٰذا مضمون نگار کے خلاف تادیبی کاروائی کی جائے اور ماہنامہ ''الرشید'' کا محرم الحرام ۱۴۰۰ھ کا شمارہ ضبط کیا جائے، اس موقع پر حضرت شہیدؒ نے عدالت میں جواب دعویٰ کے طور پر جو مقالہ داخل کیا وہ تاحال غیر مطبوعہ تھا، مناسب معلوم ہوا کہ اسے افادہ عام کی غرض سے شائع کردیا جائے۔ (سعید احمد جلال پوری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

جناب عالی گزارش ہے کہ:

۱:...... ماہنامہ ''الرشید'' جلد ۸ شمارہ ۱ بابت محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۹ھ میں میرا جو مضمون شائع ہوا ہے وہ میرے ایک طویل خط کا ایک حصہ ہے، یہ خط کتابی شکل میں ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' کے نام سے ماہنامہ ''بینات'' کراچی بابت رجب، شعبان ۱۳۹۹ھ مطابق جون، جولائی ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔

۲:...... میرا یہ خط ایک سائل کے جواب میں تھا، جس نے یہ لکھا تھا کہ ہم چند آدمی دبئ میں رہتے ہیں، ہم آپس میں رشتہ دار ہیں مگر ہمارے درمیان مذہبی اختلاف ہے، اکثر بحث و مباحثہ کی نوبت آجاتی ہے، اب ہم نے متفقہ طور پر آپ سے (راقم الحروف سے) رجوع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ کتاب و سنت کی روشنی میں جو کچھ لکھیں گے ہم اس پر عمل کریں گے۔

۳:...... چونکہ ان حضرات نے اپنے اختلاف کے تصفیہ کے لئے مجھے حکم تسلیم کیا تھا، اور میرے فیصلے پر اعتماد کا اظہار کیا تھا، اس لئے میرا فرض تھا کہ میں اپنے علم کے مطابق کتاب وسنت کی روشنی میں جس چیز کو حق سمجھتا ہوں اس کی طرف ان حضرات کی راہنمائی کروں اور جن مسائل میں ان کے درمیان اختلاف رائے ہے ان کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر صاف صاف بیان کردوں، میری تحریر کو پڑھنے کے بعد ان کو اختیار ہے کہ اسے قبول کریں یا نہ کریں......

۴:...... مذکورہ بالا گزارشات سے واضح ہوجاتا ہے کہ میری یہ کتاب ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' مسلمانوں کے درمیان اختلاف وانتشار پیدا کرنے کے لئے نہیں، بلکہ ان کے درمیان اتحاد واتفاق پیدا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، تاکہ مسلمانوں کے سامنے صحیح راہ واضح ہوجائے اور وہ غور وفکر کے بعد اس پر متفق ہوسکیں۔

۵:...... سائلان کی جانب سے مجھ پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ میں نے شیعہ عقائد ونظریات صحیح نہیں لکھے، اور انہوں نے چیلنج کیا ہے کہ میں ان الزامات کو ثابت کرنے کے لئے شیعہ کتب عدالت میں پیش کروں، میں سائلان کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے ان مسائل کی عدالتی تحقیقات کیلئے استغاثہ کیا، اور عدالت میں شیعہ کتابیں پیش کرنے کا مطالبہ فرمایا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اس عدالتی تحقیقات سے شیعہ، سنی اختلافات کے مٹانے میں مدد ملے گی اور فریقین میں سے جو شخص غلطی پر ثابت ہو اسے اپنی غلطی کی اصلاح کا موقع ملے گا۔

۶:...... میں سائلان کے چیلنج کو بخوشی قبول کرتا ہوں، اور سائلان نے میرے مضمون کی جن عبارتوں کو نشان زد کیا ہے ان کا ثبوت شیعہ لٹریچر سے پیش کرتا ہوں۔

۷:...... میں نے لکھا تھا کہ:

''نظریاتی اختلاف کی ابتدا پہلی بار سیدنا عثمان رضی

اللہ عنہ کے آخری زمانہ خلافت میں ہوئی، اور یہی شیعہ مذہب کا
نقطۂ آغاز ہے۔''

فاضل سائلان نے میرے اس فقرہ کو تاریخ اور شیعہ عقائد کے خلاف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب مسلمانوں نے
جن کی قیادت محمد بن ابوبکر کر رہے تھے......''

اس تنقید میں سائلان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اختلافات کا ظہور ان لوگوں سے ہوا جنہوں نے محمد بن ابی بکر کی قیادت میں خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا، اور انہیں شہید کر دیا، جو حضرات شیعہ لٹریچر سے واقف ہیں انہیں علم ہے کہ محمد بن ابوبکر شیعہ تھے، چنانچہ شیعہ کی معتبر کتاب رجال کشی میں ان کا شمار شیعان علیؓ میں کیا ہے، شیعہ مذہب کے ایک بڑے عالم قاضی نوراللہ شوستری (متوفی ۱۰۱۹ھ) اپنی کتاب ''مجالس المؤمنین'' ص: ۲۷۷، مطبوعہ ایران ۱۳۷۵ھ، میں لکھتے ہیں:

''محمد بن ابی بکر بن ابی قحافۃ التیمی القرشی: مادر او اسماء بنت عمیس است کہ در اصل زوجہ حمزہ بن عبدالمطلب بود، چوں حمزہ شہید شد ابوبکر او را بعقد خود در آورد۔ و محمد در سال حجۃ الوداع از در وجود آمد۔ و چوں ابوبکر بمرد حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام او را عقد نمود۔ و محمد ربیب و پروردۂ آنحضرت بود، و شیخ ابوعمر، وکشی روایت نمود کہ در مجلس شریف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ذکر محمد بن ابی بکر میگذشت، آنحضرت براو صلوات و رحمت میفرستاد۔ وایضاً از حضرت محمد باقر علیہ السلام روایت نمودہ کہ محمد بن ابی بکر با حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام بر برأت از شیخین بیعت نمود۔''

جب قاتلین عثمانؓ کے قائد محمد بن ابی بکر شیعہ تھے تو اس سے واضح ہوا کہ اختلاف کا ظہور حضرت عثمانؓ کے آخری دور خلافت میں ہوا، اور اسی سے شیعہ مذہب کا ظہور شروع ہوا۔

۸:...... میں نے لکھا تھا کہ: ''شیعہ عقائد ونظریات کے بانی یہودی الاصل منافق تھے (عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقاء)''۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب ''رجال کشی'' میں عبداللہ بن سبا کو شیعان علی میں ذکر کرتے ہوئے مصنف نے اس کے غالیانہ عقائد بڑی تفصیل سے لکھے ہیں اور اس بحث کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے:

''و ذکر بعض اهل العلم ان عبدالله بن سبا کان یهودیا فاسلم، ووالیٰ علیا علیه السلام و کان یقول وهو علی یهودیته فی یوشع بن نون وصی موسیٰ بالغلو، فقال فی اسلامه بعد وفات رسول الله صلی الله علیه وآله فی علی علیه السلام مثل ذالک، وکان اول من اشهر القول بفرض امامة علي، واظهر البراءة من اعدائه، وکاشف مخالفیه وکفرهم، فمن هنا قال من خالف الشیعة ان اصل التشیع والرفض مأخوذ من الیهودیة.'' (ص:۱۰۱)

۹:...... میں نے شیعہ حضرات کے نظریہ امامت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ جو حیثیت عام مسلمانوں کے نزدیک ایک صاحب شریعت نبی کی ہے شیعہ حضرات کے نزدیک وہ حیثیت ''امام'' کی ہے، وہ بھی مبعوث من اللہ ہوتے ہیں، وہ بھی معصوم عن الخطا ہیں، ان کی اطاعت بھی غیر مشروط طور پر فرض ہے۔ ان پر وحی بھی نازل ہوتی ہے، اور وہ قرآن کریم کے احکام کو منسوخ یا معطل کرنے کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔ ہمارے سائلان نے اس سے بھی انکار کیا ہے۔ حالانکہ اگر شیعہ مذہب کی

کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اور مقام امامت کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ نبی اور امام میں صرف نام کا اصطلاحی فرق ہے، ورنہ دونوں کے مرتبہ و مقام میں واقعتاً کوئی فرق نہیں، میں بنظر اختصار شیعہ مذہب کی دو کتابوں ''اصول کافی'' اور ''ترجمہ مقبول'' سے صفات ائمہ کی ایک فہرست پیش کرتا ہوں ۔ اس سے مرتبہ امامت کا اندازہ کیا جاسکے گا:

۱:...... ''اماموں کے بغیر اللہ کی حجت مخلوق پر قائم نہیں ہوتی۔''
(اصول کافی ج:۱ کتاب الحجہ ص:۱۷۷)

۲:...... اماموں کی اطاعت فرض ہے۔'' (ایضاً ج:۱ ص:۱۸۵)

۳:...... ''امام اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اللہ کے گواہ ہیں۔'' (ایضاً ص:۱۹۰)

۴:...... ''امام ہی ہدایت کنندہ ہیں۔'' (ایضاً ص:۱۹۱)

۵:...... ''امام، اللہ کے ولی الامر اور اس کے علم کے خازن ہیں۔''
(ایضاً ص:۱۹۲)

۶:...... امام زمین پر اللہ کے خلیفے اور اللہ کے دروازے ہیں جن سے آیا جاتا ہے۔'' (ایضاً ص:۱۹۳)

۷:...... ''امام اللہ تعالیٰ کا نور ہیں۔'' (ایضاً ص:۱۹۴)

۸:...... ''زمین صرف اماموں کے وجود سے قائم ہے۔'' (ایضاً ص:۱۹۶)

۹:...... ''امت کے اعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اماموں پر پیش ہوتے ہیں۔''
(ایضاً ص:۲۱۹)

۱۰:...... ''امام، معدن علم، شجرۂ نبوت ہیں اور ان کے پاس فرشتوں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔'' (ایضاً ص:۲۲۱)

۱۱:...... ''اماموں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور پہلے کے تمام انبیاءؑ و اصفیاءؑ کا علم حاصل ہے۔'' (ایضاً ص:۲۲۳)

۱۲:...... ''قرآن صرف اماموں نے پورا حاصل کیا ہے، اور وہی اس کا پورا علم جانتے ہیں۔'' (ایضاً ص: ۲۲۸)

۱۳:...... ''اماموں کو اسم اعظم حاصل ہوتا ہے۔'' (ایضاً ص:۲۳۰)

۱۴:...... ''انبیاء علیہم السلام کی آیات اماموں کے پاس ہوتی ہیں۔''
(ایضاً ص:۲۳۱)

۱۵:...... ''امام ان تمام علوم کو جانتے ہیں جو فرشتوں ، نبیوں اور رسولوں کی طرف نکلے ہیں۔'' (ایضاً ص:۲۵۵)

۱۶:...... ''امام جب بھی کسی چیز کو جاننا چاہیں جان لیتے ہیں۔''
(ایضاً ص:۲۵۸)

۱۷:...... ''امام اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے۔'' (ایضاً ص: ۲۵۸)

۱۸:...... ''امام ''ماکان و مایکون'' کو جانتے ہیں اور ان پر کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہوتی۔'' (ایضاً ص:۲۶۰)

۱۹:...... ''اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حضور ﷺ کو سکھایا حضرت علیؓ کو اس کے سکھانے کا حکم دیا۔ اور حضرت علیؓ علم میں آنحضرت کے ساتھ شریک ہیں۔''
(ایضاً ص:۲۶۳)

۲۰:...... ''دین کے اختیارات اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اور اماموں کو دے رکھے ہیں۔'' (ایضاً ص:۲۶۵)

۲۱:...... ''ایک روح جو جبریل و میکائیل سے بھی عظیم تر ہے ، اور جو آنحضرت ﷺ کے سوا کسی نبی پر نازل نہیں ہوئی وہ ہمیشہ اماموں کے ساتھ رہتی ہے اور ان کو خبریں دیتی اور سیدھا رکھتی ہے۔'' (ایضاً ص:۲۷۳)

۲۳:......''امامت خدا کی طرف سے ایک عہد ہے جو ہر امام کے بعد آنے والے امام کے لئے کیا جاتا ہے۔'' (ایضاً ص:۲۷۷)

۲۴:......''امام جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد اور حکم سے کرتے ہیں، اس سے تجاوز نہیں کرتے۔'' (ایضاً ص:۲۷۹)

۲۵:......''فرشتے اماموں کے پاس آتے ہیں اور خبریں لاتے ہیں۔'' (ایضاً ص:۳۹۳)

۲۶:......''اماموں کا حکم جب ظاہر ہوجائے تو بغیر گواہی کے فیصلے کرتے ہیں۔'' (ایضاً ص: ۳۹۷)

۲۷:......''جو بات امام سے ملے وہ حق ہے اور اس کے ماسوا سب باطل ہے۔'' (ایضاً ص: ۳۹۸)

۲۸:......''اماموں کی بات کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔'' (ایضاً ص:۳۹۹)

۲۹:......''ساری زمین اماموں کی ہے، جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں۔'' (ایضاً ص:۴۰۱)

۳۰:......''بنی اسرائیل سے اماموں کے بارے میں عہد لیا گیا۔ (ترجمہ مقبول ص:۱۴)

۳۱:......''حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اماموں کے طفیل قبول ہوئی۔'' (ایضاً ص:۲۶)

۳۲:......''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اماموں کی بزرگی تسلیم کی تو ان کو امامت ملی۔'' (ایضاً ص:۲۶)

۳۳:......''امام ہی امت وسط ہیں وہی زمین پر حجت ہیں، وہی حلال و حرام سے واقف ہیں۔'' (ایضاً ص:۴۱)

۳۴:......''صرف امام ہی انسان ہیں، ان کے شیعہ صورت انسان ہیں، باقی

سب سناس (لنگور) ہیں۔" (ایضاً ص:١٧١)

٣٥:...... "خدا کی سب سے بڑی نعمت جو مخلوق کو ملی اماموں کی امامت و ولایت ہے۔" (ایضاً ص:٣١٥)

٣٦:...... "علیؓ اور اولاد علیؓ کے لئے مسجد نبوی میں عورتوں سے مقاربت حلال ہے۔" (ایضاً ص:٤٣٤)

٣٧:...... "حضرت نوح علیہ السلام کو اماموں کے طفیل غرق ہونے سے نجات ملی۔" (ایضاً ص:٤٥٠)

٣٨:...... "جس نبی نے کچھ ورثہ چھوڑا وہ سب محمدؐ و آل محمدؐ کو مل گیا۔" (ایضاً ص:٤٩٠)

٣٩:...... "حضورؐ تمام انبیائے سابقین سے افضل ہیں ان کے بعد علی کا درجہ ہے، پھر اماموں کا۔" (ایضاً ص:٥٧٢)

٤٠:...... "حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اماموں کے طفیل خوف سے امن ملا۔" (ترجمہ مقبول ص:٦٢٨)

٤١:...... "اماموں کی اطاعت رسولؐ کی طرح واجب ہے اور وہ معجزے دکھلانے پر قادر ہیں۔" (ایضاً ص:٧٧٩)

٤٢:...... "امام شفاعت بالاذن سے مستغنی ہیں۔" (ایضاً ص:٧٨٩)

٤٣:...... "روزانہ ستر ہزار فرشتے اماموں کی زیارت کو آتے ہیں۔" (ایضاً ص:٨٦٧)

٤٤:...... "حضورؐ صرف حضرت علیؓ کی عظمت اور شان جتلانے کے لئے آئے تھے۔" (ایضاً ص:٨٧١)

٤٥:...... "امام، عالم نور میں عرش کے گرد صف باندھ کر تسبیح کیا کرتے تھے، پس فرشتوں نے اماموں کی تسبیح سے تسبیح کرنا سیکھی۔" (ایضاً ص:٩٠٢)

۴۶:...... ''اماموں کی بزرگی تسلیم کرنے پر نبی اولوالعزم انبیاءؑ بنے۔''

(ایضاً ص:۱۰۰۹)

۴۷:...... ''لیلۃ القدر میں روح القدس اور کل فرشتے اماموں پر نازل ہوتے ہیں اور جو جو کچھ وہ لکھ چکے ہیں وہ سب ان حضرات کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔''

(ایضاً ص:۱۱۹۵)

۴۸:...... ''حضرت آدم علیہ السلام نے اماموں کا نہ اقرار کیا نہ انکار اس لئے وہ اولوالعزم نہ ہوئے۔''

(ایضاً ص:۶۳۷)

۴۹:...... ''خداتعالیٰ نے اماموں کی ولایت پانیوں پر پیش کی جس نے قبول کرلی وہ میٹھا ہوگیا، جس نے نہیں کی وہ کڑوا ہوگیا۔''

(ایضاً ص:۷۲۵)

۵۰:...... ''حضورؐ بھی رجعت فرمائیں گے، حضرت علی بھی اور ائمہ معصومین بھی۔''

(ص:۷۸۸)

ان پچاس صفات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوجائے گا کہ حضرات شیعہ کے نزدیک ائمہ معصومین کا مرتبہ کیا ہے؟ ان کو اگر کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ہے تو ظاہر ہے کہ بغیر اطلاع خداوندی کے نہیں ہوسکتا۔ اور اطلاع خداوندی کا نام وحی ہے، اصول کافی کتاب الحجۃ باب مولد النبی ﷺ میں ہے:

''عن محمد بن سنان قال کنت عند ابی جعفر الثاني علیه السلام فاجریت اختلاف الشیعة، فقال یا محمد: ان الله تعالیٰ لم یزل متفردا بوحدانیته ثم خلق محمدا وعلیا وفاطمة فمکثوا الف دهر ثم خلق جمیع الاشیاء، فاشهدهم خلقها واجری طاعتهم علیها، وفوض امورها الیهم، فهم یحلون مایشاؤون ویحرمون مایشاؤون، ولن یشاؤوا الا ان یشاء الله تبارک

وتعالیٰ۔" (ج:۱ ص:۴۴۱)

ترجمہ: "محمد بن سنان کہتے ہیں کہ میں ابوجعفر ثانی حضرت محمد تقی کے پاس بیٹھا تھا کہ میں نے شیعوں کے اختلاف کا ذکر چھیڑ دیا، آپ نے فرمایا: اے محمد! اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی وحدانیت میں اکیلے تھے، پس محمد، علی اور فاطمہ کو پیدا کیا، پس وہ ہزار زمانہ ٹھہرے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمام چیزیں پیدا فرمائیں، اور ان حضرات کو سب کی تخلیق پر گواہ بنایا، پھر ساری مخلوقات پر ان کی اطاعت کا حکم جاری فرمایا۔ اور کائنات کے امور ان کے سپرد فرمائے۔ پس وہ جس چیز کو چاہیں حلال کردیں، اور جس چیز کو چاہیں حرام کردیں، اور وہ نہیں چاہتے، مگر وہی جو اللہ چاہتے ہیں۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کائنات کے سارے امور اماموں کے سپرد ہیں، انہیں تحلیل وتحریم کے اختیارات بھی حاصل ہیں، مگر یہ اختیارات، مشیت الٰہی کے تابع ہیں، حق تعالیٰ شانہ انہیں اپنی مشیت سے آگاہ فرمائیں گے تب وہ کسی چیز کو حلال یا حرام کرسکتے ہیں اور یہ کام وحی کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے عقیدۂ امامت بغیر عقیدۂ وحی کے ممکن نہیں۔

۱۰:...... میں نے لکھا تھا کہ شیعہ مذہب کا نظریۂ امامت فطری طور پر غلط تھا، یہی وجہ ہے کہ شیعہ مذہب بھی اس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکا، بلکہ اس نے اماموں کا سلسلہ بارہویں امام پر ختم کرکے اسے ۲۶۰ھ میں کسی نامعلوم غار میں ہمیشہ کے لئے غائب کردیا۔ آج ان کو ساڑھے گیارہ صدیاں گزرتی ہیں مگر کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ بارہویں امام کہاں ہیں؟ اور کس حالت میں ہیں؟"۔

سائلان نے اس پر صرف اتنی تنقید کافی سمجھی ہے کہ "یہ تحریر کرکے واضح

منافرت کا ارتکاب کیا ہے۔" حالانکہ میں نے اس کی جو عقلی دلیل بیان کی تھی اگر اس پر بہ نظر انصاف غور فرمایا جاتا تو معلوم ہوسکتا تھا کہ اس فقرہ میں کسی منافرت کا ارتکاب نہیں کیا گیا، بلکہ عقیدہ امامت کو عقل ونقل کی کسوٹی پر جانچنے کی مخلصانہ کوشش کی گئی ہے، اگر میرے استدلال میں کوئی سقم تھا تو فاضل مدعیان اس کی نشاندہی فرماسکتے تھے۔

۱۱:...... میں نے لکھا تھا کہ "شیعہ مذہب جن اکابر کو امام معصوم کہتا ہے انہوں نے نہ کبھی امامت کا دعویٰ کیا، نہ مخلوق خدا کو اپنی اطاعت کی عام دعوت دی، بلکہ وہ سب کے سب اہل سنت کے اکابر اور مسلمانوں کی آنکھوں کا نور تھے، ان کا دین و مذہب، ان کا طور وطریق اور ان کی عبادت کبھی شیعوں کے اصول وعقائد کے اصول و عقائد کے مطابق نہیں ہوئی، بلکہ وہ سب صحابہؓ وتابعینؒ کے طریقہ پر تھے، وہی دین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے اور جس پر ساری دنیا کے مسلمان عمل پیرا تھے، یہ اکابر بھی ساری دنیا کے سامنے اسی پر عمل کرتے تھے۔"

فاضل سائلان کو میرے اس فقرے سے بھی ناگواری ہوئی ہے، حالانکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ان کے ساتھ معاشرتی تعلق رکھتے تھے، اور انہوں نے حضرات خلفائے ثلٰثہ کے مقابلہ میں کبھی خلافت و امامت کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ تمام امور میں ان کے مشیر و وزیر رہے، حضرت سبط اکبر امام حسن رضی اللہ عنہ کا واقعہ کس کو معلوم نہیں کہ انہوں نے خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی تھی، بعد کے تمام اکابر بھی عام مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے۔ کبھی کسی نے نہ خلافت و امامت کا دعویٰ کیا، نہ لوگوں کو برملا دعوت دی، مجھے حیرت ہے کہ اتحاد و اتفاق کا جو نقشہ ان بزرگوں نے پیش کیا آج ہمارے شیعہ بھائیوں کو اس کا ذکر بھی ناگوار ہے۔

۱۲:...... میرے محترم دوستوں کو اس بات سے بھی ناگواری ہوئی ہے کہ

شیعوں کا ایمان موجودہ قرآن حکیم پر نہیں، اور یہ کہ ''اصلی تے وڈا قرآن بارہویں امام کے ساتھ کسی نامعلوم غار میں دفن ہے۔'' میں محترم سائلان سے معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ میں نے ان پر یہ کوئی ناجائز الزام نہیں لگایا، بلکہ ان کی معتبر اور مستند کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اسی کی ترجمانی کی ہے۔ اس سلسلہ میں بطور نمونہ دو چار شہادتیں پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں:

۱:...... اصول کافی کتاب فضل القرآن ج:۲ ص:۶۳۳ میں سالم بن مسلمہ سے روایت ہے:

”قرأ رجل علی ابی عبد الله علیه السلام وانا استمع حروفا من القرآن لیس علی ما یقرأها الناس. فقال ابو عبد الله علیه السلام: کف عن هذه القرأة، اقرأ کما یقرأ الناس حتی یقوم القائم، فاذا قام القائم علیه السلام قرأ کتاب الله عزوجل علی حده، واخرج المصحف الذی کتبه علی علیه السلام. وقال اخرجه علی علیه السلام الی الناس حین فرغ منه وکتبه فقال لهم هذا کتاب الله عز و جل کما انزله (الله) علی محمد صلی الله علیه وآله، وقد جمعته من اللوحین، فقالوا هوذا عندنا مصحف جامع فیه القرآن لاحاجة لنا فیه، فقال: اما والله ماترونه بعد یومکم هذا ابدا، انما کان عليّ ان اخبرکم حین جمعته لتقرءوه.“

ترجمہ:...... ''سالم بن مسلمہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؒ کے سامنے قرآن کریم کے چند حروف عام مسلمانوں کے خلاف پڑھے، آپ نے فرمایا کہ: اس قرأت

سے باز رہو، اسی طرح پڑھو جس طرح عام مسلمان پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ امام مہدی ظاہر ہوں، وہ جب ظاہر ہوں گے تو کتاب اللہ کو ٹھیک اس کی حد کے مطابق پڑھیں گے، اور وہ مصحف نکالیں گے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا، حضرت علیؓ جب اس کو لکھ کر فارغ ہوئے تھے تو اس کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے فرمایا تھا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے جیسی کہ محمد ﷺ پر نازل کی گئی تھی۔ میں نے اس کو لوحین سے جمع کیا ہے، لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس مصحف موجود ہے جس میں قرآن کریم جمع ہے، ہمیں آپ کے مصحف کی ضرورت نہیں، آپ نے فرمایا، سنو: اللہ کی قسم تم اس کو آج کے بعد کبھی نہ دیکھو گے، یہ میرا فرض تھا کہ جب میں نے اسے جمع کیا تو تم کو اس کی خبر دیتا، تاکہ تم اسے پڑھتے۔“

۲:...... اصول کافی کتاب فضل القرآن ج:۲ ص:۶۳۴ میں روایت ہے:

”عن هشام بن سالم عن ابی عبد الله عليه السلام قال: ان القرآن الذی جاء به جبرئيل عليه السلام الى محمد صلى الله عليه وآله سبعة عشر الف آية.“

ترجمہ:...... ”ہشام بن سالم امام جعفر صادق کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو قرآن جبرئیل علیہ السلام، محمد ﷺ کی طرف لائے تھے اس کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔“

۳:...... شیعہ مذہب کے ایک بہت بڑے عالم و مجدد ملا باقر مجلسی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”ولا يخفى ان هذا الخبر وكثير من الاخبار الصحيحة صريحة فى نقص القرآن وتغييره، وعندى ان الاخبار فى هذا الباب متواترة معنى، وطرح جميعها يوجب رفع الاعتماد رأساً، بل ظنى ان الاخبار فى هذا الباب لا يقصر عن اخبار الامامة، فكيف يثبتونها بالخبر؟“ (مرأة العقول ج:۲ ص:۵۳۶ مطبوعہ اصفہان)

ترجمہ:......”اور مخفی نہ رہے کہ یہ حدیث اور دوسری بہت سی احادیث صحیح قرآن میں کمی اور تغیر و تبدل ہونے میں صریح ہیں اور میرے نزدیک تحریف قرآن کی احادیث معنی متواتر ہیں، ان تمام کو چھوڑ دینا سرے سے احادیث پر اعتماد ہی کو ختم کردیتا ہے، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ تحریف قرآن کی احادیث، مسئلہ امامت کی احادیث سے کسی طرح کم نہیں، اب اگر روایات تحریف پر اعتماد نہ کیا جائے تو احادیث سے مسئلہ امامت کیسے ثابت ہوگا؟“

۴:......احتجاج طبرسی (مؤلفہ شیخ ابومنصور احمد بن علی طبرسی) شیعہ مذہب کی مشہور کتاب ہے، اس میں لکھتے ہیں:

”ان عليا جاءنا بالقرآن وفيه فضائح المهاجرين والانصار وقد رائينا ان نؤلف القرآن ونسقط منه ماكان فيه فضيحة وهتک للمهاجرين والانصار فاجابه زيد.“ (ص:۷۸)

ترجمہ:......”(حضرت عمرؓ نے کہا کہ) حضرت علیؓ ہمارے پاس قرآن لائے تھے اور اس میں مہاجرین وانصار کے

عیوب تھے، ہماری رائے ہے کہ ہم قرآن جمع کریں اور عیوب کو ساقط کر دیں جو علیؓ کے قرآن میں ہیں، زید نے اس کو منظور کرلیا۔“

۵:......شیعہ مذہب کی مشہور تفسیر ”الصافی“ کے مقدمہ سادسہ کا عنوان ہے چند روایات جو جمع قرآن اور اس کی تحریف اور اس کی کمی بیشی کے بارے میں وارد ہیں اور اس کی تاویل۔“اس میں مصنف تحریف قرآن کی بہت سے روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”اقول: المستفاد من جميع هذه الاخبار وغيرها من الروايات من طريق اهل البيت عليهم السلام ان القرآن الذى بين اظهرنا ليس بتمامه كما انزل على محمد صلى الله عليه وآله، بل منه ماهو خلاف ما انزل الله، ومنه ما هو مغير محرف، وانه قد حذف عنه اشياء كثيرة.“ (ج:۱ ص:۳۲)

ترجمہ:......”میں کہتا ہوں کہ ان تمام احادیث سے اور اس قسم کی اور روایات سے، جو اہل بیت سے مروی ہیں، جو چیز حاصل ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ موجودہ قرآن پورا پورا وہ قرآن نہیں جو محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ بلکہ اس کا کچھ حصہ ما انزل اللہ کے خلاف ہے، اور کچھ محرف و مبدل ہے، اور اس میں سے بہت سی چیزیں نکال دی گئی ہیں۔“

۶:......آگے چل کر لکھتے ہیں:

”واما اعتقاد مشائخنا فى ذالک، فالظاهر من ثقة الاسلام محمد بن يعقوب الكلينى طاب ثراه انه

كان يعتقد التحريف والنقصان في القرآن، لانه كان روىٰ روايات في هذا المعنى في كتابه الكافي ولم يتعرض لقدح فيها، مع انه ذكر في اول الكتاب انه كان يثق بما رواه فيه، وكك استاذه علي بن ابراهيم القمي، فان تفسيره مملوء منه، وله غلو فيه، وكك الشيخ احمد بن ابي طالب الطبرسي، فانه ايضًا نسج على منوالهما في كتاب الاحتجاج، واما الشيخ ابو علي الطبرسي فانه قال في مجمع البيان، اما الزيادة فيه فمجمع على بطلانه، واما النقصان فيه فقد روى جماعة من اصحابنا وقوم من الحشوية العامة ان في القرآن تغييرًا ونقصانًا، والصحيح من مذهب اصحابنا خلاف هو الذي نصره المرتضى واستوفى الكلام فيه غاية الاستيفاء۔" (ج:۲ ص:۳۴)

ترجمہ:...... "رہا ہمارے مشائخ کا عقیدہ؟ تو ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب الکلینیؒ کے طرز سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تحریف وتبدیلِ قرآن کا عقیدہ رکھتے تھے، کیوں کہ انہوں نے اپنی کتاب "الکافی" میں اس مضمون کی بہت سی روایات نقل کی ہیں اور ان میں کوئی جرح نہیں کی، جب کہ وہ آغاز کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ وہ اس کتاب کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں، اسی طرح کلینی کے استاذ علی بن ابراہیم قمی بھی تحریف کا عقیدہ رکھتے تھے، چنانچہ ان کی تفسیر اس سے بھری پڑی ہے اور انہیں اس بارے میں غلو ہے، اسی طرح شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی

بھی تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ کتاب احتجاج میں اسی طرز پر چلے ہیں، لیکن شیخ ابوعلی طبرسی ''مجمع البیان'' میں فرماتے ہیں کہ قرآن میں زیادتی کے غلط ہونے پر تو اجماع ہے، باقی رہی قرآن میں کمی؟ تو ہمارے اصحاب کی ایک جماعت اور حشویہ عامہ کی ایک جماعت روایت کرتی ہے کہ قرآن میں تبدیلی اور کمی ہوئی ہے، اور ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے، سید مرتضیٰ نے اس کی تائید کی ہے، اور اس پر بھرپور کلام کیا ہے۔''

اس کے بعد مصنف تفسیر صافی نے قرآن کے صحیح سالم محفوظ ہونے پر سید مرتضیٰ کی دلیل پیش کر کے اسے رد کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی حفاظت کا سامان جہاں مومنین کی طرف سے بہت کچھ تھا وہاں منافقوں اور وصیت کے تبدیل کرنے والوں کی طرف سے اس کی تحریف وتبدیلی کا سامان اس سے بڑھ کر تھا، اور قرآن کا حفظ اور ضبط شدید تحریف کے بعد ہوا، پھر تحریف اصل قرآن میں نہیں ہوئی، وہ تو ائمہ کے پاس محفوظ ہے، محرف قرآن تو وہ ہے جو تبدیل کرنے والوں نے اپنے پیرؤوں کے سامنے ظاہر کیا۔

شیعہ اکابر کی بے شمار عبارتوں میں سے یہاں چند عبارتوں پر اکتفا کرتا ہوں، ان تصریحات سے مندرجہ ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

الف:...... شیعہ حضرات دو ہزار روایات ائمہ معصومین کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ موجودہ قرآن اصل قرآن نہیں، اصل قرآن وہ تھا جو حضرت علی نے جمع کیا تھا۔ جس کی سترہ ہزار آیتیں تھیں، وہ قرآن صحابہؓ نے قبول نہیں کیا، وہ ائمہ کے پاس محفوظ رہا، اب امام غائب کے پاس ہے، اور جب تک ان کا ظہور نہیں ہوتا دنیا اس کی زیارت سے محروم رہے گی۔

ب:...... یہ روایات جو تحریف قرآن کے سلسلہ میں معصوم اماموں سے مروی ہیں معناً متواتر ہیں اور ان کا تواتر روایات امامت کے تواتر سے کسی طرح کم نہیں، اگر ان روایات سے قرآن کی تحریف ثابت نہیں ہوتی تو مسئلہ امامت بھی ثابت نہیں ہوتا، بلکہ پھر سرے سے ائمہ معصومین کی طرف منسوب کی گئی روایات ہی نا قابل اعتماد ثابت ہوتی ہیں جو شیعہ مذہب کی بنیاد و اساس ہیں۔

ج:...... چونکہ ائمہ معصومین سے تواتر کے ساتھ تحریف قرآن ثابت ہے اور ان کے مقابل ایک روایت بھی امام معصوم کی نہیں جس کا مفاد یہ ہو کہ قرآن میں کبھی کوئی تحریف اور تبدیلی نہیں ہوئی اس لئے تمام متقدمین شیعہ تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے تھے، مثلاً ثقۃ الاسلام شیخ کلینی، ان کے شیخ قمی، شیخ احمد طبرسی وغیرہ، شیعہ علماً میں چار بزرگوں نے تحریف کا انکار کیا ہے، مگر انکے ہاتھ ائمہ معصومین کی کوئی روایت نہیں اس لئے شیعہ علماً نے ان کے استدلال کو رد کیا ہے، غالباً اپنے ائمہ معصومین کے ارشاد کے خلاف ان بزرگوں کا عقیدہ تقیہ پر مبنی ہوگا، ورنہ ائمہ معصومین کے خلاف صدق دل سے کوئی عقیدہ رکھتا ہے؟

۷:...... شیعہ مذہب کی معتبر کتاب احتجاج طبرسی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک زندیق کا ایک طویل مکالمہ مذکور ہے، جس کا کچھ حصہ تفسیر صافی کے مقدمہ سادسہ میں بھی نقل کیا گیا ہے، وہ زندیق قرآن کریم پر اعتراضات کرتا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ اعتراضات اس وجہ سے پیدا ہوئے کہ منافقوں نے قرآن کریم میں تحریف کرڈالی، اور قرآن کریم میں ایسے مضامین بھر دئے جن سے ان کے کفر کے ستون قائم ہوسکیں:

> "ثم دفعهم الاضطرار بورود المسائل عما لا يعلمون تاويله الى جمعه وتاليفه وتضمينه من تلقائهم ما يقيمون به دعائم كفرهم." (تفسیر صافی ج:۱ ص:۳۰)

ترجمہ:......"پھر جب ان کے سامنے ایسے مسائل آئے جن کی تاویل کو وہ نہیں جانتے تھے تو یہ لوگ قرآن کی جمع و تالیف پر مجبور ہوئے، اور انہوں نے قرآن میں اپنی طرف سے ایسے مضامین بھر دیے جن سے وہ کفر کے ستونوں کو قائم کرسکیں۔"

۸:......اسی مکالمہ کے آخر میں حضرت علیؓ اس زندیق کو فرماتے ہیں:

"ولو علم المنافقون لعنهم الله ماعليهم من ترک هذه الايات التی بينت لک تاويلها لا سقطوا مع مااسقطوا منه." (ج:۱ ص:۳۱)

ترجمہ:"جو آیات منافقوں نے قرآن مجید میں رہنے دی ہیں جن کی تاویل میں تیرے سامنے بیان کرچکا ہوں، اگر ان لوگوں کو علم ہوتا کہ یہ آیات بھی ان کے خلاف ہیں تو جہاں قرآن کی باقی آیات کو انہوں نے ساقط کردیا تھا وہاں ان کو بھی حذف کردیتے۔"

۹:......اسی مکالمہ میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صرف ایک مقام سے تہائی قرآن حذف کردیا گیا۔

"یعنی سورۂ نساء کی آیت **"وان خفتم الاتقسطوا فی الیتٰمیٰ فانکحوا ماطاب لکم من النساء"** میں **"الیتٰمی"** اور **"فانکحوا"** کے درمیان سے تہائی قرآن اڑا دیا گیا، جس کی وجہ سے مضمون گڑبڑ ہوگیا۔" (ص:۳۱)

۱۰:......اسی مکالمہ کے آخر میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

"ولو شرحت لک کل ما اسقط وحرف

وبدل مما یجری هذا المجری لطال وظهر ما تحظر التقیة اظهاره من مناقب الاولیاء ومثالب الاعداء۔“

(ص:۳۲)

ترجمہ: ”اولیا کے جو مناقب اور دشمنوں کے جو عیوب قرآن سے نکال دیے گئے ہیں اور قرآن میں جو جو تحریفیں اور تبدیلیاں کی گئی ہیں اگر ان سب امور کی تشریح کروں تو بات بہت لمبی ہوجائے گی، اور وہ بات ظاہر ہوجائے گی جس کا اظہار سے تقیہ مانع ہے۔“

میں نے شیعہ کتب کے بے شمار حوالوں میں سے یہاں صرف دس حوالے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، جن سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

الف:...... شیعہ لٹریچر کے مطابق ائمہ معصومین کا عقیدہ یہ تھا کہ موجودہ قرآن اصل قرآن نہیں، اصل قرآن امام غائب کے پاس محفوظ ہے، موجودہ قرآن تحریف شدہ ہے، اور منافقوں نے اس میں کمی بیشی اور ادل بدل کردی ہے، اور یہ کہ موجودہ قرآن سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہیں۔

ب:...... تحریف قرآن پر ائمہ معصومین کے ارشادات متواتر ہیں اور ان کا تواتر مسئلہ امامت کی روایات سے کسی طرح کم نہیں، اب اگر ان متواتر اقوال سے قرآن کی تحریف ثابت نہیں ہوتی تو شیعہ مذہب کا مسئلہ امامت بھی ثابت نہیں ہوسکتا؟ بلکہ شیعہ روایات سے یکسر اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

ج:...... متقدمین شیعہ اپنے ائمہ معصومین کے عقیدے کے مطابق یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ موجودہ قرآن منافقوں کا جمع کیا ہوا ہے، یہ اصل قرآن نہیں، بلکہ اصل قرآن امام غائب کے پاس ہے، جو حضرت علی نے جمع کیا تھا، اور جس کی زیارت کسی شیعہ کو آج تک نصیب نہیں ہوئی۔

د:...... صاحب تفسیر صافی نے صرف چار شیعہ علماء کا قول نقل کیا ہے کہ وہ موجودہ قرآن کو صحیح سمجھتے تھے اور اس پر ایمان رکھتے تھے وہ چار حضرات یہ ہیں:

۱: شیخ ابوعلی طبرسی صاحب مجمع البیان۔

۲: شیخ سید مرتضیٰ۔

۳: شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی۔

۴: شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی۔ (تفسیر صافی ج:۱ ص:۳۴ تا ۳۸)

لیکن ان صاحبوں نے اپنے عقیدے پر ائمہ معصومین کی کوئی روایت پیش نہیں کی بلکہ قرآن کریم کے صحیح ہونے پر انہوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد تمام مسلمان قرآن پڑھتے اور حفظ کرتے تھے، صحابہ کرامؓ نے حفاظت قرآن کے لئے خاص اہتمام کئے تھے، یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسی متواتر کتاب میں تحریف ہوجائے؟ لیکن علمائے شیعہ نے اس استدلال کو یہ کہہ کر رد کردیا ہے، کہ صحابہؓ تو سب کے سب سوائے معدودے چند آدمیوں کے دین سے منحرف ہوگئے تھے، وہی قرآن میں تحریف کے مرتکب ہوئے، اور حفظ وغیرہ کا اہتمام تحریف ہوچکنے کے بعد شروع ہوا۔ (دیکھئے تفسیر صافی ج:۱ ص:۳۵)

ان چار صاحبوں کا عقیدہ چونکہ ائمہ معصومین کے عقیدہ کے خلاف ہے اس لئے کوئی شیعہ ان کی تقلید نہیں کرسکتا، اور چونکہ یہ بزرگ بھی ائمہ معصومین کے خلاف عقیدہ نہیں رکھ سکتے تھے، اس لئے ان کا ایمان بالقرآن کا دعویٰ بھی تقیہ پر محمول ہے، یعنی عقیدہ تو ان کا بھی وہی تھا جو ائمہ معصومین کے متواتر ارشادات سے ثابت ہے، مگر محض ظاہر داری کے طور پر یہ حضرات موجودہ قرآن کے اصل قرآن ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور ان حضرات کا یہ کہنا کہ ''ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہی ہے'' اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ عقیدہ تو ائمہ معصومین کی تعلیم کے مطابق تحریف قرآن کا رکھو، مگر ظاہر داری کے طور پر تقیہ کرتے ہوئے یہ اعلان بھی کرتے رہو کہ ہم موجودہ قرآن

کو اصل قرآن سمجھتے ہیں، کیونکہ تقیہ شیعہ مذہب کا رکن اعظم ہے، اور دین کے نو حصے صرف تقیہ میں ہیں۔ (الشافی ترجمہ اصول کافی باب:۷۹ ص:۲۴۰)

۱۳:...... مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی تھی جو شیعہ کتب میں نہ ہو، سائلان کا یہ دعویٰ کہ وہ موجودہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اصل قرآن امام غائب کے پاس نہیں مانتے یہ دعویٰ بھی تقیہ کی بنا پر ہوسکتا ہے، ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے ائمہ معصومین کے دوہزار سے زائد ارشادات سے انحراف کریں اور پھر شیعہ بھی رہیں، بہرحال اگر ان کا یہ دعویٰ تقیہ پر مبنی نہیں تو عدالت میں لکھ کر دیدیں کہ وہ ان تمام لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں جو تحریف قرآن کے قائل تھے یا ہیں اور اس تمام لٹریچر کو بھی غلط اور لائق ضبط سمجھتے ہیں جن میں تحریف قرآن کا نظریہ درج کیا گیا ہے۔ اگر سائلان ایسی تحریر لکھ دیں تو میں عام رسالوں اور اخباروں میں شائع کردوں گا کہ میں نے موجودہ شیعوں کی طرف تحریف قرآن کا جو عقیدہ منسوب کیا وہ غلط تھا، شیعہ حضرات اب تحریف قرآن کے قائل نہیں بلکہ وہ ایسے لوگوں سے بری اور بیزار ہیں جو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہوں، یا رکھتے تھے۔

۱۴:......شاید خیال ہو کہ متقدمین شیعہ تو تحریف قرآن کے قائل ہوں گے۔ اور اپنے ائمہ معصومین کی ہدایت وتعلیم کے مطابق اصل قرآن کو امام غائب کے پاس مانتے ہوں گے، مگر موجودہ زمانے کے شیعوں نے اپنا عقیدہ عام مسلمانوں کے مطابق بنالیا ہوگا، مگر یہ خیال صحیح نہیں، بلکہ موجودہ دور کے شیعہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ موجودہ قرآن محرف ومبدل ہے، اصل قرآن امام غائب کے ساتھ پوشیدہ ہے، جب وہ ظاہر ہوں گے تو اصل قرآن بھی ظاہر ہوگا، اس کے لئے میں حکیم مقبول احمد صاحب دہلوی کے ترجمہ سے صرف ایک شہادت پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں۔ کیوں کہ یہ ترجمہ موجودہ دور کے شیعہ حضرات کا مسلمہ ہے۔ اور اس پر موجودہ دور کے مندرجہ ذیل بڑے بڑے مجتہدین کی تصدیقیں ثبت ہیں:

۱:......مجتہد العصر و الزمان سید نجم الحسن صاحب

۲:......مجتہد العصر و الزمان سید طہور حسین صاحب

۳:......مجتہد العصر و الزمان سید یوسف حسین صاحب

۴:......مجتہد العصر جناب سید سبط نبی صاحب

۵:......مجتہد العصر و الزمان سید محمد باقر صاحب رضوی

۶:......مجتہد العصر سید محمد ہادی رضوی صاحب

۷:......سرکار شریعت مدار سید آقا حسن صاحب

۸:......مجتہد العصر و الزمان سید ناصر حسین صاحب

۹:......مجتہد العصر و الزمان سید علی الحائری صاحب

۱۰:......مجتہد اعظم ہندو پاک سید احمد علی صاحب

۱۱:......مجتہد العصر سید کلب حسین صاحب

۱۲:......شمس الواعظین، خطیب سید محمد دہلوی صاحب

یہ وہ مجتہدین ہیں جنہوں نے ترجمہ مقبول کو ائمہ اہل بیت کی تفسیر کے مطابق قرار دیا ہے، حکیم سید مقبول احمد صاحب بارہویں پارے کے آخری رکوع کی آیت ''فیہ یغاث الناس و فیہ یعصرون'' پر تفسیری نوٹ لکھتے ہیں:

''تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے یہ آیت یوں تلاوت کی ''ثم یاتی من بعد ذالک عام فیہ یغاث الناس وفیہ یعصرون.'' یعنی یعصرون کو معروف پڑھا (جیسا کہ آپ موجودہ قرآن شریف میں دیکھتے ہیں) حضرت نے فرمایا وائے ہو تجھ پر: وہ کیا نچوڑیں گے، آیا خمر نچوڑیں گے، اس شخص نے عرض کی یا امیر المؤمنین پھر میں

اسے کیوں کر پڑھوں، فرمایا، خدانے تو یوں نازل فرمائی ہے:
"ثم یاتی من بعد ذالک عام فیه یغاث الناس وفیه یعصرون." یعنی یعصرون کو مجہول بتلایا جس کے معنی ہیں یہ فرمایا کہ ان کو بادلوں سے پانی بکثرت دیا جائے گا، اور دلیل اس امر پر خدا کا یہ قول لائے **"وانزلنا من المعصرات مآء ثجاجا."** (اور ہم نے بدلیوں سے موسلا دھار پانی اتارا)

(قول مترجم) معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن میں ظاہر اعراب لگائے گئے ہیں تو شراب خور خلفاً کی خاطر یعصرون کو یعصرون سے بدل کر معنی کو زیرو زبر کیا گیا ہے یا مجہول کو معروف سے بدل کر لوگوں کیلئے ان کے کرتوت کی معرفت آسان کردی۔ ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تغیر یہ لوگ کردیں تم اس کو اسی کے حال پر رہنے دو اور تغیر کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو، ہاں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کردو، قرآن مجید کو اصلی حالت پر لانا جناب صاحب العصر علیہ السلام کا حق ہے، اور انہی کے وقت میں حسب تنزیل خدائے تعالیٰ پڑھا جائے گا۔"

۱۵:...... ان حوالہ جات سے واضح ہوا کہ میں نے اپنی تحریر میں جو کچھ لکھا تھا ائمہ معصومین سے لے کر موجودہ دور کے حضرات شیعہ تک وہی سب کا عقیدہ ہے، کہ موجودہ قرآن اصل قرآن نہیں، بلکہ یہ محرف ومبدل ہے، اصل قرآن قائم آل محمد، امام غائب صاحب العصر حضرت مہدی کے پاس ہے، وہ جب تشریف لائیں گے تب ان کے زمانے میں قرآن اپنی اصلی حالت میں انزل اللہ کے مطابق پڑھا جائے گا۔ بہرحال میں نے جو کچھ لکھا ہے شیعہ کتب کے مطابق لکھا ہے۔

اگر سائلان میری تحریر پر معترض ہیں تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ اپنے ائمہ معصومین کے متواتر ارشادات اور اپنے مذہب کے لٹریچر سے ناواقف ہیں، یا وہ ازراہ تقیہ اپنے ائمہ معصومین اور اپنے مجتہدین کے خلاف اپنا عقیدہ ظاہر کررہے ہیں، مجھے اپنے اس دعوے پر اصرار ہے کہ شیعوں کا موجودہ قرآن پر ایمان نہیں، بلکہ وہ اسے تحریف شدہ سمجھتے ہیں، اگر سائلان میرے دعویٰ کو غلط سمجھتے ہیں تو اس کی آسان صورت یہ ہے کہ وہ عدالت میں یہ تحریر لکھ دیں کہ وہ ان تمام لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں جو تحریف قرآن کے قائل تھے یا قائل ہیں۔

جن رسالوں میں میری تحریر شائع ہوئی ہے سائلان نے عدالت سے ضبط کرنے کی گزارش کی ہے، میرے خیال میں سائلان کو اس کے بجائے عدالت سے یہ درخواست کرنی چاہئے کہ وہ تمام شیعہ لٹریچر ضبط کیا جائے جس میں موجودہ قرآن کو تحریف شدہ بتلایا گیا ہے، جس میں حافظین قرآن صحابہ کرامؓ کو منافق و مرتد اور شراب خور کہا گیا ہے اور جس میں قرآن پر سے مسلمانوں کا ایمان متزلزل کرانے کے لئے ائمہ معصومین کو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنے والے بتایا گیا ہے، اور ان کی طرف دو ہزار سے زیادہ من گھڑت روایتیں منسوب کرنے کی جسارت کی گئی ہے، اگر تحریف قرآن کا عقیدہ کسی مسلمان کی طرف منسوب کرنا جرم ہے، اور جس تحریر میں اس جرم کا ارتکاب کیا گیا ہو وہ لائق ضبط ہے تو اس کا سب سے بہتر مصداق شیعہ لٹریچر ہے، نہ کہ وہ تحریر جو شیعہ لٹریچر کے اس جرم کی نشاندہی کرتی ہے۔

(ماہنامہ بینات شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نمبر شعبان تا ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ)

جی ایم سید کے ملحدانہ افکار و نظریات!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

''جیئے سندتحریک'' کے بانی اور سندھ کے معمر سیاستدان جی ایم سید (غلام مصطفیٰ شاہ) نے ۱۷ر جنوری ۱۹۸۷ء کو اپنے آبائی شہر ''سن'' میں اپنی ۸۴ر سالگرہ منائی، اور اس تقریب کے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے حسب معمول کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ قومی اخبارات میں ان کی تقریر کے اقتباسات شائع ہوچکے ہیں، اور بعض رسائل میں ان کی تقریر یا خطبۂ استقبالیہ کا پورا متن شائع ہوا ہے۔

جی ایم سید اور ان کا مکتب فکر کیا چاہتا ہے؟ اس پر سندھی میں سینکڑوں کتابیں اور رسائل لکھے جاچکے ہیں، خود جی ایم سید قریباً تین درجن کتابوں میں اپنے مشن کی وضاحت کرچکے ہیں، جس کا خلاصہ ہے:

اسلام اور پاکستان کی نفی:

پاکستان ان کے نزدیک گالی کی حیثیت رکھتا ہے، اور ''اسلام'' کا لفظ شاید اس سے بھی کچھ بڑھ کر، وہ دنیا کے تمام مذاہب کو برحق سمجھتے ہیں، سوائے اسلام کے

کہ وہ ان کے نزدیک (نعوذ باللہ!) اول سے آخر تک باطل ہے، وہ بقول خود محبت کا مذہب رکھتے ہیں، اور اسی کے پرچارک ہیں۔ اس لئے ان کے بقول انہیں بلاتمیز مذہب وملت اور رنگ ونسل ہر انسان سے محبت ہے۔ انہیں اگر بغض ونفرت ہے تو صرف ''مسلمان'' سے۔ ان کی تمام کتابوں میں قریب قریب اسی فکر کا اعادہ وتکرار ہے، آج سے انیس بیس سال پہلے ایک صاحب نے ان کی ایک کتاب ''جئیں ڈنو آہی مون'' (جیسا کہ میں نے دیکھا) مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی کی خدمت میں بھیج کر اس کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی تھی، جواب میں مفتی صاحب نے تحریر فرمایا:

> ''میں نے اس کتاب کو متعدد مقامات سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ صریح اور ناقابل تاویل کفریات کا مجموعہ ہے، اس میں مذہب اور خداپرستی کو وہم پرستی ثابت کرنے کی بار بار کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سمع، بصر، رزق، رضا، غضب وغیرہا اور اسلام کے بنیادی عقائد خلق انسان، حیات بعد الموت، برزخ، قیامت، پل صراط، میزان، جنت اور دوزخ، حج، طواف، رمی، سعی، قربانی، صدقات، ختنہ، جانوروں کی حلت وحرمت، عبادات اور اوراد و وظائف اور روزہ وغیرہا احکام کو قدیم وہم پرستی قرار دیا ہے (ص:۱۰۴)۔ یہ نمونہ کے طور پر ذکر کیا گیا ورنہ اس دوسو صفحات کی کتاب میں شاید ہی کوئی صفحہ الحاد وکفر سے خالی ہو، انتہائی حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ مسلم حکومت اور مسلم ملت میں ایسی صریح اسلام دشمنی اور عقائد و اصول اسلام کا اعلانیہ مذاق اڑانے اور صریح کفر و الحاد کی نشر و اشاعت کی جرأت کیسے ہوئی؟ پھر مسلمانوں نے اور مسلم حکومت نے اسے

برداشت کیسے کیا؟؟'' (احسن الفتاویٰ ج:۱ ص:۵۵)

یہ کتاب ''جئیں ڈٹو آہی مون'' (جیسا کہ میں نے دیکھا) جی ایم سید کے بقول اس نے خدا سے انتقام لینے کے لئے لکھی ہے، جیسا کہ ۱۹۷۰ء کے سندھی اخبارات کی مندرجہ ذیل خبر سے واضح ہے:

''جی ایم سید کا ضلع دادو کے قصبہ بھان سعید آباد میں ایک انتخابی جلسہ ہوا، جلسہ کی ناکامی کے بعد جی ایم سید، سید مراد علی شاہ کے مکان پر آئے، وہاں ان سے ایک نوجوان نے کہا کہ اگر آپ اسلام کے خلاف ''جیسے میں نے دیکھا'' جیسی کتاب نہ لکھتے تو لوگوں کے اندر آپ کے خلاف اتنی نفرت پیدا نہ ہوتی۔

اس پر جی ایم سید نے کہا کہ میں نے یہ کتاب اپنے مقاصد میں ناکام ہوکر لکھی ہے۔ میں نے زندگی بھر کسی کی زیادتی کو معاف نہیں کیا ہے، اور یہ کتاب لکھ کر میں نے خدا سے اپنی ناکامی کا انتقام لیا ہے۔''

(ملاحظہ ہو روزنامہ ہلال پاکستان ۱۷/اگست ۱۹۷۰ء)

اسلام اور پاکستان کے خلاف زہرافشانی کرکے ''فلسفہ وحدت ادیان'' اور ''سندھو دیش کی آزادی'' کے لئے ذہنوں کو تیار کرنا، جی ایم سید کی زندگی کا نصب العین ہے، جس پر جینے اور مرنے کی گویا اس نے قسم کھا رکھی ہے، اس سلسلہ میں ان کی نمایاں کتابیں یہ ہیں: (۱)مَیں سندھ کے لئے جدوجہد۔ (۲)سیاسی مسائل۔ (۳)جیسا میں نے دیکھا۔ (۴)سندھ کی بمبئی سے آزادی۔ (۵)پاکستان کا ماضی، حال اور مستقبل۔ (۶)سندھ کی کہانی سید کی زبانی۔ (۷)اپنی کہانی اپنی زبانی۔ (۸)سندھی کلچر۔ (۹)سندھو دیش کیوں اور کس لئے؟ (۱۰)دیار دل داستان محبت۔

(۱۱) پاکستان کو اب ٹوٹنا چاہئے۔

اپنی تمام کتابوں کا خلاصہ انہوں نے اپنی کتاب ''سندو جی ساحیاہ'' (سندھ کا تعارف) میں سمودیا ہے، یہ کتاب پاکستان کی بجائے ہندوستان (بمبئی) سے ۱۹۸۱ء میں چھپی ہے، اس کا ناشر ''کیرت بابانی'' نامی ایک ہندو ہے، کتاب پر ''کیرت بابانی'' نے جو مقدمہ لکھا ہے وہ بجائے خود اہل اسلام کے لئے مرقع عبرت ہے، وہ لکھتا ہے:

> ''جی ایم سید سندھو دیش کی عظیم اور بلند پایہ شخصیت ہیں، آپ کو ہندو سندھ کا ہر شخص جانتا ہے اور عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جو شخص سندھ سے آتا ہے اور شریمتی اندرا گاندھی سے ملاقات کرتا ہے تو وہ اس سے جی ایم سید کا حال احوال ضرور دریافت کرتی ہے۔
>
> جی ایم سید پیشتر ازیں بہت ساری وسیع معلومات کی کتابیں لکھ چکا ہے، لیکن ان کی یہ کتاب تو نہایت زبردست اہمیت کی حامل دستاویزی نوعیت کی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے نہ صرف سندھ کی ہزارہا سال کی تاریخ پر از سرنو نظر ڈالی ہے، بلکہ پاکستان کے نظریے اور اس کے موجودہ ڈھانچہ کا تیاپانچہ کرکے حق و صداقت کے راستے کی نشاندہی کی ہے۔ جی ایم سید گزشتہ ۳۰ سال سے زائد عرصہ سے سندھو دیش کی آزادی کا مجسمہ بن کر پاکستان کے حکمرانوں سے صف آرا ہیں، اپنے مقصد کے لئے انہوں نے ہر قسم کی قربانیاں دی ہیں اور وہ بلند رہے ہیں۔
>
> قیام پاکستان کے بعد سندھیوں کے ساتھ جو مظالم

ہوئے ہیں، اس کتاب میں اس کی دردناک داستان پیش کی گئی ہے، اور تلخ حقائق پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ سندھیوں کے لئے پاکستان کس طرح عذاب الیم بن کر رہ گیا ہے، جو اپنے وطن میں بے گانہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس کتاب میں سندھو دیش کی آزادی کا خاکہ بھی موجود ہے تو اس کی آزادی کا اعلان بھی۔

بھارت میں بسنے والے سندھی اپنے وطن سندھ اور وہاں کے باشندوں سے والہانہ محبت رکھتے ہیں۔ سندھیوں سے ان کا رشتہ خون کا رشتہ ہے، وہ اہل سندھ کی خوشی وغمی میں برابر کے شریک ہیں، اور آئندہ بھی رہیں گے، وہ سندھ کی آزادی کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اس کتاب سے یہی جذبہ ملتا ہے کہ سندھ زندہ رہے گا اور اس کا مستقبل روشن ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ سندھ اور ہند کا ہر فرد اس کتاب کو مقدس کتاب سمجھ کر اس کا خود بھی مطالعہ کرے اور اپنے اہل خاندان اور دوستوں کو بھی مطالعہ کے لئے دے اور ہر سندھی تک اس کتاب کا پیغام پہنچائے۔ اس طرح پوری دنیا میں ظلم و استحصال کے خلاف آواز بلند کر کے سرزمین سندھ کی عزت کا تحفظ کرے، جب سوا کروڑ سندھی یک مشت ہو کر آواز بلند کریں گے، تبھی ظالموں کو شکست نصیب ہوگی۔

سندھ میں فوجی راج کی وجہ سے اس کتاب کا شائع ہونا ممکن نہیں تھا، اس لئے ہم نے اس کو بمبئی سے شائع کیا ہے۔

بمبئی ۱۷ر جون ۱۹۸۱ء

جیئے سندھو دیش۔ کیرت بابانی۔"

ذیل میں اس کتاب کے حوالے سے جی ایم سید کے افکار کا خلاصہ ملاحظہ فرمایئے:

۱:......پیغمبر اسلام کی آمد کے دو مقاصد:

''دنیا میں پیغمبر اسلام کی آمد کے دو مقاصد تھے، ایک تو مقصد یہ تھا کہ منتشر، پراگندہ، پسماندہ اور بداخلاق عربوں کو متحد کر کے ان کو کامیابی اور سرفرازی سے ہمکنار کیا جائے۔ فتح مکہ کے بعد پیغمبر اسلام کو اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی، اس لئے قرآن میں کہا گیا:

''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی.''

مسلمان مُلاّ قرآن کی اس آیت کی تشریح کرتے ہیں کہ انسانی ذات کے لئے مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے اسلام کو پیش کرنے کا جو مقصد تھا، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی حاصل ہوئی، اب انسان ذات کو دوسرا کوئی مسئلہ درپیش نہیں، مُلاّ کی یہ تشریح خوش فہمی پر مبنی ہے اور جہالت کی پیداوار بھی ہے۔

پیغمبر کا دوسرا مقصد رحمة للعالمین تھا۔ جس کے تحت انسان ذات کے ذہنی اور جسمانی اتحاد کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا، اور وحدت ادیان کے لئے حالات سازگار کرنے تھے، لیکن چونکہ عرب نہایت پست قوم تھی اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصی زندگی بھی مکمل ہونے والی تھی، اس لئے وہ

دوسرے مقصد کو پورا نہ کر سکے۔'' (سندڈ جی ساحیاہ ج:۱ ص:۳۴۲)

۲:......قرآن مکمل کتاب نہیں:

''کیا قرآن مکمل کتاب ہے؟ نہیں! قرآن کو مکمل کتاب سمجھنا غلط ہے۔ قرآن چار قسم کی آیات پر مشتمل ہے۔
(۱) آیات بینات محکمات، یعنی بنیادی اصولوں کی آیات۔
(۲) آیات متشابہات، یعنی تشبیہی اشاروں پر مشتمل آیات۔
(۳) وقتی مسائل کے سلسلے میں احکامات پر مشتمل آیات۔
(۴) عارضی اور فروعی مسائل سے متعلق آیات۔

اس لئے قرآن کا پہلا حصہ باقی رہنے کے لئے تھا اور وہ باقی ہے، جبکہ دوسرے حصے بیکار ہو چکے ہیں، قرآن کے ہر لفظ اور نکتہ پر زور دینا، اصرار کرنا اور اسے صحیح سمجھنا غلط ہے، جس طرح دیگر پیغمبروں کے مقلدوں نے اپنی کتابوں کو آخری اور مکمل کتاب کی حیثیت سے پیش کیا تھا، اسی طرح مسلمان مفاد پرست (مہاجر، پنجابی استحصالی عناصر) قرآن کو حرفِ آخر تصور کرتے ہیں، لیکن درحقیقت دنیا میں حرفِ آخر کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔'' (ایضاً ص:۳۴۴)

۳:......اسلامی شریعت فرسودہ ہوچکی ہے:

''کیا اسلامی شریعت انسان ذات کے لئے مکمل راہِ حیات ہے؟ دیگر مذاہب کی طرح مسلمانوں کے ہاں بھی یہ بات راسخ ہوگئی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ترتیب دی ہوئی شریعت بہترین ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتی

ہے، لیکن اب یہ بات غلط اور فرسودہ ہوچکی ہے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ شریعت کا بیشتر حصہ معاشرے کی تبدیلی کی وجہ سے بیکار اور منسوخ ہوچکا ہے۔ اس طرح کی شریعت کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ایسی گفتگو کرنے والے یعنی مذہب کو مکمل ضابطہ حیات سمجھنے والے یا تو بے وقوف ہیں، یا پھر وہ مستقل مفاد کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسی باتیں کررہے ہیں۔“

(ایضاً ص:۳۴۴)

۴:......قرآن وشریعت کی مسترد شدہ باتیں:

”اب میں تفصیل سے قرآن وشریعت کی وہ باتیں بیان کروں گا جسے زمانہ مسترد کرچکا ہے:

۱:......قرآن نے سود کو حرام قرار دیا تھا، لیکن اب معاشرے کی تبدیلی کی وجہ سے یہ حکم مسترد ہوچکا ہے۔ کوئی مسلمان ملک ایسا نہیں ہے جہاں سود پر پابندی عائد ہو، آج کل سود کے بغیر تجارت، صنعتی ادارے اور روز مرہ کا کاروبار چل ہی نہیں سکتا۔

۲:......شریعت نے جوئے کو حرام قرار دیا تھا، لیکن معاشرے کی تبدیلی کی وجہ سے ہر مسلمان ملک میں کسی نہ کسی صورت میں جوئے کا کاروبار جاری ہے۔

۳:......شریعت نے شراب کو بھی ممنوع قرار دیا تھا، لیکن اب ہر مسلمان ملک میں شراب عام جام ہے، اس لئے شریعت کا یہ قانون عملی طور پر منسوخ ہوچکا ہے۔

۴:......"شریعت نے چوری کی سزا ہاتھ یا پاؤں کاٹنا، زنا کی سزا سنگسار کر کے مار ڈالنا، خون کا بدلہ خون، قرار دیا تھا، لیکن موجودہ دور ان سزاؤں کو وحشیانہ تصور کر کے مسترد کر چکا ہے، جدید سوسائٹی کے دستور کے مطابق یہ سزائیں مہذب سوسائٹی کے شایانِ شان نہ ہونے کی وجہ سے تقریباً ختم ہو چکی ہیں۔

۵:......شریعت نے قدیم مسلم معاشرے کے دستور کے مطابق عورتوں کو پردے میں رہنے اور برقع پہننے کی ہدایت کی تھی، اس وقت عورت کو معاشرے میں کم حیثیت حاصل تھی، چونکہ معاشرے میں عورتیں نصف تعداد میں تھیں، وہ مردوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کام کرتی تو سوسائٹی بہت ترقی پذیر ہوتی، لیکن اسلام نے عورتوں پر پابندی عائد کر کے سوسائٹی کی ترقی روک دی، موجودہ دور نے ان خرافات کو مسترد کر دیا ہے اور عورتوں کو مردوں کے ساتھ کام کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

(ایضاً ص:۳۴۵)

۵:......دورِ خلافت میں غلاموں اور باندیوں کا رواج:

"قدیم وحشیانہ دور میں غلامی کا عام رواج تھا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کے رواج کو کم کرنے کے لئے ترغیبات دی تھیں، لیکن آپ کے انتقال کے بعد خلافت جیسی بدعت کے قیام کے بعد عربوں نے غلامی کے سسٹم کو فروغ دینے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا۔ ایک تو مختلف ممالک کو

مفتوح کر کے وہاں سے غلام اور باندیاں حاصل کیں۔ دوم یہ کہ دوسری قوموں اور قبیلوں کو اپنے زیر تسلط لا کر اپنا سامراج قائم کیا، شریعت کی طرف سے چار شادیوں کی اجازت اور بہت ساری باندیاں رکھنے کی ترغیب نے غلامی کے رواج کو مزید فروغ دیا۔ چونکہ عربوں میں جنسی خواہش بہت زیادہ تھی اس لئے شریعت نے ایک طرف ان کی اس حرص کی تکمیل کے لئے جہاد اور قتال کے ذریعہ باندیاں حاصل کرنے کی اجازت و ترغیب دی، تو دوسری طرف موت کے بعد آخرت میں ۷۰ حوریں اور غلمان دینے کا وعدہ کیا، اس لئے غلامی کو وجہ جواز مل گیا۔ مسلمان حاکم جنہیں خلیفہ کہا جاتا ہے، انہوں نے تو اپنی اور اپنے متعلقین کی عیاشی کے لئے اس سسٹم کو بہت زیادہ فروغ دیا، ایک خلیفہ نے اپنے سپہ سالار کو لکھا کہ ملک فتح کرنے کے بعد خوبصورت غلام اور دو باندیاں منتخب کر کے عربوں کے استعمال کے لئے بھیجی جائیں۔'' (ایضاً ص:۱۴۸)

۶:......اسلامی جہاد:

''عربوں نے اپنی غریب اور مفلوک الحال سوسائٹی کو خوش حال بنانے اور دوسرے ملکوں کو مفتوح کر کے وہاں جبراً اپنا سامراج قائم کرنے کے لئے جہاد کو شریعت کا لازمی حصہ بنادیا، انہوں نے غلط پروپیگنڈا کے ذریعہ مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات جاگزیں کی کہ دوسرے ملکوں پر حملے کر کے انہیں مفتوح کرنا اور ان کے وسائل استعمال کرنا اور غلام اور باندیوں کو حاصل

کرنا، اور اس مقصد کے لئے جہاد کرنا ثواب کا کام ہے۔ اس کے بدلے میں آخرت کی زندگی میں حوریں، غلمان، محلات اور عیش وعشرت کا ہر قسم کا سامان حاصل ہوگا، مسلمانوں کے سامنے جنتی زندگی کا ایسا تخیل پیش کیا گیا کہ وہاں زندگی دائمی ہوگی، وہاں نیند کی ضرورت نہ ہوگی، لوگ ہمیشہ جوان ہوں گے، جنتیوں کی جنسیاتی خواہشات بڑھ جائیں گی، یہاں تک کہ حقیقی بیویوں کے علاوہ ستر حوریں اور دس غلمان بھی ان کی خدمت کے لئے موجود ہوں گے۔

اس طرح کی باتوں کو اسلامی شریعت کا حصہ بنانے سے مسلمانوں کے اخلاق پر برا اثر پڑنا لازمی تھا۔ انہوں نے قرآن کے صریح حکم "لا اکراہ فی الدین" کی صریح خلاف ورزی کرکے لوگوں پر جنگ مسلط کی، دوسروں کے مال کو لوٹ کر ہضم کرنے کو مالِ غنیمت سمجھا جانے لگا، دوسرے ملکوں کو مفتوح کرکے وہاں عرب سامراج کو قائم کرنے کے کام کو ثواب سمجھا جانے لگا۔" (ایضاً ص:۲۴۰-۲۴۹)

۷:......اسلام کے لئے دوسروں کا قتل عام:

"ابتدائی مسلمان خلیفوں جنہیں خلفائے راشدین کہا جاتا ہے اور جن کے دور کو سنہری دور کہا جاتا ہے، ان کے دورِ حکومت میں جہاد کے نام پر آزاد ملکوں کو عرب سامراج کا غلام بنایا گیا اور عربوں کی حرص کی تکمیل کے لئے لاکھوں افراد کو قتل کرنے کی روایت ڈالی گئی۔ خوش حال اور زرخیز ملکوں پر اپنے

حملے کے جواز کے لئے ان کے حکمرانوں کو لکھا جاتا تھا کہ وہ اسلام میں داخل ہو کر عرب حاکموں کی ماتحتی قبول کریں، ورنہ ان پر جنگ مسلط کردی جائے گی، اس کے بعد ان ملکوں پر فوج کشی کرکے ہزاروں لوگوں کو ناحق قتل کیا گیا، ملکوں کو لوٹا گیا، گویا یہ ساری چیزیں ان کے باپ دادا کی ملکیت تھیں اور اسلام آیا ہی ان کے استحصال کی خاطر تھا، اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان مفتوح ملکوں کے لوگوں کو اپنا دین تبدیل کرنے پر مجبور بھی کیا گیا، اور ان کے اصل نام تبدیل کرکے عربی نام رکھوائے گئے، انہیں عرب نسل کی اولاد کہلوانے پر مجبور کیا گیا۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے ان علمبرداروں نے مذہب کے نام پر انسانیت سوز حرکتیں کی ہیں، مسلمانوں کو اب بھی شرم نہیں آتی کہ وہ ایسے ظالمانہ کردار کا مظاہرہ کرنے والی حکومت (خلافت راشدہ) کو بہترین دورِ حکومت اور حکومت الٰہیہ قرار دے کر اس پر فخر کرتے ہیں، خلافت راشدہ کے دور میں عرب سامراج قائم کرنے ہی کا نتیجہ تھا کہ اسلام کا اصل مشن تالیف قلب ختم ہوکر رہ گیا۔'' (ایضاً ص:۲۵۰، ۲۵۱)

۸:......''خلافت'' حضرت عمرؓ کے ذہن کی اختراع ہے:

''خلافت اور مسئلہ خلافت کو مسلمانوں نے اپنے دین کا لازمی حصہ بنادیا ہے، لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خلافت کا نہ تو قرآن میں کوئی صریح حکم ہے، اور نہ ہی رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کے متعلق کوئی وصیت کی تھی۔

یہ بدعت دراصل عربوں کے دوسرے نمبر کے بادشاہ (خلیفہ) حضرت عمر کے ذہن کی اختراع تھی، ان کے سامنے اس کے دو مقاصد تھے:

ا:......حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم کی وجہ سے جنگجو عرب قوم میں جو اتحاد پیدا ہوگیا ہے اس سے فائدہ اٹھاکر نہ صرف پورے ملک پر حکومت کی جائے، بلکہ دوسرے ملکوں پر بھی عرب سامراج قائم کیا جائے، حضرت عمر نے ایک دانش مند سیاستدان کی حیثیت سے ایسے موقع سے فائدہ اٹھانا ضروری سمجھا۔

۲:......عرب ملک کا بیشتر حصہ ویران اور ریگستان تھا، سوائے چند شہروں کے جہاں تجارت ہوتی تھی، زرعی آبادی نہ ہونے کے برابر تھی، بارش بہت کم ہوتی تھی، لوگ یا تو کھجور کے باغوں پر گزارہ کرتے تھے، یا مال مویشی پال کر ان کے دودھ، مکھن اور گوشت پر گزارہ کرتے تھے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب ان کو متحد کیا تو اب قیادت کا مسئلہ تھا، قیادت حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ میں آنی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے ایسا نہیں ہونے دیا، پہلے انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو آگے کیا، انہیں معلوم تھا کہ ان کی عمر (زندگی) کم ہوگی، اس کے بعد حکومت ان کے ہاتھ میں آئے گی۔"

(ص:۳۵۲،۳۵۳)

۹:......منتخب قوم اور خلافت کا تصور:

''مسلمانوں نے جداگانہ اور منتخب قوم کا تصور یہودیوں سے لیا تھا، اور خلافت کا تصور مسیحیت کے پوپ کے ادارے سے لیا تھا۔'' (ص:۳۵۸)

۱۰:......تصویر کشی:

''مسلمان فقیہوں نے بت پرستی سے بچنے کی خاطر تصویر سازی اور مجسمہ سازی کو شرک شمار کرکے اس کے خاتمہ کا فتویٰ دیا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے فنونِ لطیفہ کے کئی نادر نمونوں کو ختم کردیا، انہیں اتنی بھی عقل نہیں تھی کہ وہ فنونِ لطیفہ اور بت پرستی کے درمیان فرق کرسکیں، اب جب حالات تبدیل ہوئے ہیں تو مسلمانوں میں تصویر سازی، فوٹوگرافی اور مجسمہ سازی عام ہوگئی ہے، اس لئے اب شریعت اسلامی کا یہ قانون بھی منسوخ ہوگیا ہے۔'' (ص؛۳۵۹)

۱۱:......چار شادیاں کرنا اور باندیاں رکھنا:

''شریعت میں بیک وقت چار شادی کرنا اور بے شمار باندیوں کو بیویوں کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے، لیکن معاشرے کی تبدیلی کی بنا پر اب مختلف مسلمان ملکوں میں ایک سے زائد بیوی رکھنے پر قانوناً پابندی عائد ہے، اس لئے یہ شرعی قانون بھی تقریباً ختم ہونے کے قریب ہے۔''

۱۲:......فوجداری اور سول قانون:

''عربوں کے اندر قدیم ایام جاہلیت کی روایات یا موسوی شریعت کی پیروی میں کئی فوجداری اور سول قانون مروج تھے، قرآن اور حدیث نے انہی چیزوں کو اسلامی شریعت کا روپ دیا، ان قوانین کو عملی جامہ پہنانے کا کام قاضی کے حوالے کیا گیا، لیکن اب جدید بین الاقوامی تقاضوں نے ان قوانین کو جاہلانہ اور وحشی سمجھ کر مسترد کردیا ہے اور مسلمان ملکوں میں بھی ان قوانین کی جگہ رومن یا دوسرے ملکوں کے قوانین جاری ہیں۔ پاکستان میں مُلاّ اپنی طاقت میں اضافہ کے لئے ان فرسودہ قوانین کو دوبارہ مروج کرنے کے لئے کوشاں ہیں، کچھ مفاد پرست سیاستدان اور عملدار بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں، لیکن بین الاقوامی رائے عامہ کی وجہ سے اکثر مسلمان ملکوں میں یہ قوانین ختم ہو رہے ہیں، جس سے واضح ہو رہا ہے کہ موجودہ دور میں اسلامی شریعت ناقابل عمل ہے اور ذہنی ارتقا کے سبب اب وہ منسوخ ہوچکی ہے۔'' (ص:۳۶۰،۳۶۱)

۱۳:......انسان کی پیدائش کے متعلق نظریہ:

''قرآن نے توریت کی تقلید کرتے ہوئے حضرت آدم ہی کو جملہ انسانوں کی پیدائش کا باپ قرار دیا ہے۔ توریت اور انجیل کے ماہروں اور کچھ مسلمان عالموں نے ان کی پیدائش کا وقت بھی مقرر کیا ہے، جس کے مطابق حضرت آدم تقریباً ساڑھے چھ ہزار سال پہلے پیدا ہوئے تھے، لیکن آثار قدیمہ کی

کھوجنا کے مطابق مصر کے اہرام ساڑھے سات ہزار سال پرانے ہیں، جس کی وجہ سے قرآن اور توریت کی دی ہوئی معلومات غلط ہوجاتی ہیں۔ علم طبقات الارض کی موجودہ کھوجنا کے مطابق زمین پر انسان کی پیدائش کو بیس لاکھ سال ہوئے ہیں، جس سے قرآن اور توریت کی یہ بات غلط ہوجاتی ہے کہ جملہ انسانوں کے باپ حضرت آدم تھے، اور وہ ساڑھے چھ ہزار سال پہلے پیدا ہوئے تھے، اور اس سے پہلے زمین پر کوئی انسان موجود نہیں تھا۔ توریت اور قرآن کی کئی باتیں ایسی ہیں جنہیں جدید سائنس غلط ثابت کرچکی ہے، اس لئے قرآن کی ایسی باتوں پر اب بھی آمنا و صدقنا کہنا یہ اسلام کے لئے موجب شان کی بجائے اس کے وقار کے منافی ہے، اس لئے شریعت کی ایسی باتوں کو ہمیں مسترد کرنا ہوگا۔"

۱۴:......مسلمانوں کے جداگانہ قوم ہونے کا نظریہ:

"مسلمانوں نے یہ نظریہ یہودیوں سے لیا تھا، اس نظریے کے مطابق یہودی اپنے آپ کو نسلی اور مذہبی بنیاد پر منتخب اور برگزیدہ قوم تصور کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے اس نظریے کو مٹاکر غیراسرائیلیوں اور ختنہ کرانے والوں کو بھی مسیحیت میں داخل کیا، جس پر اسرائیلی سرداروں نے ناراض ہوکر رومن حاکم کی اجازت سے ان کو صلیب پر چڑھا کر شہید کرادیا۔ چونکہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ابراہیمی نسل اور امت میں سے تھے، اس لئے آپ نے بھی کئی باتیں یہودیوں کی اختیار

کیں، مثلاً ختنہ کرانا، سور کا گوشت نہ کھانا، کعبہ کا طواف کرنا، قربانی کرنا، صفا و مروہ میں دوڑنا، وغیرہ۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عیسیٰ کے تتبع میں اسلام کا دائرہ ساری قوموں کے لئے کھول دیا تھا، لیکن جب حضرت عمرؓ نے عرب سامراج قائم کرنے کا ارادہ کیا، تو انہوں نے عرب وعجم کے درمیان دیوار قائم کردی۔ مذہب میں عربی لباس، عربی زبان اور عربی رسم و رواج کو داخل کردیا، اور ان چیزوں کا فخریہ طور پر اظہار و اعلان ہونے لگا، اس لئے ہر عجمی کے ذہن نشین ہوگئی کہ عرب اعلیٰ قوم ہیں۔" (ص:۳۷۲،۳۷۳)

۱۵:......قربانی کا رواج:

"قربانی کے رواج کے دو اسباب تھے:

ا:......ما فوق الفطرت طاقت (خدا یا دیوتا) خطرناک، بے رحم اور خونخوار ہستی شمار کی جاتی تھی، اس کے قاہرانہ جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اور قبیلوں کو اس کے غضب سے بچانے کے لئے شروع میں لوگ ایک فرد کو ذبح کرکے اس کا خون، چربی اور گوشت جلاکر اس کی راکھ خدا کو پہنچانے کے لئے قربان گاہوں میں بھیجتے تھے، لیکن بعد میں انسانوں کی جگہ جانوروں کو ذبح کیا جانے لگا۔ حضرت موسیٰ نے اس طریق کار کو شروع کیا اور باقاعدہ قربان گاہیں بنائیں۔ یونان، مصر اور روم میں بھی یہی سلسلہ مروج تھا، دراوید اپنے دیوتا شرمہاراج کی خوشنودی کے لئے یہی رسم ادا کرتے تھے، چونکہ یہ وحشی دور کی رسمیں، عرب

وحشی دور سے بمشکل بدویانہ دور میں داخل ہوئے تھے، اس لئے ان کے ہاں بھی یہی چیزیں مروج رہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مکہ میں پہلے شومہاراج کا مندر قائم تھا، اس لئے وہاں لنگم کی پوجا پاٹ اور قربانی کا دستور پہلے سے رائج تھا، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ابراہیمی نسل میں سے تھا، انہوں نے بھی مکہ میں اس سلسلہ کو جاری رکھا، پیغمبر، رسول اور مصلح حضرات نفسیات کے بڑے ماہر ہوتے ہیں، اس لئے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عربوں میں حجر اسود (لنگم) کے احترام اور قربانی کے سلسلے کو مقبول دیکھ کر اسے جاری رکھنا ہی مناسب خیال کیا، عرب مکہ میں سالانہ ہونے والے میلے (حج) کے موقع پر یہودیوں کے دستور کے مطابق قربانی کرتے تھے اور حجر اسود کا بوسہ لیتے تھے، یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

۲:......دوسرے مذاہب سے وابستہ لوگ اور قومیں ارتقا کرکے اس رسم بد کو چھوڑ چکی ہیں، لیکن مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ اب تک اس رسم کو سنت ابراہیمی، سمجھ کر، یا خدا کی خوشنودی کی خاطر اختیار کئے ہوئے ہیں۔

اس قدیم وحشیانہ رسم کی ادائیگی کے لئے مسلمان ہر سال حج کے موقع پر یا دوسرے مقامات پر کروڑہا جانور ذبح کرتے ہیں اور اس رسم کو اسلام کا بنیادی رکن تصور کرتے ہیں۔

۳:......اگرچہ دوسرے نبیوں اور مذاہب کے پیرووٴں کی اکثریت نے اس رسم کو غلط اور وحشیانہ سمجھ کر ختم کردیا ہے، لیکن مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ (موجودہ ترقی یافتہ دور میں

بھی) قربانی کی رسم کو مقدس چیز سمجھ کر ابھی تک ادا کرتے ہیں۔
جب دوسرے مذاہب کے ماننے والے جانوروں کو مارنا گناہ کا
کام سمجھتے ہیں، تو مسلمان جو خود کو امن و سلامتی کا دیوتا قرار دیتے
ہیں، وہ جانوروں کو بڑے اہتمام کے ساتھ ذبح کرنا ثواب کا
کام سمجھتے ہیں۔ اس سے سلامتی والے مذہب کی ذہنیت کا اندازہ
ہوتا ہے، مسلمان اس حد تک جہالت میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ اگر
کوئی شخص اس خراب رسم کے خلاف آواز بلند کرتا ہے تو وہ ایسے
لوگوں کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

۴:......اگرچہ مسلمان خود کو اسلام (یعنی امن و سلامتی
کا مذہب) کا پیروکار اور علمبردار قرار دیتے ہیں، لیکن انہوں نے
تشدد کو اپنے مذہب کا بنیادی حصہ بنالیا ہے، درج ذیل مثالوں
سے معلوم ہو سکے گا کہ ان کی دلیلوں میں کتنی صداقت ہے:

الف:......رحمٰن و رحیم، خدا کو راضی کرنے کے لئے
مسلمان ہر سال کروڑہا جانور ذبح کرتے ہیں۔

ب:......جانوروں کو ذبح کرنے کے لئے اللہ اکبر کا
نام استعمال کرتے ہیں، تاکہ یہ قبیح کام بہتر نظر آئے۔

ت:......مسلمان سامراجی اور ڈاکہ زنی کے مقاصد
کے لئے لڑی جانے والی جنگ میں لوگوں کو قتل کرتے وقت اللہ
اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

اس طرح کردار کا مظاہرہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ خدا کے بارے میں ان کا تصور یہ ہے کہ وہ منتقم مزاج اور
قہار و جبار ہے، اس کا رحمٰن و رحیم سے کوئی تعلق نہیں ہے: اسی

وجہ سے مسلمانوں کا دین امن و سلامتی کی بجائے فسق و فساد کا ذریعہ بن گیا ہے۔" (ایضاً ص:۳۷۶، ۳۷۷)

۱۶:......مافوق الفطرت ہستی (خدا):

"خدا کی تلاش کے لئے نہ صرف مسلمانوں بلکہ دوسرے مذہب کے بانیوں اور پیروں نے بھی اپنی زندگیاں صرف کر ڈالی ہیں تا کہ اس طاقت سے فائدہ اٹھایا جائے، لیکن اس بحر بے کنار کی معرفت وِرد و وظائف اور عبادت سے حاصل نہیں ہوسکتی، بلکہ قدرت کی رنگارنگ چیزوں کے مشاہدہ سے ہی تھوڑی بہت معرفت حاصل ہوسکتی ہے، اس سلسلے میں ہمیں دنیا کے مذاہب، ان کے نچوڑ اور جملہ فلسفوں سے رہنمائی حاصل ہوسکتی ہے۔" (ایضاً ص:۳۸۲)

۱۷:......مافوق الفطرت ہستی کی رضامندی کی کوشش:

"جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ظاہری جسمانی دنیا کے علاوہ ایک اور پوشیدہ قوت بھی کارفرما ہے جو زندہ کرتی اور مارتی ہے اور دوسرے کام سرانجام دیتی ہے، لوگوں نے ایک طرف تو اس ہستی کی معلومات کے لئے کھوجنا شروع کردی، دوسری طرف اس طاقت کو مسخر کرکے اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کی کوشش کی، ساری کوششوں کے باوجود اب تک اس طاقت کے متعلق معلومات بھی بہت کم حاصل ہوئی ہیں اور اسے مسخر کرنے میں تو ذرہ برابر بھی کامیابی حاصل نہ ہوسکی ہے، اس کمزوری اور بے بسی کے نتیجہ میں اس طاقت کی رضامندی

حاصل کرنے کا رجحان پیدا ہوا، اس رجحان طبع کو مذہب کی ابتدا کہا جاسکتا ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے لوگوں نے ریاضتوں سے کام لیا۔" (ایضاً ص:۳۸۷، ۳۸۸)

۱۸:......راجہ داہر کی رواداری اور محمد بن قاسم:

"ایک طرف تو راجا داہر کی رواداری کا یہ عالم تھا، دوسری طرف مسلمانوں کے غازی اور سپہ سالار محمد بن قاسم کی حالت یہ تھی کہ اس نے سندھ پر حملہ کرکے تین ہزار مرد اور عورتوں کو غلام بناکر ان کو دوسرے علاقوں میں فروخت کیا، سندھ سے لوٹ مار کرکے چالیس کروڑ روپیہ کی رقم اپنے ملک بھیجی، سندھ کے محافظ راجا داہر اور اس کی دو بیٹیوں کی بے حرمتی کی، ایسے ظالم خاندان کے فرد اور غاصب انسان محمد بن قاسم کو غازی اور مجاہد اسلام قرار دے کر اس کے نام پر ملک میں لائبریریاں، کالج، روڈ، پارک اور ادارے وغیرہ منسوب کیے جارہے ہیں۔"

(ایضاً ص:۱۳۵)

۱۹:......کسی بھی مذہب سے وابستہ نجات کا حقدار ہے:

"قرآن کہتا ہے کہ ہر وہ شخص جو خدا کو مانتا ہے، انسان ذات کے روشن مستقبل (آخرت) پر ایمان رکھتا ہے اور صالح عمل کرتا ہے چاہے وہ کسی بھی مذہب سے وابستہ ہو، نجات کا حقدار ہے، ایسے صریح حکموں کے باوجود راجا داہر جیسے فرد کو جو تمام مذاہب کی تکریم کرتے تھے اور رواداری کا مجسمہ تھے، کو کافر قرار دینا اور رسول کریم کے اہل بیت کو شہید کرنے، آزاد

مردوں اور عورتوں کو غلام بنا کر فروخت کرنے اور قتل کرنے اور دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کو منہدم کرنے والے محمد بن قاسم کو اسلام کا علمبردار اور غازی کہنا، کیا یہ اسلام کے دامن پر داغ نہیں؟ کیا اسلام آخری اور مکمل دین کی حیثیت سے اس لئے آیا تھا کہ اس کے نام پر مظالم کئے جائیں۔"

(ایضاً ص:۱۳۴)

۲۰:......مُلّاؤں کی تشریح جہالت پر مبنی ہے:

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مذہب کا جو دوسرا نکتہ بیان کیا تھا، وہ یہ تھا کہ:

"آمنوا باللہ وملائکته وکتبه ورسله لا نفرق بین احد من رسله." (قرآن کریم کی آیت اس طرح نہیں۔ ناقل)

مسلمان مُلّا جو مستقل مفاد پرست بن چکے تھے، انہوں نے قرآن کی اس آیت کی تشریح میں کہا کہ پیغمبر تو سب کے سب برحق تھے اور ان کی کتابیں بھی برحق تھیں، لیکن ان کی تعلیمات، شریعتیں اور کتاب زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے اب منسوخ ہوچکی ہیں، اس لئے اب صرف حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی کتاب اور شریعت قابل عمل ہے، حقیقت میں مُلّاؤں کے مذہب کی یہ تشریح قرآنی احکام اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیغام کے روح کے منافی اور جہالت پر مبنی ہے۔"

(ایضاً ص:۳۳۶)

۲۱:......کتاب پر ایمان کے دو مفہوم:

''کتاب پر ایمان سے دو مفہوم لئے جاسکتے ہیں، ایک تو وہ کتاب جو مختلف ادوار میں مختلف پیغمبروں پر نازل ہوئی، ان پر ایمان لانا مقصود ہے، دوسرے ان کتابوں پر ایمان جو صدیوں کے تاریخی تجربات، علم، حکمت، فلسفہ، سائنسی ایجادات اور قدرت کے مظاہر پر غور و فکر کر کے لکھی گئی ہیں۔'' (ص:۳۳۷)

۲۲:......لغتوں میں کتاب کے معنی:

''بنیادی لغتوں میں کتاب کے معنی ''لکھی ہوئی بات'' ''واقعہ'' (وہ چاہے تاریخی ہو یا تجربے سے حاصل ہوا ہو) ''قدرت کی طرف سے صادر ہونے والا فیصلہ'' اور ''قدرت کا قانون'' بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ہر ''تاریخی واقعہ'' قدرت کی طرف سے ثابت شدہ ''بات'' ''ماحول اور تجربے کی بنیاد پر حاصل ہونے والی معلومات'' یہ ساری چیزیں کتاب کے معنی میں آجاتی ہیں۔ قرآن کی رو سے کتاب پر ایمان کا مفہوم یہ ہوگا کہ قدیم زمانہ کے تاریخی حقائق، فلسفے، سائنس، حکمت اور عقل کے ذریعہ قائم کی ہوئی آرا وغیرہ پر ایمان لایا جائے۔ اس لئے فطرت کی ہر مثبت چیز کو ''کتاب'' شمار کر کے اس سے استفادہ کرنے کو ایمان کہا جاسکتا ہے۔

رسول کے معنی خدا کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر، قاصد، خبر لانے والا، حقیقت پیش کرنے والا، قوموں کا روحانی رہبر، مصلح اور حکیم لیا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت محمد (صلی اللہ

علیہ وسلم) کے اسلام کو ماننے سے نہ صرف تمام پیغمبروں اور ان کتابوں کو اور اقوال کو ماننا لازم ہوگا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تاریخی طور پر ثابت شدہ حقائق، تجربے سے ثابت شدہ بات، اور حکمت اور سائنس کی کسوٹی پر طے شدہ بات کو ماننا اسلام کا تقاضا ہوگا، اس کے برعکس جو بات سائنس، تجربے، عقل اور حکمت کے منافی ہو وہ چاہے ویدوں، بدھ دھرم کی کتابوں، بائبل اور قرآن کی باتیں (آیتیں) ہی کیوں نہ ہوں وہ غلط ہوں گی، چاہے اس کے لئے سینکڑوں علماً نے ہی کیوں نہ فتویٰ دیا ہو۔" (ص:۳۳۸)

۲۳:......قرآن کے خلاف عرب سامراج کا قیام:

"حضرت عمرؓ نے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین والے مشن کے خلاف عرب سامراج قائم کیا اور اس مقصد کے لئے انہوں نے مذہب اور سیاست کو مشترکہ طور پر ایک ساتھ چلانے کی بدعت ایجاد کی، اسلام کی توسیع کے لئے جہاد کے نام پر جبراً دوسرے ملکوں کو مفتوح کیا اور وہاں کی املاک عربوں کے گزارے کے لئے مخصوص کردی، ساتھ ساتھ مفتوح ملکوں کی آزادی ختم کرکے انہیں غلام اور لونڈیوں کی حیثیت دے دی۔ لوٹے ہوئے مال کو مالِ غنیمت سمجھ کر اپنے لوگوں میں تقسیم کیا۔ عرب میں مروج قدیم روایات کو اسلامی شریعت اور اسلام کہہ کر عربی اور عجمی امتیازات پیدا کئے۔ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رحمۃ للعالمین والی صفت کو جس کے تحت تمام مذاہب میں وحدت تلاش کرنی تھی، ترک کرکے

اسلام کا مقصد عرب سامراج کا اتحاد اور غلبہ قرار دیا گیا۔ نتیجتاً عرب سامراج کے قیام کی وجہ سے جنگیں ہوئیں، دنیا کا امن برباد ہوا، فقہی مذاہب کا پھیلاؤ ہوا، آگے چل کر ان حرکتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں ساڑھے تین سو سے زائد فرقے پیدا ہوگئے۔"

(سندھو جی ساحیاہ ج:۲ ص:۱۷۸)

۲۴:......اقبال اور جناح کی لائن:

"اقبال اور جناح والی لائن اختیار کرکے مہاجر اور پنجابی سامراج قائم کرنے کے لئے مذہب کی بنیاد پر ملک تقسیم کرایا گیا اور یہی مہاجر پنجابی سامراج لاکھوں افراد کے قتل، کروڑہا املاک کے ضیاع کا موجب بنے ہیں۔"

(ایضاً ج:۲ ص:۱۷۹)

۲۵:......حیات بعد الممات:

"موت کے بعد سلسلہ حیات قائم ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر بحثیں قدیم دور سے مسلسل ہوتی چلی آرہی ہیں، اکثر اہل مذاہب نے روحوں کی جدا ہستی پر یقین رکھ کر ان کو خدا کی خاص مخلوق سمجھ کر ازلی وابدی حیثیت دی ہے، کچھ مذہبی لوگوں کا کہنا ہے کہ روح روز ازل سے خدا کے فرمان "کن" (ہوجاؤ) سے پیدا ہوئی ہے، روحیں عالم ارواح میں رہتی ہیں، وہاں سے جسم میں داخل ہوکر زندگی کا مقرر عرصہ پورا کرکے پھر آسمان پر، زیر زمین یا عالم برزخ میں چلی جاتی ہیں، اس کے بعد وہ قیامت کے دن پھر جسموں میں داخل ہوکر حساب کتاب دے کر

اپنے اعمال کے مطابق دوزخ یا جنت میں داخل ہوں گی۔

کچھ مذاہب کا کہنا ہے جس طرح حیوانی جسم نے ایموبیا سے تنازع للبقا کے اصول کے مطابق ترقی کرکے انسانی صورت اختیار کی ہے، اسی طرح روح بھی ابتدا میں جمادات، نباتات اور حیوانات سے ترقی کرکے مختلف شکلیں اختیار کرنے کے بعد بالآخر نجات حاصل کرے گی، غرض کہ اب تک یہ مسائل سلجھ نہیں سکے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ طویل عرصے تک پیچیدہ ہی رہیں گے اور سلجھنے کی نوعیت پیدا نہ ہوگی۔"

(ایضاً ص:۳۹۰، ۳۹۱)

۲۶:......مذہب کی ابتدأ خوف و وہم سے ہوئی:

"مذہبی عقائد اور ان کے زیر اثر روایات، عبادات، دستور اور شریعتیں، دراصل تصوراتی مذہبی گروہ کے تخیل کی پیداوار ہیں۔ مذہب کی ابتدأ خوف و وہم اور گمان سے ہوئی تھی، بعد میں اسے محبت، الہام یا وحی کے نزول کا جامہ پہنا کر رنگ دینے کی کوشش کی گئی، مذہبی گروہ نے اپنے اپنے لوگوں کے لئے کئی نبی، پیغمبر، رشی اور سخی وغیرہ پیدا کیے، جن کے اقوال کو خدائی اقوال سمجھ کر مذہبی کتابوں میں درج کیا گیا اور ان معلومات کو برحق سمجھا گیا، جبکہ عقل اور سائنسی معلومات کو ناقص سمجھ کر پس پشت ڈال دیا گیا۔"

(ایضاً ج:۱ ص:۹)

۲۷:......دنیا کا کوئی مذہب آخری اور مکمل نہیں:

"۱:......میں اسلام سمیت دنیا کے کسی مذہب کو آخری

اور مکمل نہیں مانتا، بلکہ جملہ مذاہب کے پس پردہ ایک بنیادی وحدت کو کارفرما دیکھتا ہوں، میں تمام مذاہب کو ایک ہی سلسلہ کی ارتقائی کڑی سمجھتا ہوں۔

۲:......قوموں کو مذہبوں سے جو نقصان پہنچا ہے اس کی بنا پر میں قوم کی بنیاد وطن، زبان، کلچر، قومی روایات اور سیاسی واقتصادی مفاد کو قرار دینا بہتر سمجھتا ہوں۔

۳:......میں قرآن شریف سمیت دنیا کی جملہ مذہبی کتابوں کو مفید تو سمجھتا ہوں، لیکن انہیں حرفِ آخر، مکمل، بے عیب اور ہر مرض کا علاج نہیں سمجھتا، اور حقیقت تک رسائی کے لئے مسلسل غور و فکر اور تفتیش کو ضروری سمجھتا ہوں۔“ (ایضاً ص:۱۳۰)

۲۸:......سندھیوں کے لئے دو راستے:

”سندھیوں کے سامنے اب ایک راستہ تو یہ ہے کہ وہ بیدار ہوکر جدوجہد کرکے پاکستان سامراج کو ختم کرکے سندھو دیش قائم کریں، اور اس طرح اپنے مستقبل کو روشن کریں۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ اسلام، مسلم قومیت اور پاکستان کے نام پر دھوکا کھاکر، بک کر، یا ڈر کر سندھ کی ہزارہا سالہ شاندار تہذیب و روایات سے دستبردار ہوکر صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں۔“ (ایضاً ص:۳۳)

۲۹:......درج ذیل چیزیں ہمارے لئے راہِ عمل ہوسکتی ہیں:

”۱:......سندھ کے ہر باشندے کو چاہے وہ نیا ہو یا قدیم، اسے چاہئے کہ وہ اسلام، مسلم قوم اور پاکستان کے مقابلہ

میں سندھو دیش کی محبت کو ترجیح دے۔

۲:......لوگوں کے ذہن صاف کرنے کے لئے درج ذیل چیزوں کے بارے میں خصوصی کوشش کرنی ہوگی:

الف:......راجا داہر کو قومی ہیرو شمار کیا جائے اور محمد بن قاسم اور عرب سامراج کو سندھ دشمن شمار کیا جائے۔

ب:......اسلام کی سامراجی تشریح کو مسترد کرکے مذہب کے سندھی درویشوں کے کلام کی روشنی میں قوم پرستی پر مبنی از سر نو تشریح کرنی ہوگی (جس کا کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ ناقل)۔

ت:......صحیح قوم پرست اسے شمار کیا جائے جو جناح اور لیاقت کے مقابلہ میں ڈاکٹر چوتھرام (کانگریس کے سندھ کے سابق صدر) کی زیادہ تکریم کرے۔

۳:......سندھو دیش کی آزادی کے لئے دنیا کی کسی بھی حکومت، ادارے اور گروہ سے مدد لینے میں گریز نہ کیا جائے، اگر اس مقصد کی راہ میں مذہب اور کمیونزم رکاوٹ بن جائے تو دونوں کو پس پشت ڈال دیا جائے۔“

۳۰:......سندھیوں کی شناخت کے معیار یہ ہیں:

”۱:......جو شخص سندھو دیش کی آزادی کا حامی ہو اور پاکستان کو سندھ کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہو، اسے سندھی کہا جاسکتا ہے، چاہے وہ سندھ میں پہلے سے آباد ہو، یا ابھی آباد ہوا ہو۔

۲:......جو شخص سندھ کے باشندوں کو جدا قوم سمجھ کر ان کے سیاسی اور معاشی مفاد، کلچر، زبان اور روایات کا حامی ہو، وہ سندھی کہلاسکتا ہے۔

۳:......جو شخص سیکولر طرزِ حکومت پر یقین رکھتا ہو، وہ سندھی کہلانے کا مستحق ہے۔

۴:......جو شخص مذہب یا اقتصادی پروگرام کے مقابلہ میں قوم پرستی کو ترجیح دیتا ہے، اسے سندھی سمجھا جاسکتا ہے۔"

(ایضاً ص:۳۵،۳۶)

جی ایم سید کی ان خرافات اور گمراہ کن تاویلات کو ممکن ہے کہ بعض حضرات "دیوانے کی بڑ" یا جعفر زٹلّی کی "زٹلّیات" کہہ کر نظر انداز کردیں اور انہیں کسی سنجیدہ توجہ کا مستحق نہ سمجھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض حضرات یہ خیال فرمائیں کہ جی ایم سید اپنی طبعی عمر کو پہنچ چکے ہیں، اس کا آفتاب زندگی لب بام ہے، اس لئے اس کے یہ ملحدانہ خیالات بھی اس کے ساتھ قبر میں دفن ہوجائیں گے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قیام پاکستان کے قبل سے لے کر آج تک جی ایم سید جس منفی ذہن اور تخریبی عمل کی آبیاری کر رہا ہے، اس نے سندھ میں سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں جی ایم سید پیدا کردیئے ہیں اور ایک بہت بڑی تعداد جی ایم سید کے ذہن سے سوچتی اور لکھتی ہے، اور وہ الحاد و کج روی اور ملک وملت سے بغاوت ہی کو دین وعقیدہ سمجھتی ہے، جی ایم سید اور ان کے مکتب کے الحاد پرور افکار ونظریات سے سندھ کی جدید نسل اس حد تک مرعوب ہوچکی ہے کہ بعض دانش گاہوں اور تعلیمی اداروں میں اسلام پر طنز وتضحیک کی جاتی ہے، اور سیاسی سطح پر ممتاز بھٹو اور عبدالحفیظ پیرزادہ کی "سندھ، بلوچ، پشتون فرنٹ" اور اس نوعیت کی دوسری تنظیمیں جی ایم سید کی مسلسل محنت وتربیت ہی کا ثمرہ ہے۔

جی ایم سید کی بڑھتی ہوئی صولت و شوکت کے مقابلہ میں سندھ حکومت کی قابل رحم بے بسی کا یہ عالم ہے کہ حکومت نے بزعم خود جی ایم سید کو ان کے گاؤں میں ''نظر بند'' کر رکھا ہے، لیکن یہ ''نظر بند'' اپنی سالگرہ میں شرکت کے لئے ملک کے سیاسی لیڈروں، بیرونی سفارتکاروں اور سندھ کے ''بڑوں'' کے نام ہزاروں کی تعداد میں باقاعدہ ''دعوت نامے'' جاری کرتا ہے اور حکومت اس شورہ پشتی کا کوئی علاج نہیں کرسکتی۔

حکومت سندھ ''نظر بند'' جی ایم سید کی سالگرہ کے موقع پر انہیں ان کے کراچی کے مکان میں منتقل کرنا چاہتی تھی، مگر موصوف نے تعمیل حکم سے انکار کردیا، اس سلسلہ میں روزنامہ جنگ کراچی میں ''نظر بند'' کا درج ذیل انٹرویو شائع ہوا ہے:

''میں نے کراچی منتقلی کے احکامات مسترد کردیئے ہیں''

''میری ۸۴ر سالگرہ سن ہی میں ہوگی، جی ایم سید۔''

''سہون شریف (نامہ نگار) سندھ کے بزرگ سیاستداں جناب جی ایم سید نے آج بدھ کے دن جنگ کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ میری ۸۴ر سالگرہ پروگرام کے مطابق سن شہر میں منائی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ گزشتہ روز ڈپٹی کمشنر دادو عاشق حسین میمن، ایس پی دادو سرمد سعید میرے پاس آئے تھے، جو ہوم سیکریٹری سندھ کی جانب سے میری کراچی منتقلی کے لئے احکامات لائے، میں نے یہ احکامات مسترد کردیئے، انہوں نے کہا کہ میں سن میں ہوں اور دستور کے مطابق میری سالگرہ ۱۷ر جنوری کو منائی جائے گی۔ انہوں نے بتایا کہ میری سالگرہ کے دعوت نامے پہلے ہی جاری کردیئے گئے

ہیں، انہوں نے جئے سندھ کے تمام یونٹوں کے ورکروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ پروگرام کے مطابق میری سالگرہ میں شرکت کریں۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت سن میں حالات پرسکون ہیں۔" (روزنامہ جنگ کراچی ۱۵ رجنوری ۱۹۸۷)

حکومت نے ان کی گرفتاری کے احکامات جاری کئے، انہوں نے وہ بھی مسترد کر دیئے، خبر ملاحظہ ہو:

"دادو سے نامہ نگار کے مطابق مانجھند پولیس نے سندھ کے معمر سیاستداں اور جئے سندھ تحریک کے بانی جی ایم سید کے خلاف حکومت کی جانب سے جاری کردہ گرفتاری کے وارنٹ کو تسلیم نہ کرنے کے الزام میں دفعہ ۱۳ ایم پی او کے تحت مقدمہ درج کرلیا ہے۔ پولیس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے حکم نامہ کی بے حرمتی کی ہے اور کہا کہ وہ پاکستان کو کسی بھی حالت میں نہیں مانتے ہیں اور انہیں سندھو دیش چاہئے۔ مانجھند پولیس نے جی ایم سید کے چالیس نامعلوم حامیوں جن میں کچھ ڈاکٹرز بھی شامل ہیں، کے خلاف پولیس اور مجسٹریٹ پر بندوقیں تان کر جان سے مارنے کی دھمکیاں دینے کے الزام میں دفعہ ۵۰۳، ۵۶۰، ۱۴۸ کے تحت مقدمہ درج کرلیا ہے۔ ادھر ضلع انتظامیہ آج تیسرے روز بھی جی ایم سید کو کراچی منتقل کرنے میں ناکام رہی۔ دریں اثنا ضلع انتظامیہ دادو کی ایما پر سول اسپتال دادو کے سول سرجن ڈاکٹر کیپٹن غلام سرور مستوئی نے سن میں جاکر جی ایم سید کا طبی معائنہ کیا۔ ادھر جی ایم سید کے آبائی گاؤں سن جس کا پولیس اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں

نے کچھ دیر کے لئے محاصرہ کیا تھا، حالات کو دیکھتے ہوئے اب
یہ محاصرہ مکمل طور پر ختم کردیا ہے، جبکہ انڈس ہائی وے پر سن سے
۴۰ کلومیٹر دور بعض مقامات پر پولیس کی خصوصی چوکیاں قائم
کردی گئی ہیں، جہاں آنے جانے والے مسافروں اور گاڑیوں
کی چیکنگ کی جارہی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس وقت جی
ایم سید کے حامیوں اور جیئے سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے
کارکنوں نے جو جدید اسلحہ سے لیس ہیں، پورے ''سن'' شہر کو
اپنے قبضہ میں لے لیا ہے، اور کسی بھی پولیس اہلکار کو سن شہر میں
داخل ہونے سے روک دیا ہے۔''

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۶رجنوری ۱۹۸۷ء)

جی ایم سید کے بارے میں ایک دلچسپ خبر یہ شائع ہوئی ہے کہ حکومت نے
جی ایم سید کو ''قومی شناختی کارڈ'' جاری کرنے کے لئے فارم دیئے۔ موصوف نے
مذہب کے خانہ میں ''مسلم'' کا لفظ لکھنے سے انکار کردیا، اس کی جگہ ''مذہب، نظر
بندی'' لکھا، اور تعلیم کے خانہ میں ''ان پڑھ'' لکھا، لیکن پاکستان کا ''قومی شناختی کارڈ''
ان کو پھر بھی جاری کردیا گیا۔ ''نوائے وقت کراچی'' ۲۴رجنوری ۱۹۸۷ء کی خبر ملاحظہ
فرمایئے:

''جی ایم سید کو غیرقانونی طور پر شناختی کارڈ جاری کیا
گیا تھا''

''کارڈ کے مجوزہ فارم پر مذہب کے کالم میں ''مسلم''
اور شہریت کے کالم میں پاکستانی لکھنے سے انکار کردیا۔''

''حیدرآباد ۲۳رجنوری (نمائندہ خصوصی) جیئے سندھ
تحریک کے سربراہ، جی ایم سید کے قومی شناختی کارڈ کو منسوخ

کرنے کے لئے وفاقی وزارتِ داخلہ کے ماتحت محکمہ شناختی کارڈ نے انتظامی کاروائی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جی ایم سید کو قومی شناختی کارڈ اسکیم کے تحت شناختی کارڈ نمبر ۳۰۸۰-۷-۶۶-۴۰ جاری کیا گیا تھا، لیکن شناختی کارڈ کے لئے مقررہ فارم کے کوائف بھرتے ہوئے جی ایم سید نے مذہب کے کالم میں مسلم اور شہریت کے کالم میں پاکستانی لکھنے سے انکار کیا تھا، اور قواعد و ضوابط کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے نظریات کی بنیاد پر شناختی کارڈ فارم پُر کیا تھا، جس کے مطابق انہوں نے مذہب کے کالم میں نظر بندی اور تعلیم کے کالم میں ان پڑھ لکھا تھا۔ محکمہ شناختی کارڈ کا کہنا ہے کہ قومی شناختی کارڈ اسکیم کے تحت متعلقہ فارم میں درخواست دہندہ کو اپنے مذہب، شہریت اور پیشے کے متعلق واضح معلومات لکھنا قانونی طور پر ضروری ہیں، لیکن جی ایم سید نے متعلقہ قانون کی دفعات سے انحراف کیا ہے، اس لئے محکمہ کی گشتی ٹیموں کی طرف سے انہیں شناختی کارڈ کا اجرا سرکاری احکامات کی صریح خلاف ورزی ہے۔ گشتی ٹیموں کو جی ایم سید کو شناختی کارڈ جاری کرنے کا قانونی طور پر اختیار نہیں تھا۔ ان ذرائع نے بتایا کہ جی ایم سید کے موجودہ شناختی کارڈ کو منسوخ کرکے انہیں قانون کے مطابق نئے شناختی کارڈ کے بنوانے کا موقع فراہم کیا جائے گا، وگرنہ جی ایم سید نیشنل رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء اور شہریت کے قوانین کے تحت خود بخود پاکستانی شہریت کے حق سے محروم ہوجائیں گے اور ان کے خلاف قانونی کاروائی کی جاسکے گی۔ ان ذرائع نے مزید بتایا کہ جی ایم سید نے

شناختی کارڈ فارم کے کالموں میں خود کو مسلمان اور پاکستانی ظاہر
نہیں کیا تو وہ پاکستانی شہری کی حیثیت سے بہت سی مراعات
حاصل نہیں کرسکیں گے جو ابھی تک انہیں ملی ہوئی ہیں۔''

ان خبروں سے جہاں حکومت کے ضعف و کمزوری بلکہ قابل رحم بے بسی کا اظہار ہوتا ہے، وہاں یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جی ایم سید کے افکار اب ایک انفرادی وشخصی نوعیت کا مسئلہ نہیں رہا، بلکہ ایک سنجیدہ قومی مسئلہ کی حیثیت اختیار کرچکا ہے۔ اندرون سندھ اور کراچی میں گزشتہ ایک عرصہ سے امن وامان کا مسئلہ جو نازک ترین صورت اختیار کر رہا ہے، دیگر اسباب وعلل کے علاوہ بہت ممکن ہے کہ اس کی تہہ میں جی ایم سید اور اس کے مکتب فکر کی ذہن سازی کا بھی کچھ دخل ہو......... اگر حکومت، پاکستان کی بقا وتحفظ میں واقعی مخلص ہے تو ان حالات میں اس پر بڑی بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اس سلسلہ میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تمام اسباب و عوامل کا سراغ لگایا جائے، جنہوں نے جی ایم سید کی تحریک کے لئے غذا مہیا کی ہے، جو شکایات مبنی بر صداقت نظر آئیں، ان کے فوری ازالہ کے لئے فوری اقدامات کئے جائیں، اور غلط پراپیگنڈے کے ذریعہ قوم کے ذہن میں جو غلط فہمیاں پیدا کردی گئی ہیں، اخلاص وتدبر کے ساتھ ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ

محمد وعلی آلہ وصحبہ واولیاء امتہ واتباعہ اجمعین

(بینات جمادی الاخریٰ ۱۴۰۷ھ)

اسبابِ تحریفِ دین

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانی تاریخ اور "قرآنی بینات" شاہد ہیں کہ انسان کی ابتدائے آفرینش ہی سے انسانی برادری کی رشد و ہدایت کے لئے وحی اور نبوت کا سلسلہ جاری فرمایا گیا۔ جب ایک نبیؑ دنیا سے تشریف لے جاتے تو امت کے بعض ناخلف، آسمانی ہدایت میں اغراض وخواہشات کی پیوند سازی کے ذریعہ تحریف کر ڈالتے، اس لئے ان تحریفات کی اصلاح صحیح احکام خداوندی کی نشاندہی اور انسانی آمیزش سے ان کی تطہیر کے لئے یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری رہا، تاآنکہ آنحضرت ﷺ آخری نبی و رسول کی حیثیت سے تشریف لائے۔ آپ کی لائی ہوئی کتاب کو آخری صحیفۂ ہدایت، آپ کی تشریف آوری کو آخری شریعت، آپ کی امت کو آخری امت اور آپ کے دین کو تمام ادیان کے لئے ناسخ قرار دیا گیا، جس کے لئے ضروری تھا کہ آپ کی شریعت، قیامت تک حالت اصلیہ پر باقی رہے اور آپ کی بعثت کے ابتدائی نقطہ سے لے کر ویرانی عالم کے آخری نقطہ تک (یعنی جب تک حق تعالیٰ کو اس عالم میں ہدایت کا رکھنا منظور ہے) نہ اسلام کی صحیح ہیئت کا تسلسل ایک لمحہ کے لئے ٹوٹنے پائے اور نہ مجموعی طور پر امت کے ہاتھوں سے معمولی وقفہ کے لئے بھی رشتۂ ہدایت چھوٹ سکے اور یہ جب ہی ممکن تھا کہ دین کے اصول و

فروع اس قدر مستحکم اور مضبوط کردیئے جائیں کہ وہ انسان کی قدیم فطرتِ تحریف کا شکار بن کر نہ رہ جائیں۔ یہ امر حقانیت اسلام کی مستقل دلیل اور نبی آخرالزماں ﷺ کا عظیم الشان معجزہ ہے کہ اسلام کو اپنے چودہ صدیوں کے طویل دور حیات میں ہزاروں حوادث سے ٹکرانا پڑا، سیکڑوں فتنوں سے پنجہ آزمائی کا موقع آیا، اپنوں اور بے گانوں کی لا تعداد سازشوں کا سامنا کرنا پڑا اور بے شمار طاغوتی قوتوں سے جو اپنی ہر قسم کی فرعون سامانیوں کے ساتھ اسے بالکلیہ مٹادینے اور صفحۂ ہستی سے نابود کردینے کے لئے تمام وسائل و ذرائع اور ہر ممکن تدبیر کو عمل میں لارہی تھیں۔ نبرد آزما ہونا پڑا، لیکن اسلام کے مقابلہ میں ان تمام باطل طاقتوں کو سرنگوں ہونا پڑا، اور اسلام اپنی شان وشوکت، تروتازگی اور رعنائی و دل فریبی کے ساتھ زندہ رہا، زندہ ہے، اور انشاً اللہ زندہ رہے گا۔

اسلام کے کینہ پرور دشمنوں نے کبھی استعماری حملے کئے اور کبھی اشتراکی، کبھی سیاست کے دریچہ سے اس پر تیر ونشتر چلائے اور کبھی فلسفہ اور سائنس کے دروازے سے، کبھی اس کی جانچ پرکھ کے لئے جاہلیت قدیمہ کے اصولوں کو معیار بنایا، اور کبھی اس کے فروع کا رشتہ اصول سے ٹوٹنے کے لئے جاہلیت جدیدہ اور تہذیب نو کے پیمانے تیار کئے، لیکن انہیں ہر موقع اور ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی، اور اسلام معجزانہ طور پر ہر قسم کے حملوں کی زد سے بچتا ہوا عالم کو منور کرتا رہا، اسلام دشمن قوتیں اپنی شقاوت میں مزید اضافہ تو کرسکیں لیکن اسلام کو چند روزہ پریشانی کے علاوہ کوئی صدمہ نہ پہنچاسکیں۔ ان خارجی اور داخلی حملوں کی فہرست میں ''فتنۂ تحریف'' بھی داخل ہے جو آج بھی ملک اور بیرون ملک میں بعض افراد اور اداروں کی جانب سے برپا کیا جارہا

ہے یعنی ''دین کے نصوص صریحہ کا انکار کرنا، یا نصوص میں کوئی ایسی تاویل کرنا جو انکار ہی کے مرادف ہو یا خرافاتی اوہام کو دین میں داخل کرنا۔'' آپ اسلامی تاریخ پر غور کریں گے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ سلف کی تعبیر سے کٹ کر نصوص کی نئی نئی تعبیروں نے ماضی میں خوارج، نواصب، روافض، معتزلہ، مرجیہ اور باطنیہ کو جنم دیا، اور آج اسی تحریف اور نئی نئی تعبیروں کے ذریعہ ربا، قمار، شراب اور دیگر خبائث کو عین اسلامی روح کے تقاضے بتلانے والی برادری قریب قریب تمام آزاد ممالک اسلامیہ میں جنم لے رہی ہے۔ ذیل میں ہم حکیم الامت حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی بے نظیر کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے چند اقتباس نقل کرتے ہیں، جن میں آپ نے ''اسباب تحریف دین'' پر بحث فرمائی ہے ان کی روشنی میں ہمارے لئے اس ''نومولود جماعت'' کے پس منظر اور آئندہ کے عزائم سمجھنا آسان ہوگا، و باللہ التوفیق۔ شاہ صاحب ''باب احکام الدین من التحریف'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ انسانیت کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دین لے کر آئے اور جس نے تمام ادیان کو منسوخ کردیا، ناگزیر تھا کہ وہ اس دین کو (اصولاً و فروعاً) اس قدر مستحکم کردے کہ اس کی طرف کسی قسم کی تحریف کا گزر نہ ہونے پائے اور یہ اس لئے کہ یہ دین بہت سی جماعتوں کا جامع ہوگا جن کی استعدادیں مختلف اور اغراض جدا جدا ہیں۔ پس بسا اوقات ایسا ہوگا کہ ان کی نفسانی خواہشات یا اس دین کی الفت

جس میں وہ رہ چکے ہیں یا فہم ناقص کہ ایک چیز ان کے ذہن
میں آ گئی اور بے شمار مصالح ان کی نظر سے غائب رہے، یہ امور
ان کو آمادہ کریں گے کہ وہ نصوص دین میں فروگزاشت کریں یا
دین میں ایسی چیزیں ٹھونس دیں جو حقیقتاً اس میں داخل نہیں، اس
طرز عمل سے دین مختل ہوکر رہ جائے گا، جیسا کہ ہم سے پہلے
بہت سے ادیان کے ساتھ یہی حادثہ پیش آیا۔" (ج:ا ص:۱۱۹)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں:

ا...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت چونکہ تمام شرائع کے لئے ناسخ ہے اس لئے اسے عقلاً اپنے اصول وفروع کے اعتبار سے اس قدر محکم ہونا چاہئے کہ اس میں کسی قسم کے تغیر وتبدل کی گنجائش نہ رہے، ورنہ اس استحکامی قوت کے بغیر اس شریعت کے ناسخ ہونے کا تصور بالکل بے معنی ہوکر رہ جائے گا۔ اس دین ناسخ کے متعلق بعض مستشرقین اور ان کی تقلید میں ان کے "مسلم نما" مشرقی شاگردوں کا نظریہ یہ ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت العمر صرف چند اخلاقی اصول بیان کرنے پر قناعت فرمائی اور عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کا کوئی مربوط نظام آپ نے اپنے پیچھے نہیں چھوڑا۔ اور یہ کہ موجودہ فقہی، کلامی اور اخلاقی نظام قرون وسطیٰ کے مفکرین کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔" یہ نظریہ نہ صرف عقلاً ونقلاً غلط اور ناقابل التفات ہے بلکہ اس آخری دین کے خلاف گہری سازش کا کرشمہ ہے، اس پر تفصیلی بحث کا موقع کسی دوسری فرصت میں ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲......شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے تحریف کا مفہوم بھی سامنے آ جاتا ہے، یعنی ''دین کے منصوص مسائل کو نظر انداز کرنا، یا ایسے امور کو دین میں ٹھونسنا جو اس میں داخل نہیں'' ......اب اس کے لئے ''اسلامی مسائل کے تغیر پذیر ہونے'' کا لقب ایجاد کر لیا جائے، یا ''معاشرتی ضروریات کے ساتھ اسلام کی ہم آہنگی'' کا عنوان تجویز کر لیا جائے، یا اسی قسم کا کوئی اور خوبصورت نام اس کو دے لیا جائے بہر حال عنوانات کی تبدیلی سے تحریف کی ماہیت نہیں بدلے گی۔ کسی دینی مسئلہ کا جس کا حکم کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے جب انکار کیا جائے گا یا اس کی ایسی تعبیر کی جائے گی، جو آنحضرت ﷺ سے لے کر ائمہ اجتہاد تک کی اجماعی تعبیر کے خلاف ہے تو اسے تحریف ہی کا نام دیا جائے گا۔ اسی طرح شریعت مطہرہ سے کٹ کر کسی دوسری ذہنیت کے پیدا کردہ مسائل کو، جن کا صحیح استنباط کتاب وسنت اور اجماع سے نہ ہو، اسلام کا نام دینے کے لئے خواہ پوچ دلائل کا کتنا بڑا انبار لگا دیا جائے، انہیں ''دینی مسائل'' کا نام نہیں دیا جاسکتا، بلکہ ایسا کرنے والے دین میں تحریف کرنے کے مجرم ہوں گے۔

شاہ صاحبؒ کے اس بیان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور کے ماہرین، اسلام کے منصوص اور قطعی مسائل میں جو قطع و برید کرتے ہیں اور مغرب کے لادینی نظریات کو بڑی جرأت سے اسلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں ان کی یہ مساعی کس قدر اسلام سے تطابق رکھتی ہیں؟

۳......شاہ صاحبؒ کی مندرجہ بالا عبارت میں تحریف کا مغز، خلاصہ اور جوہر تین چیزوں کو قرار دیا گیا ہے:

الف:...... نفس کی اغراض فاسدہ کی تسکین۔

ب:...... اسلام کے منافی نظریۂ حیات کے ساتھ اسلامی ہم آہنگی کی کوشش کرنا۔

ج:...... اور فہم ناقص کی وجہ سے اسلامی مسائل کی کسی ایک مصلحت کو لے اڑنا اور دیگر بے شمار مصالح کو نظر انداز کر دینا۔

متجددین کے نو مولود گروہ کی جانب سے بڑی بے دردی کے ساتھ اسلامی مسائل میں تراش خراش کا جو سلسلہ جاری ہے، اگر اس کے اول و آخر پر بہ نظر غائر غور کیا جائے تو تحریف کے ان عوامل ثلاثہ کا رنگ صاف جھلکتا نظر آئے گا۔ اسلام کے اصل مقاصد کو سامنے رکھنے کے بجائے محض ہوا و ہوس اور اغراض فاسدہ کو مقاصد کا نام دے دیا گیا ہے، اسلام کو مغربی معاشرت اور کمیونزم میں مدغم کر ڈالنے کا جذبہ پوری طرح نمایاں ہے، ان تجدد پسندوں کی زبان سے بعض دفعہ بلا اختیار نکل جاتا ہے کہ: ''موجودہ دور کا کامیاب مذہب کمیونزم ہے'' اور بار بار اعلان کیا جاتا ہے کہ اسلام کو دور حاضر کی ضروریات پر منطبق کرنے کے لئے شراب اور ربوا کی حرمت پر آزادانہ نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے، یا نو آزاد اسلامی ممالک کو اقوام عالم کے دوش بدوش ترقی کرنے کے لئے اسلام کے نظام زکوٰۃ میں تبدیلی لازم ہے، چنانچہ سرود، غنا، تصویر اور عریانی کی حرمت کو غلط ثابت کرنے کے لئے مقالات سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔ نہ صرف معاملات اور سیاسیات بلکہ عبادات کے متعلق یہ نظریہ بڑی بلند آہنگی سے دہرایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز جیسی بنیادی عبادت کے لئے بھی کوئی غیر متبدل نظام اوقات نہیں چھوڑا، اور ان تمام مباحث کو اٹھاتے ہوئے فہم ناقص کا وہ

عجیب منظر پیش کیا جاتا ہے جسے دیکھ کر معمولی بصیرت کا آدمی بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے ''حفظت شیئاً و غابت عنک شیئاً'' یعنی (تو نے ایک چیز یاد رکھی اور بہت سی چیزیں تجھ سے غائب رہیں) شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور چونکہ وہ تمام اسباب جن سے دین میں خلل واقع ہوسکتا ہے، ان کا احاطہ ممکن نہ تھا کیونکہ نہ وہ محصور ہیں نہ متعین، اور یہ بھی واضح ہے کہ جو چیز بتمامہ حاصل نہ کی جاسکے اسے بالکلیہ چھوڑا بھی نہیں جاسکتا اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اولاً اجمالاً تمام اسباب تحریف سے خوب خوب ڈرا دیا جائے اور ثانیاً ایسے چند مسائل خصوصی طور پر ذکر کردیئے جائیں جن کے متعلق معلوم ہے کہ ان میں یا ان جیسے مسائل میں تہاون برتنا اور تحریف کرنا بنی آدم کا دائمی روگ اور سنت جاریہ ہے، پس ان مسائل سے فساد کے تمام سوراخ پوری طرح بند کردیئے جائیں اور ثالثاً ایسی چیز مشروع کی جائے جو ملل فاسدہ کے مالوف کے خلاف ہو ایسے امر میں جو ان کے نزدیک زیادہ مشہور ہے مثلاً نمازیں۔''
(حجۃ اللہ البالغہ طبع منیریہ ج:۱ ص:۱۲۰)

تہاون:

اسباب تحریف میں ایک بڑا سبب تہاون یعنی نظروں میں دین کی بے حرمتی اور اس کی طرف سے بے التفاتی ہے۔

تہاون کا مطلب یہ ہے کہ دین کے سچے اور مخلص متبعین کے بعد
ایسے ناخلف پیدا ہوجائیں گے جو نماز کو غارت کریں گے،
شہوات کی پیروی کرنے لگیں گے۔ انہیں نہ تو دین کے درس و
تدریس اور عمل میں دلچسپی رہے گی، نہ وہ نیک کاموں کا حکم
کریں گے اور نہ منکرات سے روکیں گے۔ اس صورت حال
سے بہت جلد دین کے خلاف رسمیں قائم ہوجائیں گی اور طبائع
کی رغبت شرائع کے خلاف ہوجائے گی۔ ان کے بعد کچھ ناخلف
اور پیدا ہوں گے جو تہاون میں پیش رووں سے بھی بڑھ جائیں
گے، یہاں تک کہ علم کا بڑا حصہ نسیاً منسیاً ہوکر رہ جائے گا۔"

(ج:۱ص:۱۲۰)

شاہ صاحبؒ نے ان چند جملوں میں کہنا چاہئے کہ ہمارے دور الحاد میں اسلام کی نازک صورت کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ دو ڈیڑھ سو سال پہلے جب یورپ کا دیو استبداد، ممالک اسلامیہ پر مسلط ہوا اور یورپ نے ہماری سیاسی اور مادی قوت کو بری طرح پامال کیا تو دینی تہاون پسندی کے تمام اسباب بھی جمع کردیئے گئے۔ ایک طرف دین کی نشر و اشاعت، تعلیم و تعلم، اور علم و عمل کی تمام دلچسپیاں چھین لی گئیں، دینی علم کے محافظین علمائے کرام کو جو زمانے کے سرد و گرم سے بے نیاز ہوکر اپنی عسرت و بے سروسامانی اور مال و دولت سے تہی دامنی پر فخر کرتے ہوئے اسلام کے خزانۂ عامرہ کی حفاظت پر اپنی تمام ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو صرف کررہے تھے، قل اعوذیے، مسجد کے مینڈھے، بسم اللہ کی گنبد کے مکین، گدائی کے ٹکڑے توڑنے والے،

ملت کے لئے باردوش اور نہ معلوم کیا کیا خطاب، صاحب بہادر کے اشارۂ چشم و ابرو پر دیئے جانے لگے۔ مسلمانوں میں دین بیزاری کا زہر پھیلانے کے لئے علماً اسلام کی ہرممکن تحقیر و تذلیل کی گئی۔ بار بار یہ سوال اٹھایا جاتا کہ مسجد کے یہ درویش کیا کھائیں گے ؟اور کہاں سے کھائیں گے؟ امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کو آزادیٔ فرد کے خلاف کہہ کر رد کردیا گیا، نماز، روزہ اور دیگر دینی اشغال و اعمال، تضیع اوقات کے اسباب بتلائے جانے لگے، حرص وھوا اورشہوت پرستی میں بہیمانہ مظاہرکوترقی کا نام دیا جانے لگا، شہوت انگیز اسباب کوفیشن کلچر اور آرٹ بنادیا گیا، صنف نازک کو مساوات مرد و زن کے عنوان سے زینت خانہ کی بجائے مشعل محفل بنایا گیا، پھر مغرب کے نظام تعلیم کو اسکول، کالج، یونیورسٹی کی شکل میں تمام ممالک اسلامیہ میں کچھ اس انداز سے پھیلایا گیا کہ جدید تعلیم یافتہ مسلمان، نہ صرف سیاسی، سماجی، معاشی اور عمرانی مسائل، یورپ کے مخصوص طرز تعلیم اور خدا سے باغیانہ ذہنیت کے ذریعہ حاصل کرنے پر مجبور ہوا، بلکہ خود اسلام، اسلامی تاریخ، اسلامی عقائد، اسلامی فقہ، اسلامی سیاسیات اور اسلامی معاشیات کے لئے بھی مغربی مستشرقین کے فلسفۂ ارتقاً کا اسے ممنون ہونا پڑا، اسلام کی اس استشراقی تعلیم نے دین سے نفرت اور بے زاری کا جو زہر پھیلایا اور تعلیم یافتہ طبقہ میں الحاد اور تشکیک کی جو روح پھونکی اس پر علامہ اقبالؒ جیسے درد مندانِ ملت کو چار آنسو رونا پڑا:

جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا
آئی یہ صدا تعلیم سے پاؤگے اعزاز

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو ملی طائرِ دیں کر گیا پرواز

پانی نہ ملا زمزمِ ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

یہ ذکر حضورِ شہِ یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز

خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم
دیبا نتواں یافت ازاں پشم کہ رشتیم

کبھی مغرب کے فلسفۂ تعلیم کو اس سوز دروں سے بیان کرنا پڑا:

تعلیم کا یہ فلسفۂ مغربی ہے کہ
ناداں ہیں جن کو ہستیٔ غائب کی ہے تلاش

محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش

کبھی ان کے لب خنداں سے اس تیشۂ فرہاد پر ماتمی فریاد یوں نکلی:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

الغرض دین فراموشی کے ان دوطرفہ عوامل نے شاہ صاحبؒ کے اس فقرہ کا دردناک منظر آنکھوں کے سامنے کردیا۔ ''**فینعقد عما قریب رسوم خلاف الدین و تکون رغبة الطبائع خلاف رغبة الشرائع۔**'' یعنی نماز کو غارت کردینے، شہوات کے پیچھے دوڑنے، منکرات کے پھیل جانے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک ہوجانے سے جلد ہی بہت سی رسوم خلاف دین قائم ہوگئیں اور طبائع کی رغبت شرائع کے خلاف ہوگئی:

تھا جو نا خوب ، وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اور یہ قصہ یہیں ختم ہوجاتا تو شاید کسی درجہ میں قابل اصلاح ہوتا، لیکن ہوا یہ کہ جب ممالک اسلامیہ مغربی استعمار سے آزاد ہوئے تو برسر اقتدار وہ لوگ آئے جو یورپ کی تہذیب میں رنگے ہوئے اور یورپ کے فلسفہ سے نہ صرف متفق اور متأثر تھے بلکہ اس سے مرعوب تھے، مادیت کے دلدل میں اسلام کا فلسفۂ حیات ان کے لئے ناقابل برداشت بوجھ تھا اور اسلام کے مزعومہ مقاصد کے راستہ میں سنگ گراں تھا، اس طویل عرصہ میں ہرایک ملک کے اندر ان ڈاکٹروں کی کافی تعداد تیار ہوچکی تھی جن کی تعلیم و تربیت ساخت و پرداخت اور تہذیب و اصلاح یورپ کی یونیورسٹیوں میں یہودی اور عیسائی اساتذہ کے ذریعہ مخصوص فلسفۂ تعلیم کے تحت ہوئی تھی، اس لئے

وہ نظریات و افکار، تہذیب و تمدن، اخلاق و اعمال، عقل و فہم، قلب و دماغ اور اوضاع و اطوار میں اپنے اساتذہ کا مثنیٰ، ان کے مخصوص فلسفہ کے وارث، ان کی ذہنیت کے حامل اور لارڈ میکالے کی اس پیش گوئی کی منہ بولتی تصویر تھے:

> ''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان ترجمان ہو، یہ ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون و رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، سمجھ اور اعتقاد کے اعتبار سے انگریز ہو۔''

''یہی خون و رنگ کے اعتبار سے مسلم'' اور ذوق، الفاظ و فہم کے اعتبار سے واقعتہً ''انگریز'' تو آزاد اسلامی ممالک کے مقنن قرار پائے، جن کے عقائد متزلزل، اعمال معدوم، اخلاق غائب اور اسلام کا صحیح فہم ناپید تھا۔ ان کے پاس جو متاع عزیز رہتی، وہ صرف ان کے عیسائی اور یہودی اساتذہ کا فراہم کردہ سرمایۂ تشکیک و تذبذب تھا، ان کے نزدیک اصل سوال شرائع کے نفاذ کا نہیں تھا بلکہ رغبت طبائع کے دھارے میں بہہ نکلنے کا تھا، وہ ماضی سے افسردہ، اسلامی ورثہ سے مایوس، اسلاف کی محنت سے نالاں اور قدیم اسلام کا نام لینے والوں پر خندہ زن تھے، ان کا عقیدہ تھا (اور یہ عقیدت اپنے اساتذہ کے بارے میں ایک فطری امر بھی تھا) کہ اسلام کی صحیح روح، صحیح مزاج اور گہرے فلسفہ کو صرف ان مستشرقین نے سمجھا ہے، انہیں یہ باور کرایا گیا کہ قرون وسطٰی کے ائمہ، محدثین، فقہاءٔ، متکلمین، صوفیاءٔ، اور علماءٔ، نہ صرف یہ کہ اسلام کی حقیقی روح اور فلسفہ کو سمجھنے سے قاصر رہے، بلکہ ان کی شریعت سازی نے اسلام کو جامد اور غیر متحرک بنا کر رکھ دیا، جس کی وجہ سے قرون وسطٰی کے اسلام میں جدید معاشرہ کی

روز افزوں ضروریات کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رہی۔ ان میں سے بعض تو صاف صاف سیکولریت (لا مذہبیت) کا نعرہ لگانے لگے، بعض نے کمیونزم کو اسلامی روح قرار دیا، اور بعض نے قدیم اسلام کو یکسر مشکوک قرار دے کر نئی تعبیر اور تحریف کے زور سے جدید اسلام کے کل پرزے تیار کرنا شروع کردیئے۔ مجموعی طور پر ان لوگوں میں تہاون اور دین بے زاری کا ذوق مزید سے مزید اور شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا، اور صورت حال کا وہی نقشہ سامنے آیا جسے شاہ صاحبؒ نے اس فقرہ میں بیان فرمایا ہے:

''پھر ان دین فراموشوں سے بھی بڑھ کر کچھ نا خلف اور آئے جو تہاون میں بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ علم دین کا بڑا حصہ نسیاً منسیاً ہوکر رہ گیا۔'' (**حتی ینسی معظم العلم**)

''علوم کا بڑا حصہ'' سلف کی تفسیر ان کے نزدیک غلط قرار پائی۔ حدیث زمانۂ مابعد کی پیداوار، فقہ علماً کے جمود کا نشان، عقائد و کلام قرون وسطیٰ کی ستم ظریفی، احسان وتصوف جوگیانہ اعمال و اشغال کا مجموعہ، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس کے علاوہ علم کا باقی حصہ رہ ہی کتنا جاتا ہے؟ اس لئے تحریف کے لئے میدان صاف تھا اور ان کی تحریف پر ٹوکنے والے علماً مورد عتاب، اور چونکہ یہ تہاون پسند اقتدار و اختیار کی وجہ سے قوم کے رئیس اور قائد تھے، اور شاہ صاحبؒ کے بقول:

''اور تہاون جب قوم کے رؤسا اور بااثر افراد کی جانب سے ہوتو نہایت مضرت رساں اور فساد انگیز ہوتا ہے۔''

(ج:۱ ص:۱۲۰)

اس لئے اس کا نتیجہ پوری ملت کے حق میں مذہبی گرفت کی کمزوری، عقائد میں تذبذب اور اعمال میں سستی جیسے تباہ کن اثرات کے ساتھ نمودار ہوا، ہمیں یہ اصرار نہیں کہ یہ سب کچھ نیت اور ارادے کے کھوٹ کی وجہ سے وجود میں آیا بلکہ ان میں سے بہت سے افراد ملت کے بہی خواہ اور نیک نیت بھی ہونگے، لیکن اس کا کیا علاج کیا جائے کہ زہر کو اگر زہر سمجھ کر کھالیا جائے، وہ جب بھی قاتل ہے، اور اگر نادانی سے تریاق کا نام دے کر، اور واقعۃً پوری دیانتداری کے ساتھ اسے تریاق سمجھ کر کھالیا جائے، وہ جب بھی قاتل ہی رہے گا۔ کسی کی نیک نیتی، دیانتداری اور خوش فہمی، ظاہر ہے کہ تریاق کو زہر، اور زہر کو تریاق بنا ڈالنے سے معذور ہے۔

ہم اس مضمون میں بتلا چکے ہیں کہ شاہ صاحبؒ نے تحریف دین میں ردوبدل کرنے کا بنیادی سبب تہاون فی الدین بتایا ہے، اس تہاون فی الدین نے ممالک اسلامیہ میں کس طرح جڑیں مضبوط کیں اور اس ''دینی کم وقعتی'' کی بدولت متجد دین کا نومولود فرقہ کس طرح وجود میں آیا، اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ ہمیں بتلاتے ہیں کہ اس تہاون کا ظہور کن کن شکلوں میں ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اور تہاون کا مبدا چند امور ہیں:

الف:......صاحب مذہب ﷺ سے مذہبی امور کا نقل نہ کرنا اور ان پر عمل نہ کرنا۔ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث میں یہی مراد ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ، عنقریب ایسا ہوگا کہ پیٹ بھرا آدمی اپنی مسند پر بیٹھ کر یہ کہے گا: ''اس قرآن کو مضبوطی سے لو، پس جو چیزیں قرآن میں حلال پاؤ ان کو حلال سمجھو، اور جو حرام پاؤ ان کو

حرام سمجھو، حالانکہ جو شئ رسول اللہ ﷺ نے حرام کی ہے وہ بھی ویسی ہی حرام ہے جیسی خدا تعالیٰ کی حرام کی ہوئی۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''خدا تعالیٰ علم کو لوگوں کے دلوں سے بھلا کر دور نہ کرے گا بلکہ علماء کو ختم کر کے علم چھین لے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، لوگ ان سے مسائل دریافت کریں گے، وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، اس لئے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

ب:......اور دین میں سستی (تہاون) کے اسباب میں سے ایک سبب غرض فاسد ہے جس کی خاطر لوگ جھوٹی تاویلیں کرتے ہیں، جیسے بادشاہوں کی خوشنودی کی خاطر ان کی خواہش نفسانی پورا کرنے کے لئے لوگ کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو لوگ کتاب الٰہی کے احکام کو، جو منزل من اللہ ہے چھپاتے ہیں اور ان کے عوض کچھ قیمت لے لیتے ہیں وہ اپنے شکموں میں آگ کو کھاتے ہیں۔''

ج:......اور ان اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ لوگوں میں برائیاں پھیل جاتی ہیں اور علماء ان سے لوگوں کو باز نہیں رکھتے۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے: ''پس تم سے پہلی نسلوں میں سے اہل فضل، زمین میں فساد کرنے سے منع

کرنے والے کیوں نہ ہوئے، سوائے ان چند لوگوں کے جن کو
ہم نے ان میں سے بچالیا، اور ظالم اسی چیز کے پیچھے پڑے جس
میں ان کو فارغ البالی دی گئی تھی اور وہ مجرم بن گئے۔"

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے "جب بنی اسرائیل
گناہوں میں مبتلا ہوگئے تو ان کے علماً نے ان کو روکا، لیکن وہ باز
نہ آئے، پس علماً بھی ان کی مجلسوں میں شریک ہونے لگے اور
ان کے ساتھ کھانے پینے لگے تو خدا تعالیٰ نے سب کے دل
ایمانی بصیرت کی گمشدگی میں یکساں کردیئے اور حضرت داؤد اور
حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی، یہ لعنت ان
کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہوئی۔"

(اردو ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ نور محمد کراچی)

شاہ صاحبؒ نے دینی بے وقعتی، مذہب بے زاری اور دینی امور میں تساہل پسندی، جس سے تحریف کے سوتے پھوٹتے ہیں، کے اسباب اور مبادی تین بیان فرمائے:

الف:......آنحضرت ﷺ کے فرامین کو روایۃً وعملاً نظرانداز کردینا۔

ب:......حکام کی غلط خواہشات کی موافقت اور ان کی رضا جوئی اور اغراض فاسدہ کے موافق دین کو ڈھانے کی فکر کرنا۔

ج:......معاشرہ میں منکرات کا پھیل جانا اور اہل علم اور اصحاب اقتدار کا ان کے انسداد کے لئے کوئی مؤثر قدم نہ اٹھانا۔

بدقسمتی سے اس تحریفی سرچشمہ کے تمام مبادی ہمارے یہاں جمع ہوگئے ہیں

اور ان کو فراہم کر لیا گیا ہے۔

ا:...... چنانچہ آنحضرت ﷺ سے روایت شدہ صحیح احادیث، جن کو ہر طرح سے جانچ پرکھ کر صحاح میں جمع کر دیا گیا ہے، اور ہر حدیث کو پوری تنقید اور جرح و تعدیل کے ساتھ اپنی ذمہ داری کا فوق العادت ثبوت دیتے ہوئے محدثین نے انہیں قبول کیا ہے، کو نہ صرف عملاً ترک کر دیا گیا بلکہ نظریاتی حیثیت سے بھی ان کی قیمت صفر کر دی گئی ہے۔ ''قرون اولیٰ کے تشکیلی دور کے بعد کا اسلام'' جیسے مقالات کے ذریعہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ احادیث جن کا تعلق عقائد و اعمال سے ہے، فقہی و کلامی احادیث، قرون وسطیٰ کی پیداوار ہیں، ائمہ دین نے اپنے رجحانات اور احساسات کو حدیث کی شکل میں آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر دیا، بیشتر احادیث کی نسبت آپ کی طرف نہ صرف مشکوک ہے بلکہ قطعی غلط ہے، ستم ظریفی کی حد ہے کہ شریعت اسلامیہ کے مصدر دوم ''حدیث نبویؐ'' کے متعلق ٹھیک وہی جاہلی نظریہ نئی تکنیک کے ساتھ دہرا دیا گیا، جو مشرکین مکہ اس کے مصدر اول ''قرآن مجید'' کے متعلق پیش کیا کرتے تھے، انہوں نے قرآن کو اساطیر الاولین (پہلے لوگوں کی کہاوتیں) کہا تھا اور جاہلیت جدیدہ کے پیدا کردہ متجددین حدیث کے متعلق کہتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ:

> ''ہم نے بار بار یہ بات دہرائی ہے، بلکہ اتنی بار کہ ہمارے بعض قاری ہم سے اکتا گئے ہوں گے، کہ اگرچہ احادیث کی بنیاد سنت نبوی پر ہے لیکن فی الواقع وہ مظہر ہیں، سلف صالحین کی اس سنت کی جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے سانچے میں ڈھلی تھی، درحقیقت بیشتر احادیث مجموعہ ہیں ان کہاوتوں

جیسے مقولوں کا جن کی تراش خراش خود قرون اولیٰ کے
مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پائی مگر انہیں رسالت مآبؐ کی
طرف نسبت کردیا گیا، یہ نسبت سراسر بے بنیاد تھی۔ اگرچہ ان
مقولوں میں کہاوتوں کا اسلوب پایا جانا خود اس بات کی شہادت
ہے کہ یہ نسبت تاریخی صحت سے محروم ہے۔''
(فکرونظر ج:۱ ش:۷ ص:۱۷)

آج کھلے بندوں قرآن کی ابدیت کے عنوان سے شریعت محمدیہ کو مسخ کردینے کی اپیلیں کی جاتی ہیں، بتلایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دینی عبادات، معاملات، خصومات اور اختلاف کا کوئی مرتب نظام نہیں چھوڑا، قرآن نے صرف چند ''اخلاقی اصول'' کے بیان پر قناعت کی ہے اور وہ بھی زمان و مکان کی بندشوں میں محبوس ہیں۔ قرآن و حدیث کے نصوص کے متعلق باور کرایا جاتا ہے کہ نہ ان کو بعینہ نافذ کیا جاسکتا ہے، نہ اس ترقی یافتہ دور میں ان پر عمل ممکن ہے۔ قرآن و حدیث کے نصوص کو ان کی حالت اصلیہ پر باقی رکھنے پر رجعت پسندی، قدامت پرستی کا طعنہ دے کر ان نصوص کا تمسخر اڑا دیا جاتا ہے۔ صاحب ملت ﷺ کی احادیث کے بالمقابل ''سنت جاریہ'' کی اصطلاحیں وضع کرتے ہوئے دینی تحریف کا دروازہ بڑی جرأت سے کھولا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی احادیث صحیحہ متواترہ کو محض ظن وتخمین اور وہم وتخیل کے چٹکلوں سے جھٹلایا جاتا ہے، مثلاً تصاویر کی حرمت کا انکار محض اس دلیل سے کیا جاتا ہے کہ حدیث نبوی ''المصورون اشد عذاباً یوم القیامة'' کا مفہوم ان کے فہم نارسا میں نہیں آتا، گویا ایک فرد یا گروہ کا عدم فہم، جس کا دوسرا نام جہالت ہے، احادیث نبوت کے غلط، جعلی اور جھوٹی ہونے کی سب سے بڑی دلیل

ہے۔ الغرض موجودہ دور کے نومولود مجدّدین، بلفظ صحیح مُحرِّفین کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی احادیث، خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہوں، قطعی مشکوک اور ناقابل اعتماد ہیں، اس لئے ان کے مصنوعی پیمانوں کے بغیر ان کی روایت یا ان پر عمل کا سوال ہی بے سود ہے، ان کے رسائل اور مصنفات میں احادیث رسول ﷺ، روایت اور عمل کی غرض سے نقل نہیں کی جاتیں، بلکہ ان کی تکذیب، تضاد بیانی اور مختلف پہلوؤں سے ان کی بے اعتمادی کے وصف کو نمایاں کرنے کے مقصد سے ان کو نقل کیا جاتا ہے، تاکہ ملت کو حدیث نبویؐ سے برگشتہ کیا جاسکے، البتہ جو روایات ان کی ہوا و ہوس، اغراض و خواہشات اور مزعومہ مقاصد کے لئے کسی درجہ میں مفید ہوں، خواہ وہ واہی تباہی ضعیف اور شاذ نوعیت ہی کی کیوں نہ ہوں، ان کے لئے قابل تسلیم ہوتی ہیں، گویا تہاون کا دوسرا سبب جو شاہ صاحبؒ نے بیان فرمایا:

ب: اغراض فاسدہ کا اتباع:

یعنی اغراض فاسدہ کی تسکین ہے۔ روایات بھی صرف اسی کا آلۂ کار ہونی چاہئیں اور اغراض فاسدہ کا اصل الاصول حضرت شاہ صاحبؒ کے منقولہ بالا اقتباس میں حکامِ وقت کے اشارہ کی تعمیل، ذکر کیا گیا ہے، یہ سبب بھی ''گروہ نو مولود'' میں پوری طرح نمایاں ہے۔ اگر عائلی قوانین کو عین تقاضائے کتاب وسنت ثابت کرنے کی ضرورت ہو تو تمام تحریفی ادارے حرکت میں آجائیں گے، یتیم پوتے کی میراث سے لے کر تین طلاقوں کے رجعی ہونے تک کے لئے روایات کا دفتر کھنگال دیا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ائمہ اربعہ کا توڑ کرنے کے لئے شیخ ابن تیمیہؒ اور مولانا سندھیؒ کے ناموں کا ورد شروع ہوجائے گا، اگر حکومت کی منشاء نظر آئے کہ بنکاری نظام کو اسلامی معاشیات کے سانچے میں ڈھالنا وقت کا اہم تقاضا ہے تو خود اس نظام

میں تبدیلی کی تجویز اور اس کی ممکنہ تدابیر پیش کرنے کی بجائے سود کی حلت ثابت کرنا شروع ہوجائے گی، اور تابعینؒ کے اقوال کا بلافہم و تدبر سہارا لے کر آنحضرت ﷺ کی احادیث صحیحہ، صریحہ، متواترہ اور متفق علیہا کو غلط ثابت کر دیا جائے گا

(ملاحظہ ہو مقالہ ''ربوا'' مشمولہ فکر ونظر ج:۱ شمارہ:۵)

اگر حکام کے خیال میں خاندانی منصوبہ بندی، قطع نسل یا تحدید نسل ضروری نظر آئے، تو جائز و ناجائز کے حدود کی پروا اور عواقب و خطرات پر نظر کئے بغیر، کتابوں پر کتابیں اور مقالوں پر مقالے تصنیف ہونے شروع ہوجائیں گے، اگر لوگوں میں سرکاری محاصل کی ادائیگی میں سستی نظر آنے لگے تو ''جامع ٹیکس'' کی اہمیت یاد دلانے کے پیش نظر ''ٹیکس'' کو ''اسلام کے نظام زکوٰۃ'' میں جگہ دینے کے لئے ہر گرا پڑا مواد فراہم کرنا شروع کردیا جائے گا، اور اس کے لئے معاشیاتی پیچیدگی، معاشرتی ضروریات، اور مملکتی ترقیات کے وظیفوں کے علاوہ ''دوگونہ وفاداریوں'' کے عفریت سے بھی ڈرایا جانے لگے گا، الغرض تہاون کے یہ دونوں مبادی ترک روایت اور اغراض ہمارے ان دردمندانِ ملت کے لئے سرمایۂ حیات اور مبلغ علم ہیں۔

ج: منکرات کا پھیلاؤ اور ان پر نکیر نہ کرنا:

رہی شاہ صاحبؒ کی بیان فرمودہ تہاون کی تیسری علت یعنی منکرات کی اشاعت اور علماء کی خاموشی، وہ ہمارے ماحول میں الم انگیز صورت اختیار کئے ہوئے ہے، اعلیٰ سطح سے نیچے کی سطح تک ملت کا کون سا طبقہ منکرات، بدعات، معاصی اور حق تعالیٰ کی نافرمانی میں غرق نہیں؟ الا ما شاء اللہ، ہر طبقہ میں خدا کے نیک دل بندے بھی ابھی موجود ہیں، ان مستثنیات کو چھوڑ کر حاکم، محکوم، راعی، رعایا، امیر، غریب، مالک،

مزدور، کسان، زمیندار، شہری، دیہاتی تک ہر طبقہ میں ظلم و تعدی، رشوت ستانی، منافع خوری، بے رحمی اور مردم آزاری کا دور دورہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام امور جن کو زندہ کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ تشریف لائے تھے، وہ دن بدن ہماری غفلت کی وجہ سے مٹتے جارہے ہیں، اور وہ تمام امور جن کو مٹانے کے لئے آپ ﷺ مبعوث ہوئے تھے، بڑی تیزی سے امت ان کو اپنائے چلی جارہی ہے۔ متجددین کا یہ نو مولود فرقہ نہ صرف یہ کہ ان کے خلاف کوئی آواز اٹھانے سے معذور ہے بلکہ بہت سے امور منکرہ خود ان کے دم قدم سے زندہ ہیں، اور علمائے ربانیین کا وہ طبقہ جن کو علمی رسوخ، دینی فہم، اسلامی بصیرت اور ایمانی ذوق نصیب ہے، ان کی آواز رسوم و بدعات کے غل غپاڑے اور دجل و تلبیس کے نقار خانے میں طوطی کی آواز بن کر رہ جاتی ہے، ان پر رجعت پسند، قدامت پرست، رفتار زمانہ سے غافل، دنیا سے اندھے، اسلامی روح سے ناآشنا، جمود اور تعطل کے زخم خوردہ، وغیرہ آوازے اتنی قوت، اتنی شدت اور تکرار سے کسے جاتے ہیں کہ ان کی تمام اصلاحی سرگرمیاں غیر مؤثر ہوکر رہ جاتی ہیں۔ اس صورت میں ان کی یہی خدمت یقیناً بڑی خدمت ہے کہ وہ اس تحریفی طوفان اور تلبیسی سیلاب میں اسلامی ورثہ کی حفاظت میں منہمک رہیں، اور تاحد امکان تقریراً، تحریراً، زبان و قلم سے امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور احیائے سنت کا فریضہ بجالاتے ہیں، بلاشک خدا کے یہ مخلص بندے اس سے غافل نہیں۔

فجزاهم الله احسن الجزاء، و رزقنا اتباعهم۔

تحریف کا ایک اور سبب ''اجماع''

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''اور اسباب تحریف میں سے اجماع کی پیروی ہے
اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ حاملین دین کا ایک فرقہ جس کی
نسبت عام لوگوں کا یہ گمان ہو کہ ان کی رائے اکثر یا ہمیشہ صحیح
ہوتی ہے، کسی امر پر اتفاق کرلیں اور اس اتفاق سے یہ خیال کیا
جائے کہ ثبوتِ حکم کے لئے یہ قطعی دلیل ہے اور یہ اجماع ایسے
امر میں ہے، جس کی قرآن و حدیث میں کوئی اصل نہیں۔

فائدہ: یہ اجماع اس اجماع کے علاوہ ہے جس پر
امت کا ''اتفاق'' ہے، کیونکہ سب کے سب علمأ ایسے اجماع پر
متفق ہیں جس کی سند قرآن و حدیث میں ہو یا ان دونوں میں
سے کسی نہ کسی سے مستنبط ہو، اور علمأ نے ایسے اجماع کو جائز قرار
نہیں دیا جس کی سند قرآن و حدیث میں کوئی نہ ہو، چنانچہ اس
قول الٰہی میں اسی کی طرف اشارہ ہے: ''اور جب کفار سے کہا
جاتا ہے کہ ان چیزوں پر ایمان لے آؤ جو خدا تعالیٰ نے نازل
کی ہیں، تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو ان ہی باتوں کی
پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔''

(اردو ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص:۲۶۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

یہ اقتباس اس اجماع سے متعلق چند اہم مسائل پر روشنی ڈالتا ہے:

۱......اول یہ کہ اجماع کی دو قسمیں ہیں:

الف:......کسی گروہ، جماعت، ملک یا کسی خاص طبقہ کا اپنے مخصوص حالات
کی آڑ لے کر، کسی ایسے امر پر اتفاق کرلینا جس کی قرآن و حدیث میں کوئی اصل نہ

ہو، یہ اجماع نہ صرف غیر صحیح ہے بلکہ تحریف دین اور دینی مسائل کے بدلنے کی ایک شکل ہے۔

ب:......امت کا وہ اتفاقی اجماع جس کا استناد قرآن وحدیث کی صریح نص، یا ان کے استنباط پر ہو، یہ اجماع نہ صرف دینی حجت ہے بلکہ اس کا انکار یا اس میں تبدیلی بھی تحریف میں داخل ہے، اس لئے کہ ایسا اجماع، مسئلہ اجماعیہ میں نص ہی کا درجہ رکھتا ہے۔

۲......دوم یہ کہ اجماع صحیح کا استناد کبھی قرآن و حدیث کی نص صریح کی بجائے ان کے استنباط پر بھی ہوتا ہے اور بسااوقات ممکن ہے کہ وجہ استنباط اس قدر خفی ہو کہ عقل عامہ اس کی دریافت سے قاصر ہو، یا اہل اجماع کے پیش نظر حدیث ہو، لیکن بعد میں وہ شہرت پذیر نہ رہی ہو، اس لئے اجماع صحیح بجائے خود صحت قطعیہ ہے اور اسے محض اسی وجہ سے رد نہیں کیا جاسکتا کہ بعد والوں کو سند اجماع پر اطلاع نہیں ہوسکی، فرض کیجئے کہ دور صحابہؓ میں کسی مسئلہ پر اجماع ہوجاتا ہے اور کسی صحابی سے اس کا خلاف منقول نہیں۔ اب اگر اس کو رد کردیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کی مجموعی تعداد بھی قرآن و حدیث کے صحیح فہم سے محروم رہی، معاذاللہ (قرآن مجید کی آیت ''وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ'' اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد ''لن یجتمع امتی علی الضلالۃ'' میں اسی طرف اشارہ ہے)۔

۳......سوم یہ کہ امت کے تمام اجماعی مسائل باتفاق امت، قرآن وحدیث کے نص یا استنباط پر مبنی ہیں، امت کا کوئی اجماعی فیصلہ اس استناد سے محروم نہیں۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ تصریح فرماتے ہیں کہ سب کے سب لوگ ایسے اجماع پر متفق ہیں جس کی سند قرآن وحدیث میں سے کسی نہ کسی سے مستنبط ہو۔ نو مولود متجددین کے

جس گروہ کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے وہ اسی نام نہاد اجماع کو پیش کرتا ہے جسے شاہ صاحبؒ نے اسباب تحریف میں شمار کیا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ قرآن و حدیث میں سرے سے کوئی حکم منصوص ہی نہیں جسے قانون کا درجہ دیا جائے، وہ ان تمام نصوص کو جو امت کے درمیان معمول بہا ہیں، قرون وسطیٰ کی رنگ آمیزی قرار دیتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے:

> "اگر ہم آنحضرت ﷺ کی سیرت کو اس رنگ آمیزی سے الگ کر کے دیکھیں جو عہد وسطیٰ کے فقہاؒ نے پیش کی ہے تو ہمیں یقینی طور پر ایسا کوئی رجحان نظر نہیں آتا کہ رسولؐ، اپنے وسیع ترین مفہوم میں صرف ایک قانون ساز تھے۔ (چند سطر بعد) وقتاً فوقتاً کچھ انفرادی فیصلوں کو چھوڑ کر، جن کی حیثیت محض ہنگامی واقعات کی ہوتی تھی، آپؐ نے اسلام کی ترقی کے لئے بہت کم ہی عام قانون سازی کی طرف توجہ فرمائی ہے، خود قرآن مجید میں بھی اسلامی تعلیمات کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے، جس کا تعلق عام قانون سازی سے ہے، لیکن خود قرآن مجید کا قانونی یا قانون نما حصہ اپنی اس حیثیت کو پورے طور سے واضح کر دیتا ہے کہ اس کا تعلق خاص حالات و کوائف سے ہے۔"
>
> (فکر و نظر ج:۱ شمارہ:۱ ص:۱۶)

گویا خوش قسمتی سے خدا اور رسول کو "بہت ہی کم"، (ذرا زور دے کر) احکام بیان کرنے کا جو موقع مل سکا ہے وہ بھی قانون نہیں بلکہ "قانون نما" سا ہے،

پھر وہ بھی عام نہیں بلکہ ''خاص حالات و کوائف'' میں محبوس ہو کر رہ جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ:

''چنانچہ وحی ہو یا نبی کا عمل، وہ تاریخ کے ان واقعات سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، جو فوری طور پر انہیں پیش آتے ہیں، چہ جائیکہ وہ خالص نظریاتی کلیات کے استنباط کی طرف توجہ دے سکیں۔''
(فکر و نظر ج:۱ ش:۱ ص:۱۷)

یعنی نہ صرف قانونی دفعات کی طرف ''وحی یا نبی کے عمل'' کو توجہ کا موقع نہیں مل سکا بلکہ ''خالص نظریاتی کلیات'' کی طرف بھی توجہ نہ کر سکے، ظاہر ہے کہ اس منطق کے سامنے رکھنے کے بعد وحی اور نبی (ﷺ) دونوں قانون سازی (تشریع) سے فارغ قرار پاتے ہیں، چنانچہ:

''آنحضرت ﷺ آج کل کی اصطلاح کے مطابق وسیع معنوں میں ایسے قانون ساز نہیں تھے کہ دین و دنیا کی ہر بات کے لئے آپ قانونی تفصیلات مرتب فرماتے۔''
(فکر و نظر ج:۱ ش:۱ ص:۱۷)

یہ متجددین صراحتاً اعلان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلے، بلکہ قرآن و حدیث کے تمام نصوص، ہمارے لئے شرعی قانون کا درجہ نہیں رکھتے، بلکہ جس طرح ایک جج کا فیصلہ دوسرے جج کے لئے نظیر کی حیثیت رکھتا ہے، بس اسی طرح قرآن و حدیث کے نصوص بھی زیادہ سے زیادہ نظیر کی حیثیت رکھتے ہیں، اور نظیر بھی نظیر کامل نہیں بلکہ جسے محض ''ایک گونہ نظیر'' سمجھا جا سکتا ہے:

''عام طور سے پیدا ہونے والے نزاعات کا صحابہؓ

کرامؓ اپنی فہم وخرد، یا ان باہمی رسوم و رواج کے مطابق جنہیں
آنحضرت ﷺ نے معمولی تبدیلیوں کے بعد علی حالہ رہنے دیا
تھا، خود ہی فیصلے کرلیا کرتے تھے۔ انتہائی غیر معمولی حالات میں
آنحضرت ﷺ کو فیصلہ کرنے کی زحمت دی جاتی تھی، اور
''بہت ہی خاص معاملات'' میں قرآن مجید کا سہارا لینا پڑتا تھا،
مگر اس قسم کے زیادہ تر واقعات ہنگامی نوعیت کے ہوتے تھے اور
انہیں معمولاً اسی انداز سے برتا جاتا تھا، بنابریں اس قسم کے
واقعات کو نبی کا معیاری نمونہ اور ''ایک گونہ نظیر'' تو سمجھا جاسکتا
ہے، اسے متشددانہ طور پر حرف بحرف قانون کا درجہ نہیں دیا
جاسکتا۔'' (فکر ونظر ج:۱ ش:۱ ص:۱۸)

اس قسم کی زہر افشاں تحریریں اکا دکا نہیں بلکہ اس کے وافی ذخائر ہیں، یہاں ان پر تنقید کا موقع نہیں، یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ اس تکنیک کے بعد قرآن وحدیث کے نصوص کتنے باقی رہ جاتے ہیں جو ان کے اجماع کی بنیاد ہوں؟ اس لئے ان کی طرف سے جس اجماع کا نام لیا جاتا ہے وہ صریح تحریف ہے، جسے شاہ صاحبؒ نے بیان فرمایا ہے۔

اس کے برعکس امت کے نزدیک جو اجماع بالاتفاق صحیح ہے، جس کی سند قرآن وحدیث یا ان کے استنباط صحیح پر ہو، ان لوگوں کے نزدیک اس اجماع کی کوئی حیثیت نہیں، جب قرآن وحدیث بھی قانونی حیثیت سے محروم ہیں تو اجماع تو بہرحال ان کے بعد کی چیز ہے۔ چنانچہ قرآن وحدیث کے نصوص قطعیہ کے پیش نظر امت کا اتفاقی فیصلہ ہے کہ سود کی تمام قسمیں، ربا الفضل، ربا النسیہ، قطعی حرام ہیں، اسی

اجماع کو ہلکی پھلکی پھونکوں سے اڑانے کی کوشش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ حرام صرف ''اضعافاً مضاعفۃً'' سود ہے، اس کے سوا نہ کسی ربوا کا کبھی وجود تھا نہ اسے حرام قرار دیا جاسکتا ہے، اس سلسلہ کی تمام احادیث صحیحہ مشہورہ کو ارتقائی دور کی پیداوار اور اجماع امت کو ناقابل التفات قرار دے دیا گیا۔

امت کا اتفاقی فیصلہ ہے کہ میت کا جب صلبی بیٹا موجود ہو تو پوتا شرعاً وارث نہیں، اس کی سند قرآن مجید، حدیث صحیح اور اقوال صحابہؓ میں موجود ہے اور صحابۂ کرامؓ کے زمانے سے اسلام کی چودہ صدیوں میں کبھی اس کے خلاف آواز نہیں اٹھی، امت کے تمام طبقات کے اس اجماعی فیصلے کو رد کرنے کے لئے ہر رطب و یابس کی فراہمی پر سیکڑوں اوراق نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کئے جاچکے ہیں۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلاۃ والسلام کی آمد ثانی باجماع امت ضروریات دین میں داخل ہے، جن کا منکر خارج از اسلام شمار کیا جاتا ہے۔ بقول امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ متواتر احادیث صحاح وحسان اس مسئلہ میں موجود ہیں۔ (جیسا کہ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں):

''الثانی انه قد تواتر و انعقد الاجماع علی نزول عیسیٰ بن مریم علیه السلام فتأویل هذا و تحریفه، کفر ایضاً.'' (اکفار الملحدین ص:۸)

ترجمہ:...... '' دوم یہ کہ نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام متواتر ہے اور اس پر امت کا اجماع منعقد ہے، اس لئے اس کی تأویل وتحریف بھی کفر ہے۔(چہ جائیکہ اسے ''عیسائیت سے مستعار'' قرار دے کر اس کا صریح انکار کیا جائے۔اس موضوع

پر امام العصرؒ نے دو کتابیں ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' اور ''عقیدۃ الاسلام'' تصنیف فرمائی ہیں۔ ناقل)''۔

بقول امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ متواتر احادیث صحاح و حسان اس مسئلہ میں موجود ہیں، لیکن اس بدیہی مسئلہ کو محض ظنون و اوہام کی وجہ سے عیسائیت سے مستعار قرار دیا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو فکر ونظر ج:۱ شمارہ:۱۲ ص:۱۱)

الغرض اس قسم کے اجماعی فیصلوں کی اچھی خاصی فہرست تیار کی جاسکتی ہے، جو امت کے اتفاق کی مہر سے مزین ہیں، لیکن جو اس ''نومولود'' کے لئے ''تختۂ مشقِ ستم'' بن گئے، قرآن وحدیث اور اجماع امت کے تقاضوں سے ان کو بحث نہیں، بحث اس سے ہے کہ ''چلو تم ادھر کو، ہوا ہو جدھر کی'' کہا جاتا ہے کہ:

> ''غرض یہ اور اسی قسم کے دوسرے تمام سوالات آج ہمیں خود حل کرنے ہیں، ان معاملات میں زمانۂ سلف کی مثالیں اور نظیریں اور دلیلیں پیش کر کے نئے اقدامات کو خلاف اسلام ثابت کرنا درست طرز عمل نہیں۔''
>
> (فکر ونظر ج:۳ ش:۹-۱۰ ص:۶۵۹)

> ''ہم بحیثیت مسلمان جو فیصلہ کریں گے ہمارے دور میں وہ اسلامی ہوگا، جس کو بعد کی آنے والی نسلیں اسی تکنیک کے مطابق جب اور جیسے چاہیں بدلنے کی مجاز ہوں گی، اور ان کے زمانہ میں ان کے فیصلے بھی اسلامی ہوں گے، خواہ وہ ہم سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔''
>
> (فکر ونظر ج:۳ ش:۹-۱۰ ص:۶۵۸)

جس نام نہاد اجتہاد اور اجماع کی بنیاد اس قسم کے ''اصول موضوعہ'' ہوں، ان کے لئے قرآن وحدیث کے نصوص یا ان کے صحیح استنباط کا سوال لغو ہوجاتا ہے، ان کے نزدیک قرآن نے چند اخلاقی اصول بیان کردیئے اور بس، اب اسلام کو موم کی ناک بناکر ان کے حوالہ کردیا کہ اسے جب چاہیں، جس طرح چاہیں اور جس طرف چاہیں موڑتے رہیں، ان کی طرف سے جو فیصلے ہوتے رہیں گے، وہ آپ سے آپ اسلامی بنتے چلے جائیں گے۔

اور عجیب لطیفہ یہ کہ نہ قرآن کے ان ''چند اخلاقی اصول'' کی فہرست مرتب کی جاسکی ہے، نہ ان چند اخلاقی اصول سے نت نئے قانون نکالے جانے کی وجوہ استنباط کو بیان کیا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کے ذہن میں جو اخلاقی اصول آجائے وہی عین قرآنی اصول کہلائے گا، اور جو طرز استدلال کسی نے اختیار کرلیا وہی صحیح طرز استدلال ہوگا، یہ ہیں تحریف کے چور دروازے جو ''اسلام لچکدار ہے'' کے نعروں کے ساتھ کھولے جاتے ہیں، جن کی نشاندہی شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فرمائی۔

رہا یہ سوال کہ یہ تحریفی تحریک کہاں تک کامیاب ہوتی ہے؟ اس کا صحیح جواب تو آنے والا وقت دے گا، تاہم ایمان ویقین کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر ہماری نالائقی کی وجہ سے اسلام کو اٹھالینے ہی کا فیصلہ ہوچکا ہے تو اس کی اور بات ہے، ورنہ جس خدا کو ابابیل کے ذریعہ ابرہہ کے لشکر سے اپنے گھر کی حفاظت کرنا آتی ہے، وہ یقیناً اس تحریفی لشکر سے اپنے دین کی حفاظت کا ڈھنگ بھی جانتا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند نومبر دسمبر ۱۹۶۶ء)

فتنۂ گوہر شاہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

انگریز نے اپنے دور استبداد میں مسلمانوں کی ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے مختلف فتنے برپا کئے، ان سب سے خطرناک اور بے حد تکلیف دہ جعلی نبوت اور جھوٹے نبی کا فتنہ تھا، انگریز نے امت مسلمہ سے جذبہ جہاد ختم کرنے، منصب نبوت کی تخفیف کرنے اور دین کے مسلّمات کو ناقابل اعتبار بنانے کے لئے اپنے جدی پشتی غلام سے دعویٰ نبوت کروا کر امت کو کرب میں مبتلا کر دیا، ملت اسلامیہ اور ہند و پاک کے مسلمان اس انگریزی نبی کے انگریزی دین کا زہر ختم کرنے اور اس کے بدبودار لاشے کو دفن کرنے سے ابھی فارغ نہیں ہوئے تھے کہ اس کے گماشتوں نے پاکستان میں اس سے ملتا جلتا ایک اور فتنہ برپا کر دیا، جس کے بانی ریاض احمد گوہر شاہی نے یک لخت پورے دین کی عمارت کو ڈھا دینے کا اعلان کر دیا، اس نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے شعائر اسلام کا انکار کر دیا، حد تو یہ ہے کہ وہ نجات کے لئے دین و ایمان اور اسلام کی ضرورت کا بھی منکر ہے، اس کے نزدیک ظاہر شریعت، قرآن و حدیث اور اس کے احکام کی کوئی حقیقت نہیں،، س کے ہاں قرآن کے موجودہ تیس پاروں کی چنداں اہمیت نہیں، بلکہ اس کے پاس مزید دس پاروں کا علم ہے، جس

سے وہ اپنی ذات کو روشناس کراتا ہے، رات رات بھر چلہ گاہ میں مستانی محبوبہ سے ہم آغوش رہنے، بھنگ اور چرس پینے سے روحانیت میں ترقی ہوتی ہے، اس کا کہنا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امریکہ کے ایک ہوٹل میں اس سے ملنے آئے تھے، اگر سزا کا خوف نہ ہوتا تو شاید وہ نبی ہونے کا دعویٰ کر دیتا۔

اس کا عقیدہ ہے کہ چاند اور سورج میں اس کی تصویر ہے اور یہ قدرت کی غیر معمولی نشانی ہے، جو اس کو نہیں مانتا وہ اللہ کی عظیم نشانیوں کا منکر ہے، اسی طرح اس کا دعویٰ ہے کہ حجر اسود پر اس کی شبیہ اور تصویر آ گئی ہے، جو اس کے مہدی ہونے کی علامت ہے، اور یہ آج سے نہیں بلکہ زمانہ قدیم سے ہے، خود آنحضرت ﷺ نے بھی نعوذ باللہ حجر اسود کو بوسہ اس لئے دیا تھا کہ آپ ﷺ نے عالم ارواح کی شناسائی کی بنا پر حجر اسود پر میری تصویر دیکھ کر پہچان لیا، یوں آپ ﷺ نے میری تصویر کو بوسہ دیا تھا، اس پر ڈھٹائی یہ کہ میری حجر اسود کی تصویر کی امام حرم حماد بن عبداللہ نے تصدیق کی ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے اکابرین کو جنہوں نے اس بدقماش اور بدمذہب کا تعاقب کیا، اسے عدالت میں گھسیٹا، اس کے خلاف قرآن پاک کی بے حرمتی اور توہین رسالت کے مقدمات قائم کئے، دن رات ایک کر کے دیوانہ وار پھرتے رہے، بالآخر میرپورخاص کی عدالت کی جانب سے اس ملعون کو تین بار عمر قید اور جرمانہ کی سزا سنائی گئی، اس کے دفاتر پر چھاپے مار کر وہاں سے اسلحہ وغیرہ برآمد کیا گیا۔

گوہر شاہی ملعون اگرچہ امریکہ مفرور ہے، مگر اس کا فتنہ پاکستان میں ہے، اکابرین ختم نبوت نے اس کی انہی ہفوات کے سلسلہ میں شؤون حرمین کے سربراہ شیخ محمد بن عبداللہ بن سبیل سے رابطہ کیا، انہیں گوہر شاہی کے دعوؤں پر مشتمل اخبارات، رسائل اور پمفلٹ پیش کئے، جس میں اس نے حجر اسود پر اپنی تصویر کا راگ الاپتے

ہوئے اسے اپنی صداقت کا نشان قرار دیا تھا، شیخ محمد بن عبداللہ بن سبیّل صاحب نے نہ صرف اس کو جھوٹ اور فراڈ قرار دیا، بلکہ اس کی تردید فرمائی اور فتویٰ جاری کیا کہ ایسا دعویٰ کرنے والا دجال و کذاب ہے، اور فرمایا کہ حجر اسود پر ایسی کوئی تصویر ظاہر نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی امام نے اس کی تصدیق کی ہے، بلکہ اس نام کا کوئی امام ہی نہیں، ذیل میں افادہ عام کے لئے شیخ سبیّل کے فتویٰ کا ترجمہ اور اس کا عکس شامل کیا جاتا ہے:

''تمام تعریفیں اللہ وحدہ لا شریک لہ کے لئے ہیں، صلوٰۃ و سلام اس ذات اقدس پر جن کے بعد کوئی نبی نہیں، اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر، اما بعد! ہمیں بعض پاکستانی جرائد کے ذریعہ یہ خبر پہنچی ہے کہ انجمن سرفروشان اسلام کا بانی و سربراہ جو ریاض احمد گوہر شاہی نامی شخص ہے، نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ مہدی ہے، اور اپنے اس دعویٰ پر اس نے یہ استدلال پیش کیا ہے کہ حجر اسود پر اس کی شبیہ نظر آئی ہے، اور بقول اس کے امام حرم حماد بن عبداللہ نے اس بات کی تصدیق بھی کی ہے۔ میں حقیقت کی وضاحت اور اظہار حق کے لئے یہ بات مسلمانوں کے نام لکھ رہا ہوں کہ کسی بھی شخص کی تصویر حجر اسود میں ظاہر نہیں ہوئی، اور نہ حرمین شریفین کے اماموں میں سے کسی نے اس بات کی تصدیق کی ہے، بلکہ حرمین شریفین میں حماد بن عبداللہ نام کا کوئی امام سرے سے موجود نہیں ہے، یہ شخص ریاض احمد گوہر شاہی امام مہدی نہیں ہے بلکہ یہ شخص سب سے بڑا جھوٹا، سب سے بڑا گمراہ، لوگوں کو گمراہ کرنے والا، سب سے بڑا دھوکہ باز اور دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔''

بسم الله الرحمن الرحيم

المملكة العربية السعودية
الرئاسة العامة لشؤون المسجد الحرام والمسجد النبوي
مكتب الرئيس

الرقم : ....
التاريخ : ....
المشفوعات : ....

" رسالة إمام الحرم المكي الشريف إلى عموم المسلمين "

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده وعلى آله وصحبه أجمعين
أما بعد :

فقد بلغنا الخبر الذي تناقلته بعض الجرائد الباكستانية بأن رئيس منظمة سرفروشان اسلام المدعو / رياض أحمد جوهر شاهي قد ادعى أنه المهدي ، واستدل على دعواه بأن صورته ظهرت في الحجر الأسود ، وأن إمام الحرم المكي / حماد بن عبد الله قد صدق على ذلك

وإني - توضيحاً للحقيقة وإظهاراً للحق وأداء للواجب - أكتب هذه الأحرف بياناً للواقع للإخوة المسلمين ، بأنه لم تظهر قطعاً أية صورة لأي أحد في الحجر الأسود . ولم يصدق أحد من أئمة الحرمين الشريفين على ذلك ، بل إنه لا يوجد في الحرمين الشريفين أي إمام باسم (حماد بن عبد الله) .

وإن هذا المدعو (رياض أحمد جوهر شاهي) مدعي المهدوية المذكور ما هو إلا كذاب ضال مضل ودجال من الدجاجلة . والله الهادي إلى سواء السبيل .

محمد بن عبد الله بن سبيل

(توقيع)

الرئيس العام لشؤون المسجد الحرام والمسجد النبوي

وإمام وخطيب المسجد الحرام

بلاشبہ یہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے کارکنان کی بہت بڑی کامیابی ہے اور وہ اس پر مبارک باد کے مستحق ہیں، کہ ان کی صلاحیتیں ایسے ہرزہ سراؤں کے منہ میں

لگام دینے میں صرف ہو رہی ہیں، اسی طرح میرپورخاص کی عدالت کے جج صاحب کا یہ فیصلہ لائق ستائش اور باعث تبریک ہے اور جناب فاضل جج صاحب قابل مبارکباد ہیں، حکومت کو چاہئے کہ ایسے بدباطن اور دریدہ دہن کو اپنے ذرائع سے منگوا کر قرار واقعی سزا دے، تاکہ آئندہ کسی کو اس کی جرأت نہ ہو، حق تو یہ تھا کہ ایسے بدبختوں کو سرعام پھانسی پر لٹکا کر ارتداد کی سزا جاری کی جاتی، اور اس قسم کی دریدہ دہنی کا ہمیشہ کے لئے سدباب کردیا جاتا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ بینات صفر ۱۴۲۱ھ)

اسی کے ساتھ حضرت شہیدؒ سے گوہر شاہی کے متعلق دریافت کئے گئے دو فتاویٰ بھی شامل کئے جاتے ہیں:

پہلا فتویٰ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

س: ریاض احمد گوہر شاہی کا فتنہ بہت زور پکڑ رہا ہے، اس کے عقائد و نظریات کے رسائل اور اشتہارات پیش خدمت ہیں، اس شخص کی مذہبی حیثیت واضح فرماکر امت کی راہ نمائی فرماویں۔ خالد، کراچی۔

ج:...... میں نے ریاض احمد گوہر شاہی کے عقائد و حالات کا مطالعہ کیا اور ہفت روزہ "تکبیر" کے سوالات بھی دیکھے ہیں ان کی روشنی میں، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شخص دین اور شریعت کا قائل نہیں، نہ اس کو نماز، روزے کا اہتمام ہے، اور نہ شریعت

کے محرمات سے پرہیز ہے، اس لئے اس کی حیثیت مرزا غلام احمد قادیانی جیسی ہے اور اس کے ماننے والے گمراہ ہیں۔ واللہ اعلم

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۱۴/۴/۱۴۱۸ھ

اس کے کچھ دنوں بعد دارالافتاء عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی سے گوہر شاہی کے عقائد کے بارے میں استفسار کیا گیا تو درج ذیل فتویٰ جاری کیا گیا:

آخری فتویٰ:

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین، اس کے بارے میں کہ ایک شخص جس کا نام ریاض احمد گوہر شاہی ہے اور اس کی جماعت کا نام "انجمن سرفروشان اسلام" ہے۔ بنیادی طور پر وہ شخص میٹرک پاس ہے، اور پیشہ کے اعتبار سے وہ ویلڈر اور موٹر مکینک ہے۔ نسلاً مغل ہے مگر اپنے آپ کو سید کہلاتا ہے، کوٹری خورشید کالونی، حیدر آباد، سندھ میں "روحانی مرکز" کے نام سے اس نے اپنا اڈا بنایا ہوا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ:

۱:...... جو کچھ محمد ﷺ مجھے پڑھاتے ہیں، میں وہی بتاتا ہوں۔

۲:...... حضور نبی کریم ﷺ سے اکثر ملاقاتیں ہوتی

رہتی ہیں۔

۳ :...... کئی بار رسول اکرم ﷺ سے بالمشافہ ملاقات ہوئی ہے۔

۴ :...... اس کے عقیدت مندوں نے ایک اسٹیکر شائع کیا ہے جس میں لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کی جگہ ریاض احمد گوہر شاہی لکھا ہے، مگر یہ شخص اسٹیکر کے بارے میں کہتا ہے کہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

۵ :...... اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے نماز، روزہ کو ظاہری عبادت کہہ کر کہتا ہے ان میں روحانیت نہیں ہے، روحانیت دل کی ٹک ٹک میں ہے۔

۶ :...... یہ شخص قرآن کریم کے تیس پاروں کے بجائے کہتا ہے کہ چالیس پارے ہیں، اور اضافی دس پارے ان تیس پاروں سے مختلف مضامین پر مشتمل ہیں۔ ان تیس پاروں میں ہے کہ زکوٰۃ ڈھائی فیصد ہے مگر ان دس پاروں میں ہے کہ زکوٰۃ ساڑھے ستانوے فیصد ہے، تیس پاروں میں ہے کہ نماز پڑھ ورنہ گناہگار ہو جائے گا، اور ان دس پاروں میں ہے کہ تو نے نماز پڑھی تو، تو گناہگار ہو جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔

۷ :...... اس کا کہنا ہے کہ میرے معتقد مجھے مہدی سمجھتے ہیں اور جو مجھ کو جیسا کچھ سمجھے گا اس کو اتنا ہی نفع ہو گا۔

۸ :...... اس کا کہنا ہے کہ میری تصویر چاند، سورج اور حجر اسود پر ظاہر ہو چکی ہے جو اس کا انکار کرتا ہے وہ اللہ کی

بہت بڑی نشانیوں کو جھٹلاتا ہے۔

۹ :...... میری حجر اسود کی تصویر کی امام حرم حماد بن عبداللہ نے تصدیق کی ہے اور کہا کہ یہ مہدی کی تصویر سے ملتی جلتی ہے۔

۱۰ :...... وہ کہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ میں عالم ارواح میں رہتا تھا، آپ جب دنیا میں آئے اور آپ نے حجر اسود پر میری تصویر دیکھی تو مجھے پہچان لیا اس لئے آپ ﷺ نے میری تصویر کو بوسہ دیا۔

۱۱ :...... وہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے امریکہ کے ایک ہوٹل میں میری ملاقات ہوئی ہے اور وہ مجھ سے ملنے آئے تھے، اس کا یہ کہنا بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو چکے ہیں۔

۱۲ :...... اس کا کہنا ہے کہ حضرت مہدی علیہ الرضوان پیدا ہو چکے ہیں، اور دعویٰ مہدویت سے اس لئے خاموش ہیں کہ پاکستان میں قانون توہین رسالت کے تحت جیل میں جانے کا خدشہ ہے۔

۱۳ :...... وہ نامحرم خصوصاً چلّہ کے دوران رات رات بھر ایک مستانی سے ہم آغوش رہے مگر اس سے اس کی روحانیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۱۴ :...... وہ حضرات انبیاء کرام میں سے حضرت آدم

علیہ السلام کو "حسد" اور "شرارتِ نفس" کا مریض باور کراتا ہے۔

۱۵:......وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسم اطہر سے خالی اور شرک کا اڈا باور کراتا ہے۔

۱۶:......وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجبور ہے، اور شہ رگ کے پاس ہوتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا۔

۱۷:...... وہ کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ، اللہ سے ملاقات کرنے گئے تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں حضرت علی کی انگوٹھی تھی۔

۱۸:......وہ کہتا ہے کہ بھنگ، چرس حرام نہیں بلکہ وہ نشہ جس سے روحانیت میں اضافہ ہو حلال ہے، خواہ مخواہ ہمارے عالموں نے حرام قرار دے دیا۔

۱۹:......وہ کہتا ہے کہ روحانیت سیکھو خواہ تمہارا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو، اور جس نے روحانیت سیکھی چاہے اس نے کلمہ اسلام نہیں پڑھا وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔

۲۰:......وہ اپنے لئے معراج اور الہام کا دعویدار ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے یا کافر و زندیق؟ اس شخص اور اس کی جماعت اور اس کے ماننے والوں کے بارے میں قرآن و سنت اور علمائے امت کی کیا تصریحات ہیں؟ ان لوگوں سے میل جول، رشتہ ناتہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز

یہ کہ ان کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے مع دلائل بیان فرمائیں۔

والسلام

سائل: سعید احمد جلالپوری، کراچی۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد:

برادر محترم مولانا سعید احمد جلالپوری زید مجدہٗ نے ریاض احمد گوہر شاہی کے بارے میں، جس نے اپنی جماعت کا نام "انجمن سرفروشان اسلام" رکھا ہے، یہ سوال نامہ مرتب کیا ہے، اور میرے کہنے پر انہوں نے گوہر شاہی کے عقائد پر ایک کتاب مرتب کی ہے۔ ان کی اس پوری کتاب میں ان مندرجہ بالا سوالات کے بارے میں حوالہ جات موجود ہیں، اور برادر محترم مولانا سعید احمد صاحب نے اس کے ان دعاوی کا خلاصہ بہت خوبصورت الفاظ میں اس سوال نامہ میں نقل کردیا ہے، اور اس سوال نامہ کے آخر میں انہوں نے یہ سوال کیا ہے کہ یہ شخص ریاض احمد گوہر شاہی مسلمان ہے یا کافر و زندیق؟

۱:...... جس شخص نے اس سوال نامہ کا مطالعہ کیا ہو، وہ بتاسکتا ہے کہ یہ شخص مسلمان نہیں بلکہ کافر و زندیق اور مرتد ہے۔

۲:...... یہ شخص اور اس کی جماعت اور اس کے ماننے والوں کے بارے میں قرآن و سنت اور اکابر امت کی تصریحات یہ ہیں کہ ایسا شخص ہرگز ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا۔

۳:...... ریاض احمد گوہر شاہی اور اس کی جماعت کے لوگوں کے ساتھ

تعلق رکھنااور رشتہ ناتہ کرنا جائز نہیں۔

۴ :......ان لوگوں کا ذبیحہ مردار ہے۔

۵ :......جس شخص نے کتاب و سنت اور اکابر امت کی تصریحات پڑھی ہوں اس کے لئے مندرجہ بالا امور پر دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس سوال نامہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ واضح طور پر ان تمام امور کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد یوسف عفااللہ عنہ

(دور جدید کا مسیلمہ کذاب گوہر شاہی ص۱۰۸ تا ۱۱۸)

یزید کے بارے میں مسلک اعتدال

بجواب

''شرح حدیث مغفور''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

حال ہی میں ۴۸ صفحات پر مشتمل ۵۰ پیسے قیمت کا ایک کتابچہ دیکھا، جسے جناب ملک سعید احمد صاحب بی اے، رکن مشن ریسرچ جھنگ نے ''شرح حدیث مغفور'' کے نام سے لکھا اور اسلامی ریسرچ مشن، چک نمبر:۱۰۷، ۱۲۔ ایل چیچہ وطنی ضلع ساہیوال کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ اس پر مکتبہ ابومعاویہ، ۱۲ فردوس کالونی کراچی نمبر:۱۹ کا پتہ درج ہے۔ رسالہ میں اعتدال کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، اور مؤلف اور ان کے تقریظ و مقدمہ نویسوں نے کچھ افراط و تفریط سے کام لیا ہے، مناسب معلوم ہوا کہ اس موضوع پر ایک مختصر سا مضمون لکھا جائے۔

(محمد یوسف لدھیانوی)

ایک مسلمان کے لئے کسی سے نفرت و محبت کا پیمانہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تعلق کس نوعیت کا ہے؟ جس کو جیسا اور جس درجے کا تعلق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا وہ اسی درجہ میں مسلمانوں کا محبّ یا مبغوض ہوگا۔
یزید کی شخصیت کو اسلامی معاشرہ میں اچھے عنوان سے یاد نہیں کیا جاتا، کیوں؟ اس لئے
کہ اس کا تین چار سالہ مختصر دور حکومت حادثہ کربلا، واقعہ حرہ اور سنگ باری بیت اللہ
سے عبارت ہے، ان حوادث میں آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قیامت ٹوٹ گئی، مدینۃ
النبیؐ، اولاد مہاجرین و انصار کا مقتل بن گیا، اور بلد اللہ الحرام اور بیت اللہ کی حرمت
پامال ہوئی، نتیجتاً یزید کا نام ہمیشہ کے لئے نفرت و ملامت کا نشان بن کر رہ گیا۔

تاہم یزید کتنا ہی گناہ گار سہی مگر مسلمان تھا، اس کا رشتہ تعلق بھی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت سے وابستہ ہے، اور وہ اپنی غلط کاریوں کے باوجود
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا امتی ہے، اس لئے آخرت میں اس کا معاملہ بھی (ہم
ایسے گنہ گاروں کی طرح) بارگاہِ رب ذوالجلال کی مشیت کے سپرد ہوگا، وہ چاہیں تو سزا
کے بغیر معاف کردیں، یا سزا کے بعد رہائی فرمادیں، کیونکہ:

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ
ذَالِکَ لِمَنْ یَشَآءُ." (النسآ:۴۸)

ترجمہ:......"بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا
شریک کرے، اور بخشتا ہے اس کے نیچے کے گناہ جس کے
چاہے۔"

یہ تو عام ضابطے کی بات تھی، علاوہ ازیں یزید کے لئے، اس کی تمام روسیاہ
عملی کے باوصف، امید مغفرت کی ایک خصوصی کرن بھی موجود ہے، اور وہ ہے صحیح
بخاری "باب ما قیل فی قتال الروم" کی وہ حدیث جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

"اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا
...... اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور
لھم." (بخاری ج:۱ ص:۴۱۰)

ترجمہ:......"میری امت کا وہ لشکر جو سب سے پہلے
بحری جہاد کرے گا، انہوں نے (اپنے لئے جنت کو) واجب کرلیا
......اور میری امت کا وہ لشکر جو سب سے پہلے مدینہ قیصر پر جہاد
کرے گا ان کی بخشش ہوگی۔"

اس ارشاد پاک میں جن دو جماعتوں کا ذکر خیر آیا ہے ان میں اول کا مصداق تو بالاتفاق حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر ہے، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سب سے پہلے بحری جہاد کا شرف انہی کو حاصل ہوا۔ نیز حسن اتفاق سے اس کے مصداق کی تعیین کے لئے ایک قطعی دلیل بھی مہیا ہوگئی، وہ یہ کہ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے، جو اس حدیث کی روایت کنندہ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں لشکروں میں شمولیت کی دعا کی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تھا: "انت من الاولین." (یعنی تو پہلی جماعت میں شامل ہے)۔ حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورۃ الصدر غزوہ میں شریک ہوئیں اور اسی موقع پر سواری سے گرکر جام شہادت نوش کیا، جس سے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوگیا کہ: "قد اوجبوا" کی بشارت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقا کے لئے تھی۔ فطوبیٰ لھم، ثم طوبیٰ لھم!

حدیث پاک کی بیان کردہ دوسری جماعت کا مصداق کون سا لشکر ہے؟ اس میں کئی احتمال ذکر کئے گئے ہیں، جو "فتح الباری، عمدۃ القاری" وغیرہ میں مذکور ہیں، مگر راجح قول کے مطابق اس کا مصداق وہ لشکر ہے جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے صاحبزادے یزید کے زیر کمان سب سے پہلے قسطنطنیہ پر بحری جہاد کیا، اور جس میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، ابوایوب انصاری اور حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے اجلہ صحابہ شریک ہوئے۔

چونکہ "مغفور لهم" کی بشارت کا جامہ یزید کے کارنامہائے ما بعد کی قامت پر بظاہر راست نہیں آتا، اس لئے صحیح بخاری کے اکابر شارحین حافظ ابن حجرؒ اور حافظ عینیؒ اس رائے سے متفق نظر آتے ہیں کہ یزید اپنی سیاہ عملی کی بنا پر اس بشارت سے خارج ہے۔ (اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس مغفرت کا تعلق صرف غزوہ سے پہلے کے اعمال سے ہے، بعد کے اعمال سے نہیں۔ ناقل) مگر ہمارے خیال میں معصیت اور مغفرت کے مابین منافات نہیں، اس لئے اگر یزید اس جہاد میں اخلاص سے شریک ہوا ہوتو اس کی بدعملی کو اس بشارت میں داخل ہونے سے خارج سمجھنے کی ضرورت نہیں۔

زیر نظر کتابچہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس بشارت مغفرت کا مصداق قطعی طور پر لشکر یزید ہے اور اس کی بنا پر جناب مؤلف نے ان لوگوں کو جو یزید کی بداعمالیوں پر اظہار نفریں کرتے یا ان کی رائے سے اختلاف رکھتے ہیں، بڑے تیز و تند لہجے سے خطاب کیا ہے، مگر افسوس ہے کہ جناب مؤلف اپنی تمام تر درازنفسی اور قطع و برید کے اس سے زیادہ کچھ ثابت نہیں کر سکے کہ:

> ''تاریخ نے ثابت کردیا کہ یہ خوشخبری حضرت امیر یزید رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر پوری ہوئی۔''

موصوف کے اس دعویٰ پر ان کے نقطۂ نظر سے اختلاف رکھنے والا اگرچہ بہت سی جرحیں کرسکتا ہے، مگر تاریخ کے سہارے جسے جناب مؤلف قابل تطہیر سمجھتے ہیں، اس دعویٰ کو من وعن تسلیم بھی کرلیا جائے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ بالفرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حضرت امیر یزید رحمۃ اللہ علیہ'' کا نام لے کر اس کے حق میں "مغفور لهم" (اس کی بخشش ہوگی) کا لفظ ارشاد فرمایا تھا، تب بھی اس سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ اس مغفور لہ کا خاتمہ اسلام پر ہوگا، خواہ وہ کتنا ہی تر دامن ہو، مگر مغفرت خداوندی اس کی معصیت آلودگی کا کفارہ ادا کرے گی اور وہ

مغفرت الٰہی سے محروم نہیں رکھا جائے گا، حدیث کے مطابق ہمیں قوی امید رکھنی چاہئے کہ یزید کی بخشش ہوگی اور انشأ اللہ ضرور ہوگی، مگر کب ہوگی؟ اپنے کئے کی سزا پانے کے بعد؟ یا بفضل خداوندی بغیر سزا کے؟ اس کا فیصلہ ہمیں یا مصنف رسالہ کو نہیں بلکہ داور محشر کو کرنا ہے۔

الغرض حدیث مذکور سے یزید کا خاتمہ بر اسلام اور اس کے حق میں رجا مغفرت ضرور نکلتی ہے، اس سے کسی مسلمان کو بھی انکار نہیں ہونا چاہئے کہ خود اپنا معاملہ بھی امید و بیم اور خوف و رجا کے درمیان معلق ہے۔ مگر اس حدیث سے نہ تو یزید کی تمام غلط کاریوں سے نزاہت و برأت نکلتی ہے، نہ اول وہلہ میں استحقاق مغفرت کی قطعی ضمانت کا پروانہ اسے مل جاتا ہے، نہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں اس کے موقف کی ترجیح پر اس سے دلیل لائی جاسکتی ہے۔

حق و انصاف کی عدالت اچھے، برے کا امتیاز کئے بغیر ہر ملزم کو اپنی صفائی کا پورا موقع دیتی ہے، کوئی وجہ نہیں کہ یزید کو اس حق سے محروم رکھا جائے، اس لئے اگر یزید پر عائد شدہ الزامات کی فہرست میں کوئی روایت غلط یا مشتبہ نظر آتی ہے، تو اس کی نشاندہی کیجئے، اگر کسی ناکردہ گناہ کا بار اس پر خوامخواہ ڈال دیا گیا ہے، تو دلائل کے ساتھ مدعی کا منہ بند کردیجئے، اگر نائو نوش اور چنگ و رباب کے وضعی افسانے اس کی طرف منسوب کردیئے گئے ہیں، تو ان کی برملا تردید کیجئے، اگر کسی تاویل سے اس کے جرم کو خفیف اور ہلکا کیا جاسکتا ہے تو یہ کام بھی بڑی خوشی سے کیجئے، اور ضرور کیجئے، مگر کسی کی حق تلفی بھی نہ کیجئے، سانحہ کربلا میں خاندانِ نبوت کا حیا سوز قتل، حادثہ حرہ میں مسجد نبوی اور مدینۃ النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بے حرمتی، اور مکہ پر فوج کشی میں بیت اللہ پر سنگ باری اور حرم مکہ کی توہین، وہ حقائق ہیں جن سے تاریخ کا جگر شق اور مسلمانوں کا سر شرم سے آج تک نیچا ہے، انہیں ''رافضی افسانے'' کہہ کر ٹال دینا اور حمایت یزید کے جوش میں خاندانِ نبوت کے ادب و احترام اور ان کی مظلومیت سے

آنکھیں موندھ لینا، عدل و انصاف کی نظر میں معقولیت نہیں، ظلم ہے، بہت حد تک آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان حادثات میں یزید کا قصور اتنا نہیں تھا جتنا بڑھا چڑھا کر تاریخ کے ریکارڈ میں پیش کر دیا گیا، اور یزید کا رخ کردار اتنا بدنما اور گھناؤنا نہیں جس قدر سبائی ہاتھوں کی مرتبہ تصویر میں ظاہر کیا جاتا ہے، آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حدیث "مغفور لھم" کی بشارت سے یہ نکلتا ہے کہ اس کا جرم جیسا بھی تھا، بہرحال اسے آخرت میں ناقابل معافی نہیں سمجھا گیا، اس کی غلطی کتنی ہی سنگین سہی، بہرکیف وہ زیرِ مغفرت ہے، وہ کتنا ہی برا سہی، مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن رحمت اس کے لئے بھی وسیع ہے، شفیع امم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی امت سے خارج نہیں کیا، بلکہ "من امتی" فرما کر جتا دیا کہ وہ بھی اپنا ہی ہے، بیگانہ نہیں۔

الغرض اگر یزید کی طرف سے کوئی معقول صفائی پیش کی جاسکتی ہے تو اس کا موقع ضرور دیا جانا چاہئے، اور بقول مؤلف: "اگر وہ جنت میں جارہا ہو تو ضروری نہیں کہ اسے گھسیٹ کر جہنم ہی میں جھونکا جائے۔" مگر اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یزید کو بالکل بے قصور ثابت کرنا، بلکہ برعکس اس کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قصوروار دکھانے کی "ریسرچ" کرنا، حق و انصاف سے بہت ہی بعید ہے، آخر "شرح حدیث مغفور" کے ذریعہ آپ یزید کو جس جنت میں لے جانا چاہتے ہیں اسی "جنت کے نوجوانوں کے سردار حضرت حسینؓ (سبط النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔" اور جسِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداہ) نے اپنے ارشاد پاک میں یزید ایسے گنہ گار کو امید مغفرت دلائی ہے، اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنینؓ کے، مدینہ اور اہل مدینہ کے، مسجد نبوی اور مسجد حرام کے، مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کے بھی تو فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں، گزارش بس اتنی ہے کہ ایک طرف دیکھ کر دوسری طرف سے آنکھیں بند نہ کیجئے، بلکہ ہر ایک کو اس کا حق دیجئے، اور جس کا جو مرتبہ ہے اسی مرتبہ پر رکھئے۔ "گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی" کا فقرہ ایسے موقعوں کے لئے کہا گیا ہے، یہ ہے

میزان عدل اور مسلک اعتدال۔ اس کو آپ ''سبائی پروپیگنڈہ کی کوشش۔'' اور ''سبائی ذہنیت کا خاندان بنی امیہ سے بغض وعناد۔'' جیسے خطابات سے نوازنا چاہیں تو یہ آپ کی صوابدید، مگر اہل سنت کا مسلک حق، اگر سبائیت کا ساتھ نہیں دیتا تو ناصبیت کے ساتھ بھی دو قدم چلنے کے لئے آمادہ نہیں۔

بلاشبہ ''سبائیہ'' نے حضرت معاویہؓ اور ان کے بیٹے یزید، بلکہ ان سے پہلے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ناحق بدنام کرنے کے لئے بہتان تراشی اور افسانہ طرازی کا طوفان برپا کیا ہے، اس کے خلاف ''تطہیر تاریخ کی مقدس تحریک'' ضرور چلایئے، یہ بہت ہی مبارک کام ہے، مگر اس سلسلہ میں یہ احتیاط ملحوظ رہے کہ آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے الفت و محبت کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، کسی صحابی سے حسن عقیدت پر حرف نہ آئے، اور اکابر سلف کے فیصلوں سے انحراف نہ کیا جائے۔ کسی مسلمان کے لئے بنو فلاں اور بنو فلاں کی تفریقی منطق ناقابل التفات ہے، مسلمان کا مرکز عقیدت بس ایک ہے، اور وہ ہے ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم (بآبائنا ھو وامھاتنا وارواحنا) جو جس قدر اس ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے، وہ اسی نسبت سے ہمارے سر کا تاج، آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے، خواہ ہاشمی ہو یا اموی، حبشی ہو یا فارسی۔

رسالہ کے مؤلف محترم کو شکایت ہے کہ ''متأخرین علمأ....... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کو تاویلات کی خراد پر چڑھانے کی سبائی تحریک کا ساتھ دے رہے ہیں......'' (ص:۴۴)

ہمارے خیال میں موصوف نے ''متأخرین علمأ ......'' کے بارے میں یہ ریمارکس دیتے ہوئے نہ تو ''تاویلات کی خراد'' اور تطبیق نصوص کے درمیان جو فرق ہے، اسے ملحوظ رکھا ہے، نہ مسلک اہل حق اور ''سبائی تحریک'' کے درمیان واضح ''خط فاصل'' کو پڑھنے کی زحمت کی ہے، علاوہ ازیں جس حدیث کی شرح میں وہ رسالہ رقم

فرما رہے ہیں، اس حدیث کے ذکر کردہ دو فریقوں میں سے پہلے فریق کے لئے ”قد اوجبوا“ اور دوسرے فریق کے لئے ”مغفور لھم“ جو نبوی الفاظ اس حدیث میں وارد ہوئے ہیں، اگر موصوف نے ان ہی دو لفظوں کے معنوی فرق کا بغور مطالعہ کیا ہوتا تو انہیں یہ رسالہ لکھنے کی ضرورت ہی نہ رہتی، انہیں احساس ہوتا کہ اس تفریق سے منشا نبوت کیا ہے؟ اور اگر وہ اتنے غور وفکر سے بھی معذور ہیں تو اس کے سوا کیا عرض کیا جائے کہ:

”سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا ست“

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا خلاصہ وہی ہے جو شروع میں عرض کیا گیا، یعنی ”ذاتی کردار سے قطع نظر یزید کے دورِ حکومت میں جو کچھ ہوا وہ لائق نفریں ہے، مگر بہ فحوائے حدیث وہ مسلمان تھا اور آخرت میں اس کا معاملہ زیر مغفرت ہے۔“ الحمدللہ! یہی اہل سنت کا مسلک اعتدال ہے، جہاں تک اصل مسئلے کی وضاحت کا تعلق ہے، وہ بحمد اللہ بقدر کفایت ہو چکی، اگر صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو صحیح غور وفکر کی توفیق دیں، اور اگر اس خطا کار سے کہیں لغزش ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں۔ جی چاہتا تھا کہ قلم یہیں روک لیا جائے، مگر اوپر ہم نے مؤلف کے لئے درازنفسی اور قطع و برید کے الفاظ استعمال کئے ہیں، بہت ممکن ہے کہ اسے بھی موصوف کی طرف سے بقول مؤلف: تطہیر تاریخ کی مقدس تحریک کی صوفیانہ انداز میں ڈائنامیٹ کرنے کی کوشش کا نام دیا جائے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں کچھ عرض کردیا جائے۔

مؤلف محترم کی درازنفسی، یہ کہ انہوں نے بزعم خویش ریسرچ کر کے گویا کسی مخفی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے، جبکہ رسالہ میں ایک مخصوص ذہن کے علاوہ ایک بات بھی ایسی نہیں جس سے کوئی صاحب علم ناواقف ہو۔

اور قطع و برید یہ کہ مؤلف محترم نے جن کتابوں کے حوالے دیئے ہیں، اکثر

و بیشتر ان کے سیاق وسباق کونقل کرنے کی زحمت نہیں کی، بلکہ ماقبل و مابعد کو چھوڑ کر صرف مفید مطلب جملہ نقل کر لینا کافی سمجھا ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض جگہ نقل کردہ عبارت کے کچھ اجزا حذف کر کے باقی ماندہ اجزا سے اس عبارت کا عکس نقیض نکالنے کی ''نئی صنعت'' بھی ایجاد فرمائی ہے۔ چنانچہ ص:۲۹ پر مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ کے حاشیہ صحیح بخاری (ج:۱ ص:۴۱۰) طبع دہلی سے جو عبارت مؤلف رسالہ نے نقل کر کے اس کا مربوط ترجمہ کیا ہے، اسے اصل عبارت سے ملا کر دیکھئے، مؤلف کی نقل کردہ عبارت یہ ہے:

''وفی فتح الباری قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة عظیمة لمعاویة لانه اول من غزا البحر، ومنقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر...لا یختلف اهل العلم ان قوله صلی الله علیه وسلم مغفور لهم مشروط بان یکونوا من اهل المغفرة...فدل علیٰ ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فیه.''

(حاشیہ صحیح بخاری ج:۱ ص:۴۱۰)

ترجمہ از مؤلف:......''اور ابن حجر عسقلانیؒ کی فتح الباری میں ہے کہ محدث مہلب کا بیان ہے کہ اس حدیث رسول علیہ السلام سے حضرت معاویہؓ کی منقبت وفضیلت کا ثبوت ملتا ہے، کیونکہ انہی فوجی جرنیل نے پہلی بار سمندری جہاد کیا تھا، اس حدیث پاک سے حضرت یزید بن معاویہؓ کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ انہی نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا، سب اہل علم (علماً ومحدثین) کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ قسطنطنیہ پر پہلا جہاد کرنے

والی فوج کا ہر فرد مغفرت یافتہ ہے، مشروط ہے، وہ اس طرح کہ سب فوجی اس قابل ہوں گے کہ ان میں مغفرت کی اہلیت پائی جاتی ہو، یعنی اس فوج میں وہی مجاہد شریک ہوگا جس میں اللہ کے حضور مغفرت کا پروانہ حاصل کرنے کی شرائط (اوصاف) موجود ہوں گی۔"

مؤلف رسالہ نے اس عبارت کا جو "مطلب خیز" ترجمہ کیا ہے، اس کے خط کشیدہ الفاظ کسی عربی لفظ کا ترجمہ نہیں، بلکہ محض "ایجاد بندہ" ہے، اس سے قطع نظر ترجمہ کی عبارت کا تسلسل نہیں ٹوٹنے دیا اور گویا فتح الباری سے "محدث مہلب کا بیان" آخر تک چلا گیا (اور عربی عبارت میں تو نقطے دیکر حذف وتحریف کی طرف اشارہ کر ہی دیا، مگر ترجمہ میں یہ "تکلف" بھی گوارا نہ ہوا)، مگر مؤلف رسالہ کو شاید اس ترجمہ میں کچھ تشنگی یا الجھن محسوس ہوئی، اس لئے انہوں نے اس کی مزید وضاحت بھی ضروری سمجھی، اصل عبارت کو دیکھنے سے پہلے موصوف کا وضاحتی نوٹ بھی ملاحظہ فرمایئے، ارشاد ہوتا ہے:

> "محدث سہارنپوری کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ قسطنطنیہ پر سب سے پہلے حملہ آور ہونے والی فوج کا ہر سپاہی مغفور ہوگا، اس بنا پر کہ ہر سپاہی میں وہ سب شرائط (اوصاف) موجود ہوں گے جو حصول مغفرت کے لئے ضروری ہیں، یعنی فوج میں شرکت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ہر سپاہی میں مغفرت کی شرائط بدرجہ اتم موجود ہیں، حضرت امیر یزید رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حسن اعتقاد و عمل کے باعث سب شرائط پہلے سے موجود تھیں، تب ہی تو یہ لوگ جہاد میں شرکت کر سکے اور مغفرت کی بشارت کے مصداق

بنے۔"

اب مؤلف کی نقل کردہ وہ اصل عبارت پڑھیئے، جس کے خط کشیدہ جملے مؤلف نے "ازراہِ اختصار" حذف فرمادیئے ہیں:

"وفی الفتح: قال المهلب: فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر، ومنقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر، وتعقبه ابن التین وابن المنیر بما حاصله: انه لا یلزم من دخوله فی ذالک العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذ لا یختلف اهل العلم ان قوله صلی الله علیه وسلم مغفور لهم مشروط بان یکونوا من اهل المغفرة حتیٰ لو ارتد احد ممن غزاها بعد ذالک لم یدخل فی ذالک العموم اتفاقا فدل علیٰ ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فیه منهم."

اصل عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے، مؤلف کے حذف کردہ الفاظ کا ترجمہ زیر خط کردیا گیا ہے۔

ترجمہ:...... "اور فتح الباری میں ہے کہ مہلب فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت معاویہؓ کی منقبت وفضیلت ثابت ہوئی، کیونکہ بحری جہاد سب سے پہلے آپؓ ہی نے کیا، اور اس سے ان کے صاحبزادے (یزید) کی بھی منقبت ثابت ہوئی، کیونکہ مدینہ قیصر پر سب سے پہلے انہوں نے جہاد کیا، اور ابن التین اور ابن منیر نے مہلب کے اس قول کی تردید کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یزید کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی دلیل خاص کی بنا پر وہ اس سے خارج نہ ہو،

کیونکہ اہل علم کا اس امر میں تو اختلاف نہیں کہ ارشاد نبوی:
"مغفور لہم" اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ لوگ مغفرت
کے اہل بھی ہوں، چنانچہ بالفرض اس جہاد میں شرکت کرنے کے
بعد کوئی شخص مرتد ہوگیا ہو تو وہ اس عموم میں بالاتفاق داخل نہیں
ہوگا، اس سے ثابت ہوا کہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ ان میں سے
جن افراد میں مغفرت کی شرط پائی جائے گی وہی مغفور ہوں
گے۔"

ان دونوں عبارتوں کے مقابلے سے معلوم ہوا ہوگا کہ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے "فتح الباری" سے جو کچھ نقل کیا ہے، مؤلف رسالہ نے اس کا "عکس نقیض" کشید کرنے میں کیسی حذاقت و مہارت کا ثبوت دیا ہے، یہ صرف ایک مثال ہے، ورنہ موصوف نے "برائے وزن بیت" حوالوں کا جو انبار لگایا ہے، ان میں سے اکثر کا یہی حال ہے، اگر "اسلامک ریسرچ" اور "تطہیر تاریخ کی مقدس تحریک" اسی کا نام ہے تو ہمیں بصد عجز اعتراف ہے کہ ہم اس کے اہل نہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان سے اس کی اہلیت سلب کرلے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ، وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

(بینات جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ)

ناصبیت کی تردید یا دعوت؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

سلف صالحین سے بداعتمادی اور ان کے مقابلے میں اپنے علم وفہم اور اپنی رائے پر اعتماد تمام فتنوں کی جڑ ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں امام بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ثلٰث منجیات وثلٰث مهلکات، فاما المنجیات فتقوی الله فی السرّ والعلانیة والقول بالحق فی الرضا والسخط والقصد فی الغنٰی والفقر.

واما مهلکات فهوًی متبع وشحٌّ مطاع واعجاب المرء بنفسه وهی اشدهن." (مشکوٰۃ ص:۴۳۴)

ترجمہ:...... "تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں اور تین ہلاک کرنے والی۔ نجات دلانے والی چیزیں تو یہ ہیں: جلوت وخلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، رضامندی و ناراضی کی حالت میں حق بات کہنا اور مالداری و ناداری میں میانہ روی

اختیار کرنا۔

اور ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں: خواہش نفسانی کی پیروی، حرص کی فرمانبرداری اور آدمی کا خود پسندی میں مبتلا ہونا، اور یہ آخری چیز ہلاکت خیزی میں سب سے بڑھ کر ہے۔"

ایک اور حدیث میں فتنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان تین چیزوں کو نمایاں طور پر ذکر فرمایا ہے:

"عن ابی ثعلبة (الخشنی) رضی الله عنه فی قوله تعالٰی: "عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ." فقال اما والله! لقد سألت عنها رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: "بل ائتمروا بالمعروف وتناهوا عن المنکر حتٰی اذا رأیت شحًا مطاعًا وهوًی متبعًا ودنیا مؤثرة واعجاب کل ذی رأی برأیه، ورأیت امرًا لا بد لک منه فعلیک نفسک ودع امر العوام، فان وراءکم ایام الصبر، فمن صبر فیهن قبض علی الجمر، للعامل فیهن اجر خمسین رجلا یعملون مثل عمله." قالوا: یا رسول الله! اجر خمسین منهم؟ قال: "اجر خمسین منکم." "(رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ مشکوٰۃ ص:۴۳۷)

ترجمہ:......"حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ: "عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ." کا مطلب پوچھا گیا تو فرمایا: سنو! اللہ کی قسم! میں نے اس آیت کریمہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اس آیت

کریمہ کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز نہ رہو)
بلکہ معروف کا حکم کرتے رہو، منکر سے روکتے رہو، یہاں تک کہ
تم دیکھو کہ حرص کی فرمانبرداری اور خواہش نفس کی پیروی کی
جارہی ہے، اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر نازاں ہے، اور تم
دیکھو کہ اب یکسوئی اور علیحدگی کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہا، تب
اپنی ذات کی فکر کرو اور عوام کے قصہ میں پڑنا چھوڑ دو، کیونکہ
تمہارے بعد ''صبر کے دن'' ہیں، جو شخص اس زمانے میں صبر
کرے گا، وہ گویا انگاروں سے مٹھی بھرے گا، اس زمانے میں
(دین پر صبر و استقامت کے ساتھ) عمل کرنے والے کو پچاس
آدمیوں کا ثواب ملے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اُن
میں سے پچاس کا اجر؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم میں سے پچاس کا
اجر۔''

یہی خودرائی وخودروی ہر دور میں نئے نئے افکار و نظریات کا سرچشمہ بنی اور اسی پر افتراق امت کی بنیادیں استوار کی گئیں۔ ہر وہ شخص جس کو کوئی نیا خیال سوجھ گیا اس نے اسے ثابت کرنے کے لئے آسمان و زمین کے قلابے ملانے شروع کردیئے، اور پورے وثوق کے ساتھ یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کا یہ مخترع نظریہ ہی عین حق وصواب اور رشد و ہدایت ہے، اور اس کے مقابلے میں جو کچھ ہے وہ کذب و باطل اور گمراہی و ضلالت ہے، گزشتہ صدیوں کے اکابر امت، جو اس مخترع نظریے سے متفق نظر نہ آئے ان پر پوری جرأت و جسارت کے ساتھ تبرابازی شروع کردی۔

ماضی قریب میں اس جہالت مآب خودرائی کی ایک مثال محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' اور ''تحقیق مزید بر خلافت معاویہ و یزید'' تھی، جو مودودی صاحب کی تشیع آمیز کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے ردعمل کے طور پر لکھی گئی،

اور جس میں اسلاف کی تحقیقات کو غلط قرار دیتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بمقابلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے، اور یزید کی بمقابلہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے برتری ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی گئی۔ یہ تشیع کے مقابلہ میں عباسی کی ناصبی تحریک تھی جس نے بعد میں بہت سے داعی تیار کرلئے، ان میں سے اکثر و بیشتر ملحد، بے دین اور منکر حدیث ہیں، جن کا اصل ہدف اکابر امت کا استہزاً اور احادیث نبویہ کی تضحیک ہے، امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سبطین شہیدین رضی اللہ عنہما اور دیگر اکابر و اعاظم اہل بیت (رضوان اللہ علیہم) کے حق میں سوقیانہ دل آزاری ان کا محبوب مشغلہ ہے، جو مسخ قلوب اور سلب ایمان کی علامت ہے۔

اس خودرائی کی تازہ ترین مثال عبدالقیوم صاحب بی اے کی تالیف ''تاریخ نواصب'' (حصہ اول) ہے، مصنف کا علمی تعارف لوح کتاب پر بایں الفاظ ثبت ہے:

> ''فاضل وفاق المدارس، دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی۔''

موصوف نے یہ کتاب بخیال خویش ''ناصبیوں'' کے رد میں لکھی ہے، مگر انداز بیان اور طریقہ تحقیق ٹھیک وہی ہے جو محمود احمد عباسی سے ناصبیوں کو وراثت میں ملا ہے۔ ناصبی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر روافض کی الزام تراشیوں اور تبرابازیوں کا انتقام ''حضرت علی اور اولادِ علی'' (رضوان اللہ علیہم) سے لینا چاہتے ہیں، چنانچہ مصنف لکھتے ہیں:

> ''کراچی ہی سے ایک شخص نذیر احمد شاکر نے ایک کتاب بعنوان ''شمائل علی'' لکھی ہے، جس میں حضرت علی علیہ السلام کو نعوذ باللہ! منافق تک کہہ دیا ہے۔ حدیث و تاریخ کی صریح تحریف کرکے مولا علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ صورت وسیرت کو داغدار بنانے کی کوشش کی ہے۔'' (ص:۱۰)

اسی طرح عبدالقیوم صاحب کو ناصبیت کے مرض کا علاج یہ سوجھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام رفقا کو (جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی شامل تھے) بیک قلم کافر و منافق قرار دے دیا جائے۔

مصنف نے مسند الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ کی کتاب ''تحفۂ اثنا عشریہ'' (اردو ترجمہ ''ہدیہ مجیدیہ'' ہے) سے نقل کیا ہے کہ:

> ''الحاصل اہل سنت کا اجماع اس پر ہے کہ جو شخص حضرت امیرؓ کو نسبت کفر کی کرے، یا ان کے بہشتی ہونے کا منکر ہو، یا منکر ان کی لیاقت و خلافت کا باعتبار اوصاف دین کے، جیسے علم و عدالت اور تقویٰ اور پرہیزگاری، کافر ہے۔'' (ص:۱۷)

مصنف، حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت کو بلاتکلف حضرت معاویہ اور ان کے رفقا پر چسپاں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ معاویہ اور اس کے حامی حضرت امیرؓ سے عداوت کی بنا پر شدید لعن طعن کرتے تھے، اور آنحضرت کی طرف نسبت کفر کی کرتے تھے، اور آنجناب کے بہشتی ہونے کے منکر تھے۔'' (ص:۱۸)

> ''شاہ صاحبؒ کی عبارت سے واضح ہوگیا کہ اہل سنت کے نزدیک خارجی اور ناصبی دونوں کافر ہیں۔'' (ص:۱۸)

> ''بغض علیؓ، خلافت علیؓ کا انکار اور علی علیہ السلام پر سبّ و شتم کرنا شعائر نواصب میں سے ہے ...... ان سب افعال شنیعہ اور افعال قبیحہ کا بانی معاویہ بن ابی سفیان ہے، جسے اہل سنت غیر شعوری طور پر جلیل القدر صحابی سمجھے بیٹھے ہیں۔''
>
> (ص:۱۵)

''معاویہ کو اہل بیت نبی علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے شدید ترین بغض و عداوت تھی، امام حسن علیہ السلام کی وفات پر نعرہ ہائے مسرت بلند کیے۔'' (ص:۱۵)

''درحقیقت یہ لوگ (حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقا) صحابی نہیں تھے، بظاہر تسلیم و انقیاد کا دم بھرتے تھے، اندر سے باپ دادا کے دین پر قائم تھے، انہیں تو بدر و فتح مکہ کی ذلت کا انتقام لینا تھا، سو لے لیا، ایسے لوگوں سے تو بغض ہی رکھا جائے گا، محبت و احترام کیسے کیا جائے؟'' (ص:۳۱)

''وہ ابوسفیان جس نے شمع نبوت کو گل کرنے کی ناپاک کوششوں میں ساری زندگی صرف کردی، اب اس کے بیٹے معاویہ نے یادگارِ نبوت، شاہ ولایت، مولا علی علیہ السلام اور ان کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام کے ساتھ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر محاربت کی، بالآخر دشمنانِ نبوت کے ہاتھ غاصبانہ طور پر خلافت آگئی۔'' (ص:۴۷)

''معاویہ کو بھی آخری عمر میں لقوہ ہوا تھا، مولائے کائنات پر بھوکنے والوں کے منہ اسی قابل ہیں کہ ٹیڑھے ہوجائیں۔'' (ص:۵۷)

''معاویہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ، مروان اور ان کے علاوہ تمام نواصب و خوارج مولائے مؤمنین علی علیہ السلام سے بغض رکھتے تھے، اور برملا علی علیہ السلام پر سبّ وشتم کرواتے تھے، اس لئے یہ لوگ کسی طرح بھی اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتے کہ ان سے روایات لی جائیں، جو شخص ان سے روایات

لے گا، اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوں گے، لیکن تعجب ہے نام
نہاد اہل سنت پر کہ ان سب نواصب سے بڑے زور وشور سے
روایات لیتے ہیں، بعض کو ''الصحابۃ کلھم عدول۔'' کے سائے میں
پناہ دے کر غضب الٰہی سے بچاتے ہیں۔'' (ص:۲۰۶)

میں نے کتاب کے چند فقرے بادل نخواستہ نمونے کے طور پر نقل کر دیئے ہیں، ورنہ پوری کتاب اسی قسم کے مکروہ، دل آزار اور سوقیانہ لغویات کا مرقع ہے، نعوذ باللہ من سوء الادب وفتنۃ الصدر!

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے (جنہیں مصنف نے ''حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مدحیہ الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ ص:۱۲۷) مکتوبات شریفہ دفتر اول کے مکتوب ۲۵۱ میں عقائد اہل سنت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت ہی تفصیل سے کلام کیا ہے، اسی ضمن میں فرماتے ہیں:

''اے برادر! معاویہ تنہا دریں معاملہ نیست، بلکہ نصفے
از اصحاب کرام کم وبیش دریں معاملہ باوے شریک اند، پس
محاربان امیر اگر کفرہ یا فسقہ باشند اعتماد از شطر دیں میخیزد کہ از راہ
تبلیغ ایشاں بما رسیدہ است، وتجویز نکند ایں معنی را مگر زندیقے
کہ مقصودش ابطال دین است۔'' (مکتوبات دفتر اول ص:۴۱۶)

ترجمہ:......''میرے بھائی! حضرت معاویہؓ اس معاملہ
میں تنہا نہیں، بلکہ کم وبیش نصف صحابہ کرامؓ اس معاملہ میں ان
کے ساتھ شریک ہیں، پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے جنگ
کرنے والے اگر کافر یا فاسق ہوں تو دین کے اس حصہ سے
اعتماد اٹھ جاتا ہے جو ان کی تبلیغ کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، اور

اس بات کو تجویز نہیں کرے گا مگر وہ زندیق جس کا مقصود دین کو

باطل کرنا ہے۔"

حضرت مجددؒ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقا (رضی اللہ عنہم) پر کفر یا فسق کا فتویٰ صادر کرنا زندقہ ہے، جس سے مقصود حضرات اہل بیتؓ کی حمایت نہیں، بلکہ دین اسلام میں تشکیک و الحاد پیدا کرنا ہے، لیکن مصنف (اپنی ناپختہ کاری اور کم علمی کے باوصف) صدر اول سے لے کر آج تک کے تمام اہل سنت کو ناصبی یا کم از کم ناصبیت زدہ قرار دیتے ہیں، ان کے خیال میں ناصبیت کا ایک عنصر اہل سنت میں ہمیشہ رہا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"میں اگر چہ ایک ناپختہ کار شخص ہوں، تصنیف و تالیف کا مجھ میں سلیقہ نہیں، علم محدود بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، لیکن جن لوگوں نے اس میدان میں قدم رکھا ہے، ان سے بھی نالاں ہوں، اس لئے کہ حقائق تک رسائی حاصل کرنے اور انہیں تسلیم کرنے میں ان لوگوں نے دانستہ یا نادانستہ تقلید کی ہے، مثلاً مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب نے نواصب کی مقدور بھر تردید کی ہے، لیکن ایک گونہ ناصبیت میں آخر دم تک ملوث رہے ہیں۔"

(ص:۱۰)

مصنف کے نزدیک سنی کہلانے کا مستحق صرف وہی شخص ہے جو ان کی طرح کمال جرأت و گستاخی کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر (نعوذ باللہ) کفر و نفاق کا فتویٰ صادر کرتا ہو، ورنہ جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "مجتہد مخطی" کہتا ہو اس کے پکا ناصبی ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، اور جو شخص ان کو علانیہ فاسق کہتا ہو (نعوذ باللہ) وہ بھی فی الجملہ "ناصبی" ہے، اور اس میں ناصبیت کا جرثومہ پایا جاتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

''یہاں اس بات کی وضاحت کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناصبیت کے بہت سے اجزا ہیں، ایک عام جز جو تقریباً تمام اہل سنت میں پایا جاتا ہے، معاویہ کو مولائے کائنات، امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ التسلیمات کے مقابلہ میں مجتہد مخطی سمجھنا ہے، اس لئے بھی ادنیٰ مرتبہ معاویہ کو مولا علی علیہ السلام کے مقابلہ میں بوجہ مقاتلہ وغیرہ باطل پر گردانا اور فاسق جاننا ہے، ناصبیت کا یہ ادنیٰ مرتبہ حق کے قریب ہے، پورا حق اس لئے نہیں کہ مرتبہ صحابیت کو آڑ بنا کر طعن وغیرہ سے مانع ہوتے ہیں، یہ دونوں مراتب صدر اول کی اکثریت میں پائے جاتے ہیں، بعد میں مجتہد مخطی ماننے کا حصہ غالب آگیا۔'' (ص:۴۳)

اگر بقول مصنف، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) فاسق کہنے والے بھی ادنیٰ درجہ کے ناصبی ہیں، اور سنی صرف وہ ہیں جو ان کو کافر و منافق کہہ کر تبرا کرتے ہوں تو صدر اول سے آج تک ایسے ''سنی'' صرف تبرائی رافضیوں ہی میں مل سکیں گے، یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اہل سنت کے بڑے بڑے ائمہ کبار کو ناصبیوں کی صف میں شمار کیا ہے، اور چونکہ بقول ان کے ناصبیت کے یہ دونوں مراتب صدر اول کی اکثریت میں پائے جاتے تھے اس لئے مصنف نے امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور ان کے بعد کے تمام اکابر کو ناصبیوں کے زمرے میں شمار کیا ہے، اور ان اکابر کے بارے میں بہت ہی دل آزار فقرے استعمال کئے ہیں، امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کو موصوف نے محبان اہل بیت میں شمار کیا ہے، لیکن اگر کہیں ان کی نظر اس پر چلی جاتی کہ ان دونوں حضرات نے بھی حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو محاربات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے روایات لی ہیں، اور ان کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' کا لفظ

استعمال کیا ہے، اور بشمول ان حضرات کے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں کف لسان کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

"ولا نذکر الصحابة الا بخیر."

(شرح فقہ اکبر ص:۸۵)

ترجمہ:......"اور ہم ذکر نہیں کرتے صحابہؓ کا مگر خیر کے ساتھ۔"

امام طحاویؒ، جن کو مصنف نے "محدثین وفقہائے احناف میں سے ایک عظیم شخصیت، محبت اہل بیت کا مجسم نمونہ اور مایہ ناز ہستی امام طحاویؒ" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اور جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمد بن حسن الشیبانی (رحمہم اللہ) کے مذہب کے مطابق عقائد اہل سنت کو قلمبند کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"ونحب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولا نفرط فی حب احد منهم، ولا نتبرا من احد منهم، ونبغض من یبغضهم وبغیر الحق یذکرهم، ولا نذکرهم الا بخیر، وحبهم دین وایمان واحسان، وبغضهم کفر ونفاق وطغیان .... الیٰ قوله .... ومن احسن القول فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وازواجه وذریاته فقد بری من النفاق."

(العقیدۃ الطحاویہ ص:۲۴، مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ آسیا آباد مکران، بلوچستان)

ترجمہ:......"اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہؓ سے محبت رکھتے ہیں، اور ان میں سے کسی کی محبت میں غلو نہیں کرتے، اور نہ ان میں سے کسی سے تبری کرتے ہیں، اور جو

شخص ان سے بغض رکھے اور ان کا ناشائستہ تذکرہ کرے ہم اس
سے بغض رکھتے ہیں۔ اور ہم ان کا ذکر نہیں کرتے مگر خیر کے
ساتھ، اور ان کی محبت دین و ایمان اور احسان ہے، اور ان سے
بغض کفر و نفاق اور طغیان ہے .....اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے اصحاب و ازواج اور اولاد کے بارے میں حسن ظن
رکھے وہ نفاق سے بری ہے۔"

اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"(وھو منقول عن عمر بن عبدالعزیز ایضًا):
تلک دمآءٌ طهر الله عنها ایدینا فلنطهر السنتنا."

(مکتوبات امام ربانی مکتوب:۲۵۱ دفتر اول)

ترجمہ:......"یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو
اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زبانوں کو
بھی ان سے پاک رکھیں۔"

الغرض یہ اور اس قسم کی دوسری چیزیں جو امام ابوحنیفہ و امام شافعی رحمہما اللہ سے منقول ہیں، اگر مصنف کی نظر ان کی طرف چلی جاتی تو ان دونوں اکابرؒ پر بھی وہ بلاتکلف "ناصبی" ہونے کا فتویٰ صادر کردیتے۔ جب صدرِ اول سے لے کر آج تک کے تمام اکابر اہل سنت مصنف کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ناصبی ہوئے اور ناصبی کافر ہوتے ہیں تو نتیجہ ظاہر ہے کہ جنت کے وارث تنہا عبدالقیوم صاحب بی اے رہ جاتے ہیں۔

— یہ ہے ناپختہ کاری اور کم علمی و کم مائیگی کے باوصف (جس کا مصنف کو خود بھی اعتراف ہے) خودرائی، آزادانہ تحقیق اور ترکِ تقلید کا نتیجہ...! اور یہ ہے حدیث نبوی: "ولعن آخر هذه الامة اولها." (مشکوٰۃ ص:۴۷۰) (اور لعنت کریں گے

امت کے پچھلے لوگ پہلوں کو) کا دردناک منظر...!!

مصنف نے "مشاجرات صحابہؓ" کی دشوار گزار اور پُرخار وادی میں تن تنہا برہنہ پا قدم رکھا ہے، اور بزعم خود اہل بیت نبوی (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) کی حمایت میں حضرت معاویہؓ اور ان کے حمایتی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر "ہدیہ مجیدیہ" کے حوالے سے کفر و نفاق کا فتویٰ صادر فرمایا ہے، حالانکہ "محبت اہل بیت کے مجسم نمونہ" امام طحاویؒ کے حوالے سے معلوم ہوچکا ہے کہ وہ خود کفر و نفاق اور طغیان کے مرض میں مبتلا ہیں، اگر مصنف کے دل کی آنکھوں کا کوئی دریچہ کھلا ہوتا تو انہیں نظر آتا کہ جن اہل بیت نبویؐ کی حمایت میں وہ حضرت معاویہؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے ایمان پر حملہ کر رہے ہیں، خود انہی اہل بیتؓ نے ان حضرات کو اسلام کی سند عطا فرمائی ہے، کون نہیں جانتا کہ سبط اکبر، ریحانۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل پیش گوئی فرمائی:

"ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین."

(رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ ص:۵۶۹)

ترجمہ:...... "بلاشبہ میرا یہ بیٹا "سید" ہے، اور توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرادیں گے۔"

اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس پیش گوئی کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرکے خلافت ان کے سپرد فرمادی۔ (یہ سال اسلامی تاریخ میں "عامۃ الجماعۃ" کہلاتا ہے)۔

اس عظیم پیش گوئی سے جہاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عظیم منقبت معلوم ہوتی ہے، وہاں یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ یہ دونوں جماعتیں مسلمان تھیں، اور لسانِ

نبوت نے ان کو: "فئتین عظیمتین من المسلمین." کے خطاب سے سرفراز فرمایا، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو مصالحت کی تھی وہ انہیں مسلمان سمجھ کر ہی کی تھی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مصالحت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا: ''توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرادیں گے۔'' چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ان دو جماعتوں کے درمیان اتحاد و مصالحت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صلح خاص لطفِ الٰہی کا کرشمہ تھی، اور یہ کہ یہ دونوں جماعتیں عند اللہ بھی مؤمن تھیں۔ الغرض یہ حدیث شریف صاف بتاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مسلمان تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے مسلمان ہونے کا اعلان فرمایا، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی خلافت نبوت ان کے سپرد کرکے ان کے اسلام پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

اب ''تاریخ نواصب'' کے غالی مصنف سے دریافت کرنا چاہئے کہ خدا اور رسول اور سید اہل بیت امام حسن رضی اللہ عنہ کا دین تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہیں، اس نے یہ دین کہاں سے لیا ہے کہ: ''معاویہ کو مسلمان سمجھنا ناصبیت ہے اور ناصبیت کفر ہے۔'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کرامت دیکھئے کہ جو شخص ان پر کفر کا فتویٰ صادر کرنے چلا تھا، وہ خود اللہ و رسول اور اہل بیت کے دین سے خارج ہو بیٹھا۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی کلمہ خیر کہنا ناصبیت ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کی روشنی میں اس ''ناصبیت'' کی تعلیم سب سے پہلے لسانِ نبوت نے دی، اور پھر ریحانہ رسول، سید اہل بیت، امیر المؤمنین، امام برحق حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس ''ناصبیت'' پر مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ الحمدللہ! اکابر اہل سنت، جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو عظیم القدر صحابیٔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم قرار دے کر ان سے کف لسان کا حکم فرماتے ہیں، وہ خدا اور رسول اور حضرات اہل بیت کے سچے دین پر عمل پیرا ہیں: ولو کرہ الکافرون!

"تاریخ نواصب" کا مصنف غلو و افراط اور طغیان کی جس حد پر کھڑا ہے اس سے نظر بظاہر واپسی کی توقع مشکل نظر آتی ہے، لیکن مصنف کی خیرخواہی کا تقاضا ہے کہ اس کو اس موقف سے توبہ کی تلقین کی جائے۔ مصنف، مرضِ ناصبیت کا علاج ڈھونڈنے چلا تھا، لیکن اپنی ناپختہ کاری اور کم علمی و کم مائیگی کے باعث خود کفر و نفاق اور زندقہ کی وادی میں بھٹکنے لگا، مصنف کو چاہئے کہ وہ اس خود رائی اور غیر مقلدیت سے سو بار توبہ کرے اور اپنی کتاب کو نذر آتش کر کے خدا تعالیٰ کے غضب کی آگ کو ٹھنڈا کرے، اکابر امت کی توہین و تذلیل اور بے ادبی ابتداءً سلبِ توفیق کا اور انتہاءً سلبِ ایمان کا موجب ہوجاتی ہے، اس سے ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

ہم حکومت کے ارباب حل و عقد سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایسی دل آزار اور گندی کتابوں کی اشاعت پر پابندی لگائی جائے اور انہیں ضبط کیا جائے، نیز مصنف کو اس زہرافشانی پر تعزیر کی جائے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ بینات ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ)

ایک مظلوم خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ
سید قطب اور مولانا مودودی کی نظر میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی کچھ عرصہ سے کسی خفیہ تحریک کے تحت اردو رسائل و اخبارات میں تختۂ مشق بنی ہوئی ہے، ایک طرف مودودی صاحب کا مقالہ ''خلافت سے ملوکیت تک''، اول ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' میں شائع ہوا، اور پھر نہایت آب و تاب کے ساتھ کتابی شکل میں منظر عام پر آیا۔ دوسری طرف سید قطب کی کتاب "العدالة الاجتماعية فی الاسلام" کے اقتباسات اور حوالے ان کی تائید میں شائع ہونے شروع ہوئے اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے ستودہ صفات خلیفۂ ثالث کے خلاف ایک طوفان برپا ہوگیا۔

اس طوفان بدتمیزی میں قارئین ''بینات'' کے اطمینان و بصیرت کے لئے ضروری سمجھا گیا کہ ان دونوں حضرات کی کتابوں کے اقتباسات اصل صورت میں پیش کردیئے جائیں، ہمیں امید ہے کہ قارئین واضح طور پر مذکورہ ذیل فرق کے سوا اور کوئی فرق نہ پائیں گے:

۱:......سید قطب کے اقتباسات سے تو بیک وقت شیعیت اور شیوعیت (کمیونزم) کی تیز و تند "لو" صاف آرہی ہے، مودودی صاحب اسی کو اپنے مخصوص انداز میں ذرا ہلکا اور غیر محسوس سا بنا کر پیش کر رہے ہیں، بالفاظ دیگر سید قطب کی کتاب کا یہ حصہ متن ہے اور مودودی صاحب کی کتاب کا یہی حصہ اس کی شرح کا کام دے رہا ہے۔

۲:......سید قطب نے جو کچھ کہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ: "حضرت خلیفۂ شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالارادہ (اور جان بوجھ کر) ایسے عملی اقدامات کئے جن کے نتیجے کے طور پر خطرناک واقعات امت میں رونما ہوئے۔" اور مودودی صاحب کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ: "ان کے عہد میں جو اقدامات عمل میں آئے تھے، ان کے یہ ناقابل برداشت نتائج سامنے آنے ہی تھے۔" گویا قطب نے خلیفہ مظلوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی "نیت" پر حملہ کیا ہے، مودودی صاحب نے "عمل" کو متہم قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ عوام تو عمل کو ہی دیکھتے ہیں، وہ ان کی کتاب پڑھ کر خلیفۂ راشد کے بارے میں ضرور سوٴ ظن کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، مودودی صاحب کا مقالہ شائع ہوتے ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہدفِ طعن و تشنیع بن گئی، شیعہ حضرات نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

بہرصورت ان دونوں کے اقتباسات پڑھنے کے بعد جو یقینی نتائج نکلتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱:......عہد عثمانی، خلافتِ راشدہ کا دور نہیں ہے، بلکہ عہد شیخین (ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عہد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے درمیان ایک خلا (خالی زمانہ) ہے، قطب نے تو صاف لفظوں میں فجوۃ کہا ہے، مودودی صاحب نے یہ لفظ تو استعمال نہیں کیا، مگر حاصل ان کے بیان کا بھی یہی ہے۔

۲:......حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیدہ و دانستہ، یا نادانستہ اپنے

خاندان بنی امیہ کو ہر پہلو سے مضبوط کر کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تمام مشکلات پیدا کی ہیں۔

۳:......حضرت عثمانؓ کے حامیوں کے قلوب حلاوتِ ایمان سے کورے تھے، ہاں ان کے مخالفین پکے اور سچے مسلمان تھے۔

۴:......طلقاءُ (فتح مکہ کے وقت عام معافی کے بعد اسلام لانے والے) ایسے نومسلم تھے جن کے دلوں میں عہد نبوت کے دو سالوں میں بھی ایمان راسخ نہیں ہوا تھا، اور دو سالہ صحبتِ نبویؐ کی برکات سے بھی ان کے قلوب منور نہ ہو سکے تھے۔

۵:......حضرت عثمانؓ بالقصد (قصداً) خلافت کے اہم منصبوں اور کلیدی عہدوں سے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معزول کر کے، اعدائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برسر اقتدار لائے ہیں۔

۶:......حضرت عثمانؓ نے عہد نبوت میں جو گرانقدر تبرکات و انفاقات کئے تھے، اپنے عہدِ خلافت میں اس کا بدل دوگنا چوگنا وصول کرلیا، اور اپنے خاندان پر بیت المال کے خزانوں کے دروازے چوپٹ کھول دیئے۔

ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ یہ سب کچھ جستہ جستہ متفرق کتب تاریخ میں موجود ہے، اور مانے لیتے ہیں کہ نقل میں بھی کوئی خیانت نہیں کی گئی، مگر پھر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اس منتشر اور دور افتادہ مواد کو یکجا کر کے مرتب صورت اور مربوط شکل میں اردو زبان کے اندر منتقل کر کے، اس پُرفتن دور میں عوام اور اس نئی نسل، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ یا تعلیم یافتہ طبقہ، کے سامنے پیش کرنا، جو دینی تربیت اور صحیح اسلامی تاریخ کی واقفیت سے محروم ہے، کون سی دینی اور ''اسلامی خدمت'' ہے؟

نیز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا آخر کیا مطلب ہے؟:

''اللہ! اللہ! فی اصحابی، لا تتخذوھم من بعدی

غرضًا." (مشکوٰۃ ص:۵۵۴)

ترجمہ:......"اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے بعد میرے صحابہ کو ہدف ملامت ہرگز نہ بنانا۔"

اور چودہ صدیوں بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان ہر دو مؤلفین کی یہ خامہ فرسائی حسب ذیل ارشاد گرامی کے تحت حبِّ رسول کا مصداق ہے، یا بغض رسول کا؟

"فمن احبهم فبحبی احبهم، ومن ابغضهم فبغضی ابغضهم." (مشکوٰۃ ص:۵۵۴)

ترجمہ:......"پس جس شخص نے ان سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔"

ایسی صورت میں مودودی صاحب کے اس مقالہ یا کتاب کو پڑھ کر اگر عوام اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کوئی غیر اسلامی اور غیر شرعی اثر لیں، تو ان کا کیا قصور؟ اور اگر صحیح العقیدہ دیندار طبقہ، یا اہل علم ان کے خلاف کوئی "رائے" یا "محاذ" قائم کریں تو اس پر چراغ پا، یا چیں بہ جبیں ہونے کا کسی کو کیا حق ہے؟

بنو امیہ کو چھوڑیئے، خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو طلقاءؔ میں سے نہ تھے، وہ تو مہاجرین میں بھی "سابقین اولین" میں سے تھے، نہایت قدیم الاسلام، بارگاہ نبوت کے قدیم ترین صحبت یافتہ طبقہ کے ممتاز فرد تھے، نہ صرف یہ بلکہ "ذی النورین" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صاحبزادیوں کے شوہر ہونے کا شرف اور قرب بھی ان کو حاصل تھا، ان پر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طویل صحبت و قرابت کے فیوض و برکات کا اثر کیوں نہیں ہوا؟ "روحِ اسلام" ان کے قلب میں راسخ کیوں نہ ہوئی؟ خاندانی عصبیت اور سرمایہ داری کا چور ان کے دل سے کیوں

نہ نکلا؟

حیرت ہے جس ذات ستودہ صفات کی تعریف عرش سے فرش تک ہو رہی ہو، ملائکۃ الرحمٰن سے لے کر حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم جس کی توصیف میں ہم زباں ہوں، "ما علیٰ عثمان" کی بشارت عظمیٰ جس کو خاتم الانبیاؐ صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہوں، حضرت عمر فاروق اعظمؓ جیسی مردم شناس اور سخت گیر ہستی صرف چھ آدمیوں کی انتخابی شوریٰ میں اس کا انتخاب کرے، اور قطب اور مودودی کی نظر میں وہ اس قدر خرد باختہ خائن یا غلط کار ہیں، فانا للہ وانا الیہ راجعون!

"سید قطب"

ذیل میں ہم "سید قطب" کی کتاب "العدالۃ الاجتماعیۃ [illegible]
(طبع چہارم) سے عربی عبارتوں کے اقتباس نقل کر کے ان کا ترجمہ پیش کر ر

نصوص

"العدالة الاجتماعية فى الاسلام"

(الطبعة الرابعة)

ا:......"هذا التصور لحقيقة الحكم قد تغير شيئا ما بدون شك على عهد عثمان، ولقد كان من سوء الطالع ان تدرك الخلافة عثمان وهو شيخ كبير ضعفت عزيمته عن عزائم الاسلام، وضعفت ارادته عن الصمود لكيد مروان وكيد امية من ورائه.

فهم عثمان. يرحمه الله. ان كونه اما ما يمنحه حرية التصرف فى مال المسلمين بالهبة والعطية فكان رده فى كثير من الاحيان على منتقديه فى هذه

السياسة: "والا ففيم كنت اماما؟" كما يمنحه حرية ان يحمل بني معيط وبني امية. من قرابته. على رقاب الناس وفيهم الحكم طريد رسول الله، لمجرد ان من حقه ان يكرم اهله ويبرهم ويرعاهم." (ص:۱۹۰ طبع چہارم)

ترجمہ:......"حاکمیت کا یہ تصور حقیقی)، عثمانی دور میں واقعتاً کسی قدر بدل چکا تھا، یقیناً یہ بدقسمتی تھی کہ "خلافت" عثمان کو اس وقت ملی جبکہ وہ بڑھاپے کی آخری حدود میں تھے، ان کی عزیمت اسلامی، ذمہ داریوں سے کمزور ہوچکی تھی، اور ان کی قوت ارادیہ مروان اور بنی امیہ کے مکر و فریب کے مقابلہ سے عاجز ہوچکی تھی۔

عثمانؓ نے ۔ اللہ ان پر رحم فرمائے ۔ یہ سمجھ لیا تھا کہ ان کے خلیفہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انہیں مسلمانوں کے مال میں بطور داد و دہش "آزادانہ تصرف" کا حق مل گیا ہے، چنانچہ اپنی اس پالیسی پر تنقید کرنے والوں کو بسااوقات وہ یہ جواب دیا کرتے تھے کہ: "اگر مجھے یہ بھی حق نہیں تو میں خلیفہ کیا ہوا؟"

اسی طرح ان کا خیال تھا کہ منصب خلافت انہیں یہ حق بھی دیتا ہے کہ وہ اپنے اقارب "بنی معیط" اور "بنی امیہ" کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کرڈالیں، جن میں وہ "حکم" بھی داخل ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کردیا تھا، ان کی دلیل صرف یہ تھی کہ انہیں اپنے رشتہ داروں کے اکرام، حسن سلوک اور رعایت کا حق حاصل ہے۔"

۲:......"منح عثمان من بيت المال، زوج ابنته

الحارث بن الحكم يوم عرسه مئتى الف درهم. فلما اصبح الصباح جاءه زيد بن ارقم، خازن مال المسلمين، وقد بدا فى وجهه الحزن وترقرقت فى عينه الدموع، فسأله ان يعفيه من عمله، ولما علم منه السبب وعرف انه عطيته لصهره من مال المسلمين، قال مستغربا: "اتبكى يا ابن ارقم! ان وصلت رحمى؟" فرد الرجل الذين يستشعر روح الاسلام المرهف: "لا يا امير المؤمنين! ولكن ابكى لانى اظنك اخذت هذا المال عوضا عما كنت انفقته فى سبيل الله فى حياة رسول الله. والله! لو اعطيته مائة درهم لكان كثيرا. فغضب عثمان على الرجل الذى لا يطيق ضميره هذه التوسعة من مال المسلمين على اقارب خليفة المسلمين، وقال له: الق بالمفاتيح يا ابن ارقم! فانا سنجد غيرك."

والامثلة كثيرة فى سيرة عثمان على هذه التوسعات، وقد منح الزبير ذات يوم ست مائة الف، ومنح طلحة مائتى الف،ونفّل مروان بن الحكم خمس خراج افريقية، ولقد عاتبه فى ذالك الناس من الصحابة على رأسهم على بن ابى طالب، فاجاب: "ان لى قرابةً ورحمًا." فانكروا عليه وسألوه: "فما كان لابى بكر وعمر قرابة ورحم؟" فقال: "ان ابابكر وعمر كانا يحتسبان فى منع قرابتهما، وانا احتسب فى اعطاء

قرابتی." فقاموا عنه غاضبین یقولون: "فهدیهما واللہ! احب الینا من هدیک." نعم: واحب الیَّ الاسلام واقرب الیٰ حقیقة الاسلام." (ص:۱۹۰،۱۹۱)

ترجمہ:......"عثمانؓ نے اپنے داماد "حارث بن حکم" کو ان کی شادی کے موقع پر دو لاکھ درہم عطیہ دے ڈالا، جب صبح ہوئی تو بیت المال کے خازن "زیدؓ بن ارقم" ان کے پاس اس حالت میں آئے کہ ان کے چہرے پر غم والم ظاہر تھا، اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے، انہوں نے آتے ہی اپنے عہدے سے سبکدوشی کی درخواست کی، جب عثمانؓ کو اس کا سبب معلوم ہوا کہ "بیت المال سے ان کے داماد کو عطیہ دیا جانا ہے" تو تعجب آمیز لہجہ میں کہا: "ابن ارقم! کیا صرف اس لئے روتے ہو کہ میں نے صلہ رحمی کی ہے؟"

اس پر اس شخص نے جسے اسلام کی تیز روح کا شعور تھا، جواب دیا:

"نہیں امیرالمؤمنین! بلکہ میں اس لئے روتا ہوں کہ میرے خیال میں آپ نے یہ مال، اس مال کے معاوضہ میں لے لیا ہے، جو آپ دورِ نبوت میں، خدا کی راہ میں خرچ کر چکے ہیں، بخدا! اگر آپ اسے سو درہم بھی دے دیتے تب بھی وہ بہت زیادہ ہوتا۔"

یہ شخص جس کا "ضمیر" بیت المال سے خلیفہ کے اقارب پر اس قسم کی فیاضی کو برداشت نہیں کر پایا، عثمان اس پر غضب ناک ہوکر بولے: "ابن ارقم! کنجیاں ڈال دو، ہم کسی اور

کو تلاش کرلیں گے۔'' اس قسم کی فیاضی کی مثالیں سیرتِ عثمانؓ میں اور بھی بہت ملتی ہیں، چنانچہ انہوں نے ایک دن زبیر کو چھ لاکھ کا اور طلحہ کو دو لاکھ درہم کا عطیہ دیا، مروان بن حکم کو خراج اور افریقہ کا پورا ''خمس'' دے ڈالا، اس پر بہت سے صحابہ نے جن میں علیؓ بن ابی طالب پیش پیش تھے، ان کو سرزنش کی، تو ان کا جواب یہ تھا کہ میری قرابت اور رشتہ داری ہے۔ انہوں نے اس منطق کو رد کرتے ہوئے سوال کیا: ''کیا ابوبکر و عمر کی قرابت اور رشتہ داری نہ تھی؟'' عثمان نے کہا: ''وہ دونوں حضرات اپنے اہل قرابت کو نہ دینے میں ثواب کی نیت رکھتے تھے اور میں اپنے اہل قرابت کو دینے میں یہی نیت رکھتا ہوں۔'' یہ حضرات ناراض ہوکر یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے: ''ہمیں تو ان دونوں کا طریقہ خدا کی قسم! آپ کے طریقے سے زیادہ محبوب ہے۔''

(مصنف اس پر اتنا اضافہ کرتے ہیں) ''ہاں واقعی! اسلام کو بھی زیادہ محبوب تھا، اور حقیقت اسلام سے قریب تر بھی تھا۔''

۳:......''وغير المال كانت الولايات تغدق على الولاة من قرابة عثمان، وفيهم معاوية الذى وسع عليه عثمان فى الملك فضم اليه فلسطين وحمص وجمع له قيادة الاجناد الاربعة ومهد له بعد ذالك ان يطلب الملك فى خلافة علىؓ وقد جمع المال والاجناد وفيهم الحكم بن العاص طريد رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وفيهم عبدالله ابن سعد بن ابى

سرح اخوہ من الرضاعة ....الخ.

ولقد كان الصحابة يرون هذا الانحراف عن روح الاسلام، فيتداعون الى المدينة لانقاذ الاسلام وانقاذ الخليفة من المحنة والخليفة فى كبرته وهرمه لا يملک امره من مروان، وانه لمن الصعب ان نتهم روح الاسلام فى نفس عثمان، ولكن من الصعب كذالک ان نعفيه من الخطاء الذين هو خطأ المصادفة السيئة فى ولايته الخلافة وهو شيخ موهون، تحيط به حاشية سوء من امية ذات الفطرة المشؤمة." (ص:۱۹۱،۱۹۲)

ترجمہ:......"(اور یہ صرف "مالیات" تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ) مال کے علاوہ عثمانؓ کے اہل قرابت پر "مناصب" کی بارش بھی ہورہی تھی، معاویہ کی حکومت میں توسیع کرتے ہوئے عثمانؓ نے فلسطین اور حمص کے علاقے بھی ان کے زیر تصرف کردیئے تھے، اور چار عظیم لشکروں کی قیادت بھی ان کے سپرد کردی تھی، اور معاویہ کے لئے وہ سارا ساز و سامان مہیا کردیا تھا کہ وہ مال اور لشکر کے بل بوتے پر خلافت علی کے دوران میں دعوئ سلطنت کرسکے، ان ہی لوگوں میں حکم بن عاص بھی شامل تھا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلاوطن کرچکے تھے، اور ان ہی میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی شامل تھا، جو عثمان کا رضاعی بھائی ہوتا تھا، وغیر ذالک۔

صحابہ کرامؓ روحِ اسلام سے یہ انحراف اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے، وہ اسلام کو بچانے اور خلیفہ کو اس مصیبت سے

نجات دلانے کے لئے ایک دوسرے کو مدینہ طیبہ آنے کی دعوت دیتے تھے، لیکن خلیفہ اپنی کبر سنی اور سخت بڑھاپے کی بدولت، مروان کے مقابلہ میں اپنے اختیارات کھو بیٹھا تھا، یہ امر واقعی مشکل معلوم ہوتا ہے کہ عثمان کی ذات کی حد تک روحِ اسلام (کے فقدان کے بارے) میں شبہ کریں، لیکن ٹھیک اسی طرح یہ واقعتاً دشوار ہے کہ ہم عثمان کی اس غلطی کو معاف کر دیں، جو اس ''سوءِ اتفاق'' کی وجہ سے سرزد ہوئی کہ وہ اس وقت خلیفہ بنے جب کہ وہ ''بڈھے پھوس'' ہو چکے تھے، اس پر طرہ یہ کہ ان کے گرد و پیش ''منحوس فطرت'' اموی حاشیہ برداروں کی بھیڑ جمع تھی۔''

۴:......''واخيرًا ثارت الثائرة على عثمان، واختلط فيها الحق بالباطل، والخير بالشر. ولكن لا بد لمن ينظر الى الامور بعين الاسلام ويستشعر الامور بروح الاسلام ان يقرر ان تلك الثورة فى عمومها كانت اقرب الى روح الاسلام واتجاهه من موقف عثمان، او بالادق من موقف مروان، من ورائه بنو امية الذين لم تخالط روح هذا الدين نفوسهم فى يوم من الايام.

واعتذارنا لعثمان رحمه الله، ان المصادفات السيئة قد ساقت اليه الخلافة متأخرة فكانت العصبة الاموية حوله، وهو يدلف الى الثمانين، واهن القوة ضعيف الشيخوخة فكان موقفه كما وصفه صاحبه على

بن ابی طالب: "انی ان قعدت فی بیتی قال ترکتنی وقرابتی وحقی، وان تکلمت فجاء ما یرید، یلعب به مروان، فصار سیقة له یسوقة حیث شاء، بعد کبر السن وصحبته لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم." (ص:۱۹۳)

ترجمہ:......"بالآخر عثمان کے خلاف شورش برپا ہوئی جس میں حق و باطل اور خیر و شر کی آمیزش ہوگئی، لیکن جو شخص "اسلامی نظر" سے ان امور کا مطالعہ کرتا ہے اور "اسلامی روح" کے معیار پر ان امور کا شعور رکھتا ہے، اسے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ یہ شورش عمومی لحاظ سے موقف عثمان یا بلفظ ادق موقف مروان کی بہ نسبت اسلامی روح اور اسلامی تقاضوں سے بہر حال قریب تر تھی، عثمان کے گرد وہ اموی جمع تھے جن کے نفوس اس دینی روح سے ایک دن بھی ہم آہنگ نہیں ہوئے تھے۔

ہم عثمان کی طرف سے (اللہ ان پر رحم فرمائے) یہی عذر کرسکتے ہیں کہ سوءِ اتفاق نے بڑی تاخیر کے ساتھ ان کی طرف خلافت کو ہانکا، چنانچہ اموی گروہ ان کے گرد جمع تھا، اور وہ اسّی (۸۰) سال کی عمر کو پہنچ رہے تھے، ان کے قویٰ جواب دے چکے تھے، بڑھاپے کا ضعف ان پر طاری تھا، ان کا حاصل وہی تھا جو ان کے رفیق علیؓ بن ابی طالب نے بیان کیا کہ: "اگر میں اپنے گھر بیٹھ رہوں تو کہتا ہے آپ نے میری قرابت اور میرے حق سے فروگزاشت کی، اور اگر میں بات کرتا ہوں تو وہ اپنی مرضی کرتا ہے، مروان اس سے کھیلتا ہے، وہ مروان کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ گیا ہے، اسے جہاں چاہے کھینچ لے جاتا ہے۔"

۵:......"الا انه لسوء الحظ، فلقد كان من جراء مباكرة الدين الناشیء بالتمكين منه للعصبة الاموية على يدى الخليفة الثالث فى كبرته، ان تقاليد العملية لم تتاصل فى البيئة العربية على اسس من تعاليمه النظرية لفترة اطول. ولو تقدم الزمن بعثمان لكان الخير، حيث لم تضعف قوته بعد، ولو تأخر به فوليها علىّ بعد الشيخين قبل ان تمنوا البذرة الاموية، وليستفحل امرها فى الشام وفى غير الشام، وقبل ان تتضخم الثروات نتيجة لسياسة عثمان (كما سيجئ) وقبل ان تخلخل الثورة على عثمان بناء الامة الاسلامية وارتباطها بروح الدين ... لو كان هذا لتغير وجه التاريخ الاسلامي، ولسار فى طريق غير الذى سار فيه."

(ص:۱۹۳)

ترجمہ:...... "یہ یقیناً بدقسمتی تھی کہ خلیفہ ثالث کی کبرسنی میں ان ہی کے ہاتھوں اموی گروہ کے "نومولود" دین پر قابض ہوجانے کا بہت جلد یہ حشر بد ہوا کہ عربی ماحول میں دین کے عملی نقوش، اس کی نظریاتی تعلیمات (کے خطوط) پر طویل ترین مدت تک استوار نہ ہوسکے، اگر زمانہ عثمان کو پہلے لے آتا جب کہ ابھی ان کی قوت میں ضعف پیدا نہیں ہوا تھا، تو بہتر ہوتا، اور اگر انہیں پیچھے دھکیل دیتا، یعنی حضرت علیؓ، شیخینؓ کے متصل خلیفہ ہوجاتے، قبل اس سے کہ اموی بیج برگ و بار لاتا، اور قبل اس سے کہ اس کی پوزیشن شام اور غیرشام میں مضبوط ہوتی، اور قبل

اس سے کہ عثمانی پالیسی کی بدولت، جیسا کہ آگے آئے گا، بڑی بڑی ''سرمایہ داریاں'' جنم لیتیں، اور قبل اس سے کہ عثمان کے خلاف برپا ہونے والی شورش، ملت اسلامیہ کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیتی، اور روحِ اسلامی سے اس کا رشتہ کمزور کر دیتی، (اگر ایسا ہوجاتا) تو اسلامی تاریخ کا رخ پلٹ گیا ہوتا، اور جس راہ پر وہ چلی اس کے علاوہ کسی اور راستے پر چلتی۔''

۲:......''مضیٰ عثمان الی رحمة ربه، وقد خلف الدولة الاموية قائمة بالفعل بفضل ما مكن لها فى الارض وبخاصة فى الشام، وبفضل ما مكن للمبادى الاموية العريقة المجافية لروح الاسلام من الاستئثار بالمغانم والاموال والمنافع، وعدم المبالاة بروح التآخى والايثار والتكافل مما احدث خلخلة فى الروح الدينية، ذاتها لدى الامة الاسلامية. وليس بقليل ما يشيع فى نفس الرعية. وان حقًا وان باطلا. ان الخليفة يوثر اهله، ويمنحهم مئات الالوف، ويعزل اصحاب رسول الله ليولى اعداء رسول الله. ويبعد مثل ابوذر لانه انكر كنز الاموال، وانكر الترف الذى يخب فيه الاثرياء. ودعا الى مثل ما كان يدعو اليه الرسول من الانفاق والبر والتعفف... فان النتيجة الطبيعية لشيوع مثل هذه الافكار، ان حقًا وان باطلا ان تثور نفوس، وان تنحل نفوس، تثور نفوس الذين اشربت نفوسهم روح الدين انكارًا وتأثمًا. وتنحل نفوس الذين لبسوا الاسلام

رداء ولم تخالط بشاشته قلوبهم، والذين تجرفهم مطامع الدنيا، ويرون الانحدار مع التيار، وهذا كله قد كان فی اواخر عهد عثمان.

فلما ان جاء علیّ لم یکن من الیسیر ان یرد الامر الیٰ نصابه فی هوادة، وقد علم المستنفعون علیٰ عهد عثمان وبخاصة من امیة، ان علیّا لم یسکت علیهم، فانحازوا بطبیعتهم وبمصالحهم الیٰ معاویة، ولو قد جاء علیّ عقب عمر ما کان لهم الی هذا الانحیاز من سبیل. فقوة معاویة یوم ذاک لم تکن تصمد لقوة الخلافة، ولا لقوة الروح الدینیة فی النفوس. وما کان معاویة لیخاطر بالخروج علی الخلیفة کما خرج، فان ثلاثة عشر عامًا من حکم عثمان هی التی جعلت من معاویة، معاویة. اذ جمعت له قوة المال وقوة الجند وقوة الدولة فی الاقطار الاربعة بالشام انها المحنة الحقة ان علیّا لم یکن ثالث الخلفاء.'' (ص:۱۹۴، ۱۹۵)

ترجمہ:...... ''عثمان اپنے رب کی رحمت سے جا ملے، لیکن اموی حکومت کو بالفعل قائم شدہ چھوڑ کر گئے، کیونکہ وہ اس کی جڑیں شام وغیرہ میں مضبوط کر گئے اور امویت کے وہ مبادی، جنہیں روحِ اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں، پوری طرح راسخ کر گئے، یعنی ''غنائم، اموال اور منافع'' پر خود قبضہ جمالینا اور باہمی اسلامی اخوت، باہمی ایثار اور باہمی کفالت سے

پہلو تہی کرنا، یہی وہ امور ہیں جنہوں نے ملت اسلامیہ میں اسلامی روح کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا، حق و باطل سے قطع نظر، رعایا کے دل میں ان خدشات کا پیدا ہوجانا کوئی معمولی حادثہ نہیں کہ خلیفہ اپنے خویش و اقارب کو ترجیح دیتا ہے، اور انہیں لاکھوں کے عطیات دیتا ہے، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اس غرض سے معزول کرتا ہے کہ اعدائے رسول کو عہدے دیئے جائیں، عثمان، ابوذر غفاریؓ کو صرف اس لئے جلاوطن کر دیتا ہے کہ انہوں نے ''زر اندوزی'' پر کیوں گرفت کی؟ بڑھی ہوئی سرمایہ داری پر کیوں قدغن لگائی؟ جس سے دولت مند بدمست ہوجاتے ہیں، اور انہوں نے وہی دعوت کیوں پیش کی جو انفاق، حسن سلوک اور پرہیزگاری کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کیا کرتے تھے، اس قسم کے خیالات حق ہوں یا باطل، لیکن ان کے عام طور پر ابھرنے کا فطری نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ان سے بعض دلوں میں اضطراب پیدا ہوجاتا ہے، اور بعض میں (اپنے مفادات کے لئے) خطرے کی فضا پیدا ہوجاتی ہے، اور خطرہ ان لوگوں کو ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کا صرف لبادہ اوڑھ رکھا ہو، اور دینی حلاوت ان کے دلوں میں نہ اتری ہو، اور دنیاوی اغراض و خواہشات نے انہیں کھوکھلا کردیا ہو، اور مال و زر کی موجوں میں ڈوب جانے کے قائل ہوں، عثمانی دور کے آخر میں سب کچھ یہی ہوا۔

جب حضرت علیؓ آئے تو ان کے لئے یہ آسان نہ تھا کہ بالکل نرمی سے اس معاملہ کو اس کے اصل نصاب پر لے

آ ئیں، (جو لوگ عثمانی دور میں نفع اندوزی کے خوگر ہو گئے تھے، خاص کر اموی لوگ) وہ جانتے تھے کہ علیؓ ان کے طرز عمل پر خاموش نہیں رہیں گے، اس لئے یہ لوگ طبعی طور پر اپنے مصالح کے پیش نظر معاویہ کے کیمپ سے جا ملے اور اگر علیؓ حضرت عمرؓ کے متصل بعد آئے ہوتے تو ان لوگوں سے ان کو ملی بھگت کا کوئی راستہ نہ ملتا، کیونکہ معاویہ کی پوزیشن اس وقت اتنی مضبوط نہیں تھی کہ وہ قوت خلافت اور قوت روح دینی دونوں سے ٹکرا جاتے، معاویہ کے دل میں خلیفہ سے بغاوت کا خطرہ بھی پیدا نہیں ہوسکتا تھا، یہ حکومت عثمانیہ کے تیرہ سال ہی تھے جن کی بدولت معاویہ، معاویہ بن سکے، کیونکہ شام کے چار صوبوں میں ان کو مال، لشکر اور حکومت کی قوت حاصل ہوگئی تھی۔

یقیناً یہ المیہ تھا کہ حضرت علیؓ تیسرے خلیفہ نہ بن سکے۔"

۷:......"رجع عمر اذن عن رأيه في التفرقة بين المسلمين في العطاء حينما رأى نتائجه السيئة الى رأى ابى بكر، وكذالک جاء رأى علىّ مطابقا لرأى الخليفة الاول. ونحن نميل الىٰ اعتبار خلافة علىّ امتدادا طبيعيا لخلافة الشيخين قبله، وان عهد عثمان كان فجوة بينهما، لذالک نتابع الحديث عن عهد علىّ، ثم نعود للحديث عن الحالة فى ايام عثمان." (ص:۲۱۰)

ترجمہ:......"حضرت عمرؓ نے جب عطیات میں تفریق کے نتائج بد کو دیکھا تو حضرت ابوبکرؓ کی رائے کی طرف رجوع

کرلیا، اسی طرح حضرت علیؓ کی رائے بھی خلیفہ اول کی رائے کے موافق ہوتی، اور ہمارا رجحان یہ ہے کہ خلافت شیخین کے ساتھ خلافت علیؓ کا امتداد طبعی مانا جائے، اور یہ تسلیم کیا جائے کہ عثمانی دور (خلافت کے) ان دونوں (حصوں) کے درمیان ایک خلا تھا، اس لئے ہم پہلے حضرت علیؓ کے دور سے بحث کرتے ہیں اور اس کے بعد عثمانی دور کی حالت زیر بحث لائیں گے۔"

۸:......"(بعد ذکر ما جری من امر ابی ذر رضی اللہ عنہ) وما کانت مثل هذه الدعوة لیطیقها معاویة، ولا یطیقها مروان بن الحکم، فما زالا به عند عثمان یحرضانه علیه حتیٰ کان مصیره الی "الربذة" منفیا من الارض فی غیر حرب لله ولرسوله، وفی غیر سعیٰ فی الارض بالفساد، کما تقول الشریعة الاسلام، لقد کانت صیحة ابی ذر دفعة من دفعات الروح الاسلامی السلیم، انکرها الذین فسدت قلوبهم ولا یزال ینکرها امثالهم من مطایا الاستغلال فی هذه الایام.

لقد کانت هذه الصیحة یقظة ضمیر لم تخدره الاطماع، وامام تضخم فاحش فی الثروات، یفرق الجماعة الاسلامیة طبقات، ویحطم الاسس التی جاء هذا الدین لیقیمها بین الناس." (ص:۲۱۴)

ترجمہ:......"(حضرت ابوذرؓ کا واقعہ نقل کرنے کے بعد) اس قسم کی دعوت کو نہ معاویہ برداشت کرسکتا تھا، نہ مروان، یہ دونوں عثمان کو ابوذرؓ کے خلاف برابر اکساتے رہے، تا آنکہ

انہیں (بلاوجہ) ربزہ کی طرف جلاوطن کردیا، باوجودیکہ نہ تو اس نے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی تھی، نہ زمین میں فساد برپا کیا تھا، جیسا کہ شریعت اسلامیہ کا فتویٰ ہے، ابوذرؓ کی یہ آواز اسلامی روح کا ایک دستور تھا جس کا انکار ان ہی لوگوں نے کیا جن کے دل بگڑ چکے تھے، اور آج بھی ان ہی جیسے زر پرست اس کا انکار کئے جارہے ہیں، یہ آواز برابر بڑھتی ہوئی سرمایہ داری کے خلاف ہے، جو ملت اسلامیہ میں طبقاتی تفریق پیدا کرتی ہے، اور ان بنیادوں ہی کو اکھاڑ پھینکتی ہے جنہیں قائم کرنے کے لئے یہ دین آیا تھا، اور وہ ضمیر کی بیداری کا نشان تھا، بشرطیکہ جسے حرص و آز نے بے حس نہ کردیا ہو۔"

"مولانا مودودی"

ا:......"مزید برآں چھ آدمیوں کی انتخابی شوریٰ کے لئے انہوں نے (حضرت عمرؓ نے) جو ہدایات چھوڑیں، ان میں دوسری باتوں کے ساتھ ایک بات یہ بھی شامل تھی کہ منتخب خلیفہ اس امر کا پابند رہے کہ وہ اپنے قبیلے کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہ کرے گا، مگر "بدقسمتی" سے خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ اس معاملے میں معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے، ان کے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے عطیے دیئے گئے۔" (خلافت وملوکیت ص:۹۹)

۲:......"اس تغیر (یعنی خلافت کی جگہ ملوکیت) کا آغاز ٹھیک اسی مقام سے ہوا جہاں سے اس کے رونما ہونے کا

حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا، (محولہ بالا پالیسی ذکر کرنے کے بعد) لکھتے ہیں: لیکن ان کے بعد جب حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے، انہوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں (مثال کے طور پر انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا)۔''

(حاشیہ ص:۱۰۵، ۱۰۶)

۳:...... ''یہ بات اول تو بجائے خود قابل اعتراض تھی کہ مملکت کا رئیس اعلیٰ جس خاندان کا ہو، مملکت کے تمام اہم عہدے بھی اسی خاندان کے لوگوں کو دے دیئے جائیں، مگر اس کے علاوہ چند اسباب اور بھی تھے جن کی وجہ سے اس صورت حال نے اور زیادہ بے چینی پیدا کردی۔'' (ص:۱۰۹)

۴:...... ''اول یہ کہ اس خاندان کے جو لوگ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب ''طلقاً'' میں سے تھے، طلقاً سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے، فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے، حضرت معاویہؓ، ولید بن عقبہ، مروان بن حکم ان ہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے، اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوچکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر جن لوگوں کے بارے میں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اگر خانہ

کعبہ کے پردوں سے بھی لپٹے ہوئے ہوں تو انہیں قتل کردیا جائے، یہ ان میں سے ایک تھے، حضرت عثمانؓ انہیں لے کر اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچ گئے اور آپؐ نے محض ان کی خاطر سے ان کو معاف کردیا تھا، فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آسکتی تھی کہ سابقین اولین، جنہوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لئے جانیں لڑائی تھیں، اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا، پیچھے ہٹادیئے جائیں اور ان کی جگہ یہ لوگ امت کے سرخیل ہو جائیں۔" (ص:۱۰۹)

۵:......"دوسرے یہ کہ "اسلامی تحریک" کی سربراہی کے لئے یہ لوگ موزوں بھی نہ ہوسکتے تھے، کیونکہ وہ ایمان تو ضرور لے آئے تھے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت سے ان کو اتنا فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا کہ "ان کے ذہن اور سیرت و کردار کی پوری قلب ماہیت ہوجاتی" وہ بہترین منتظم اور اعلیٰ درجہ کے فاتح ہوسکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت بھی ہوئے، لیکن اسلام محض ملک گیری و ملک داری کے لئے تو نہیں آیا تھا، وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوت خیر و صلاح تھا، جس کی سربراہی کے لئے انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے بڑھ کر ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی، اور اس کے اعتبار سے یہ لوگ صحابہؓ و تابعینؒ کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔" (ص:۱۰۹تا۱۱۰)

۶:......"تیسرے یہ کہ ان میں سے بعض کا "کردار" ایسا تھا کہ اس دور کے پاکیزہ ترین اسلامی معاشرے میں ان

جیسے لوگوں کو بلند مناصب پر مقرر کرنا کوئی اچھا اثر پیدا نہ کرسکتا تھا۔" (ص:۱۱۱)

۷:......"یہ تھے وہ وجوہ جن کی بنا پر حضرت عثمانؓ کی یہ پالیسی لوگوں کے لئے اور بھی زیادہ بے اطمینانی کی موجب بن گئی تھی، خلیفہ وقت کا اپنے خاندان کے آدمیوں کو پے در پے مملکت کے اہم ترین مناصب پر مامور کرنا بجائے خود کافی وجہ اعتراض تھا، اس پر جب لوگ یہ دیکھتے تھے کہ آگے لائے بھی جارہے ہیں تو اس طرح کے اشخاص، تو فطری طور پر ان کی بے چینی میں اور زیادہ اضافہ ہوجاتا تھا۔" (ص:۱۱۴، ۱۱۵)

۸:......"اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے "دور رس اور خطرناک نتائج" کی حامل ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کئے رکھا، وہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آرہے تھے، حضرت عثمانؓ نے ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کرکے اپنے پورے زمانۂ خلافت (بارہ سال) میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا، "یہی چیز" ہے جس کا خمیازہ آخرکار حضرت علیؓ کو بھگتنا پڑا۔" (ص:۱۱۵)

۹:......"دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سیکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی، ان صاحب نے حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی اور ان

کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر ''بہت سے کام'' ایسے کئے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمانؓ پر پڑتی تھی، حالانکہ ان کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وہ کام کر ڈالے جاتے تھے۔'' (ص:۱۱۵)

۱۰:...... ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو ''بلاشبہ غلط'' تھا، اور غلط کام بہرحال غلط ہے، خواہ وہ کسی نے کیا ہو، اس کو خوامخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا، نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔'' (ص:۱۱۶)

۱۱:...... ''دراصل ان کے اس طرزِ عمل کی بنیاد وہی تھی جو انہوں نے خود بیان فرمائی ہے کہ وہ اسے صلۂ رحمی کا تقاضا سمجھتے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ قرآن وسنت میں جس صلۂ رحمی کا حکم دیا گیا ہے، اس کا تقاضا اسی طرح پورا ہوسکتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ جو بھلائی کرنا بھی آدمی کے اختیار میں ہو وہ اس سے دریغ نہ کرے، یہ نیت کی غلطی نہیں بلکہ رائے کی غلطی یا بالفاظ دیگر اجتہادی غلطی تھی، نیت کی غلطی وہ اس وقت ہوتی جبکہ وہ اس کام کو ناجائز جانتے اور پھر محض اپنے مفاد یا اپنے اقربا کے مفاد کے لئے اس کا ارتکاب کرتے، لیکن اسے اجتہادی غلطی کہنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے، کیونکہ صلۂ رحمی کے حکم کا تعلق ان کی ذات سے تھا نہ کہ ان کے منصب خلافت سے، انہوں نے زندگی بھر اپنی ذات سے اپنے اقربا کے ساتھ جو فیاضانہ حسن سلوک کیا وہ بلاشبہ صلۂ رحمی کا بہترین نمونہ تھا، انہوں نے اپنی تمام جائداد اور ساری دولت اپنے رشتہ داروں میں تقسیم

کردی اور خود اپنی اولاد کو ان کے برابر رکھا، اس کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے، مگر صلۂ رحمی کا کوئی حکم خلافت کے عہدے سے تعلق نہ رکھتا تھا کہ خلیفہ ہونے کے حیثیت سے بھی اپنے اقربا کو فائدہ پہنچانا اس حکم کا صحیح تقاضا ہوتا۔" (ص:۳۲۱)

۱۲:...... "صلۂ رحمی کے شرعی احکام کی تاویل کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ نے بحیثیت خلیفہ اپنے اقربا کے ساتھ جو سلوک کیا اس کے کسی جز کو بھی شرعاً ناجائز نہیں کہا جاسکتا (چھ سطروں میں ناجائز نہ ہونے کی توضیح کے بعد)، لیکن کیا اس کا بھی انکار کیا جاسکتا ہے کہ تدبیر کے لحاظ سے صحیح ترین پالیسی وہی تھی جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے اپنے اقربا کے معاملہ میں اختیار فرمائی، اور جس کی وصیت حضرت عمرؓ نے اپنے تمام امکانی جانشینوں کو کی تھی؟ اور کیا اس بات کے ماننے میں بھی تامل کیا جاسکتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے ہٹ کر جو پالیسی اختیار کی وہ بلحاظ تدبیر نامناسب بھی تھی اور عملاً سخت نقصان دہ بھی ثابت ہوئی؟ بلاشبہ حضرت والا کو ان نقصانات کا اندازہ نہیں تھا جو بعد میں اس سے ہوئے اور یہ تو کوئی احمق ہی خیال کرسکتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا، اس ارادے سے کیا کہ یہ نتائج اس سے برآمد ہوں، لیکن تدبیر کی غلطی کو بہرحال غلطی ماننا پڑے گا، کسی تاویل سے بھی اس بات کو صحیح نہیں ٹھہرایا جاسکتا کہ ریاست کا سربراہ اپنے ہی خاندان کے ایک فرد کو حکومت کا چیف سیکریٹری بنادے اور جزیرۃ العرب سے باہر کے تمام اسلامی مقبوضات پر اپنے ہی خاندان کے گورنر مقرر کردے۔"

(ص:۳۲۲)

۱۳:......"حضرت معاویہؓ کو مسلسل ۱۶، ۱۷ سال ایک ہی صوبے کا گورنر رہنے دینا بھی شرعاً ناجائز نہ تھا، مگر سیاسی تدبیر کے لحاظ سے نامناسب ضرور تھا، میں یہ نہیں کہتا کہ خوامخواہ کسی قصور کے بغیر ان کو معزول ہی کر دیا جاتا، صرف یہ بات کافی تھی کہ ہر چند سال کے بعد ان کا تبادلہ ایک صوبے سے دوسرے صوبے کی گورنری پر کیا جاتا رہتا، اس صورت میں وہ کسی ایک صوبے میں بھی اتنے طاقتور نہ ہو سکتے تھے کہ کسی وقت مرکز کے مقابلہ میں تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہونا ان کے لئے ممکن ہوتا۔"

(ص:۳۲۵، ۳۲۶)

۱۴:......"بیت المال سے اپنے اقربا کی مدد کے معاملے میں حضرت عثمانؓ نے جو کچھ کیا، اس پر بھی شرعی حیثیت سے کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے، معاذ اللہ! انہوں نے خدا اور مسلمانوں کے مال میں کوئی خیانت نہیں کی تھی، لیکن اس معاملہ میں بھی ان کا طریق کار بلحاظ تدبیر ایسا تھا جو دوسروں کے لئے وجہ شکایت بنے بغیر نہ رہ سکا۔" (ص:۳۲۶)

۱۵:......"حضرت عثمانؓ کے خلاف جو شورش برپا ہوئی اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ کسی سبب کے بغیر محض سبائیوں کی سازش کی وجہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، یا وہ محض اہل عراق کی شورش پسندی کا نتیجہ تھی، تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں ہے، اگر لوگوں میں ناراضی پیدا ہونے کے واقعی اسباب موجود نہ ہوتے اور ناراضی فی الواقع موجود نہ ہوتی تو کوئی سازشی گروہ شورش برپا

کرنے اور صحابیوں اور صحابی زادوں تک کو اس کے اندر شامل کر لینے میں کامیاب نہ ہوسکتا تھا، ان لوگوں کو اپنی شرارت میں کامیابی صرف اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ اپنے اقربا کے معاملے میں حضرت عثمانؓ نے جو طرزِ عمل اختیار فرمایا تھا، اس پر عام لوگوں ہی میں نہیں بلکہ اکابر صحابہ تک میں ناراضی پائی جاتی تھی، اسی سے ان لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور جو کمزور عناصر انہیں مل گئے ان کو اپنی سازش کا شکار بنالیا۔" (ص:۳۲۸)

(بینات شوال ۱۳۸۶ھ)

حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ
حضرت معاویہؓ کی نظر میں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بے حد احترام فرماتے تھے اور ان کی عظمت و جلالت قدر کے دل و جان سے معترف تھے۔ چنانچہ سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نور اللہ مرقدہ ۔نے حضرت حسین اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی خط و کتابت نقل کی ہے جس کا قصہ یہ ہوا کہ زیاد بن سمیہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا معتمد رفیق تھا، یہ شخص آپ کی جانب سے فارس و شیراز کا گورنر اور امیر عسا کر رہا، آپ کی وفات کے بعد اس نے وفاداری بدل لی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا رفیق بن گیا۔ تب سے یہ شخص اپنے ولی نعمت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کا دشمن ہوگیا اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عراق کی امارت اس کے سپرد ہوئی اور کوفہ کا تصرف اس کے ہاتھ میں آیا تو سب سے پہلے اس نے سعد بن شریح کو، جو حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا مخلص رفیق اور ان کے خاندان عالیشان کا محب و مخلص تھا، پکڑنا چاہا، انہوں نے بھاگ کر جان بچائی اور مدینہ جا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پناہ لی۔ زیاد نے اس کا مکان (جو کوفہ میں تھا) ضبط کرلیا، اور اس کے مال و عیال کو لوٹ لیا۔ بعد ازاں اس کے مکان کو ڈھانے اور جلانے کا حکم دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ

قصہ سنا تو اس خیال سے کہ آخر ان کے والد کرامی (امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب) کا قدیمی رفیق اور ان کی بارگاہ عالی کا نمک خوردہ ہے، درج ذیل سفارش نامہ زیاد کے نام تحریر فرمایا:

"من الحسين بن على إلى زياد ، أما بعد: فقد عمدت إلى رجل من المسلمين له ما لهم و عليه ما عليهم فهدمت داره و أخذت ماله و عياله فإذا أتاک كتابى هذا: فابن داره، و اردد إليه ماله، و عياله، فإنى قد أجرته فشفعنى فيه." (تحفۂ اثنا عشریہ ص:۳۰۸)

ترجمہ:...... "حسین بن علی کی طرف سے زیاد کے نام، بعد ازیں واضح ہو کہ تم نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کا قصد کیا ہے، جس کے وہی حقوق ہیں جو عام مسلمانوں کے ہیں اور اس کی وہی ذمہ داریاں ہیں جو عام مسلمانوں کی ہیں، تم نے اس کا مکان منہدم کردیا اور اس کا مال ضبط کرلیا اور اس کے اہل و عیال کو پکڑلیا۔ جب تم کو میرا یہ خط پہنچے، تو اس کا مکان دوبارہ بنوادو، اور اس کے مال وعیال کو واپس کردو، کیونکہ میں نے اس کو پناہ دے دی ہے، لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش قبول کرو۔"

لیکن زیاد نے طوطا چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نامہ کرامت شامہ کا نہایت بدتمیزی سے درج ذیل جواب لکھا:

" من زياد بن أبی سفيان إلی الحسين بن فاطمة أما بعد: فقد أتانی كتابک إبتدأ بإسمک قبل إسمی و أنت طالب للحاجة و أنا سلطان و أنت سوقه و كتابک إلیّ فی فاسق لا يؤديه إلا فاسق مثله، و شر من ذالک إذا أتک وقد اديته إقامة منک إلی سوء الرأی و رضی بذالک و أيم الله لا يسبقنی إليه سابق و لو كان بين جلدک و لحمک فإن أحب لحم إلیّ أن آكله لحم أنت فيه فأسلمه بجريرته إلی من هو أولی به منک فإن عفوت عنه لم يكن شفعتک فيه و إن قتلته لم أقتله إلا بحبه أباک." (تحفہ اثنا عشریہ ص:۳۰۸)

ترجمہ:......" زیاد بن ابی سفیان کی جانب سے حسین بن فاطمہ کے نام۔ بعد ازیں واضح ہو کہ تمہارا خط مجھے ملا، تم نے میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھا، حالانکہ تم درخواست گزار تھے (اور طالب کو اپنا نام مطلوب کے بعد لکھنا چاہئے) اور میں حاکم ہوں اور تم عام شہری ہو (عام شہری کو حاکم کا احترام کرتے ہوئے اس کا نام پہلے لکھنا چاہئے) اور تم نے مجھے جو خط لکھا وہ ایک فاسق آدمی کے بارے میں ہے جس کو اس جیسا فاسق ہی پناہ دے سکتا ہے، اور اس سے بدتر یہ کہ جب وہ تمہارے پاس آیا اور تم نے اس کو پناہ دے دی تو تمہارے پناہ دینے کی وجہ سے وہ

اپنی بری تدبیر پر پختہ ہوگیا اور اپنی بدتدبیری پر راضی ہوگیا، اللہ
کی قسم! میرے ہاتھ سے پہلے اس تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا،
خواہ وہ تمہاری کھال اور گوشت کے درمیان ہو (یعنی خواہ وہ تم
ہو) پس یقیناً مجھے سب سے زیادہ محبوب ترین گوشت جس کو میں
کھاؤں وہ گوشت ہے کہ تم جس کے درمیان ہو، پس اس شخص کو
اس کے جرم کے ساتھ ایسے آدمی کے سپرد کردو جو اس پر تم سے
زیادہ تصرف کا حق رکھتا ہے (یعنی اس کو میرے حوالے کردو)
پھر اگر میں اس کو معاف کردوں تو تمہاری سفارش کی وجہ سے
معاف نہیں کروں گا اور اگر میں اس کو قتل کردوں تو صرف اس بناءٔ
پر قتل کروں گا کہ وہ تمہارے باپ سے محبت رکھتا ہے۔"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ تمام ماجرا لکھ کر، زیاد کا یہ گستاخانہ جوابی خط حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسینؓ کا خط پہنچا تو زیاد کے نام درج ذیل نامہ رقم فرمایا:

"من معاوية بن أبى سفيان إلى زياد ، أما بعد:
فإن الحسين بن على بعث إلىّ بكتابك إليه جواب
كتابه إليك فى إبن شريح، فعلمت إنك بين رائين،
رأى من أبى سفيان و رأى من سمية أما رأيك من أبى
سفيان، فحلم و عزم و أما الذى من سمية فكما يكون
رأى مثلها و من ذالك كتابك إلى الحسين تشتم أباه

و تعرض له بالفسق و لعمری أنت أولی بالفسق من الحسین و لأبوک إذا کنت تنسب إلی عبد أولی بالفسق من أبیه و إن کان الحسین بدأ بإسمه ارتفاعا عنک فإن ذالک لم یضعک و إما تشفیعه فیما شفع فیه فقد دفعته عن نفسک إلی من هو أولی به منک، فإذا أتاک کتابی هذا فخل ما فی یدک لسعید بن شریح و ابن له داره و لا تعرض له و اردد علیه ماله و عیاله فقد کتبت إلی الحسین أن یخبر صاحبه بذالک فإن شاء أقام عنده و إن شاء رجع إلی بلده فلیس لک علیه سلطان بید و لسان و أما کتابک إلی الحسین بإسمه و لا تنسبه إلی أبیه، بل إلی أمه فإن الحسین ویلک من لا یرمی به الرجس افاستصغرت أباه و هو علی بن أبی طالب ام إلی أمه وکلته و هی فاطمة بنت رسول الله (ﷺ) فتلک أفخر له إن کنت تعقل، والسلام." (تحفہ اثنا عشریہ ص:۳۰۹)

ترجمہ:...... "معاویہ بن ابی سفیان کی جانب سے زیاد کے نام۔ بعد ازیں واضح ہو کہ حسین بن علی نے تمہارا وہ خط مجھے بھیج دیا ہے جو تم نے ابن شریح کے معاملہ میں ان کے خط کے جواب میں لکھا۔ اس خط کو پڑھ کر مجھے معلوم ہوا کہ تم دو راویوں

کے درمیان ہو، تم میں ایک رائے تو ابوسفیان کی جانب سے آئی ہے اور دوسری رائے (تمہاری ماں) سمیہ کی جانب سے آئی ہے، تمہاری وہ رائے جو ابوسفیان کی جانب سے ہے وہ تو حلم اور حوصلہ مندی ہے لیکن وہ رائے جو سمیہ کی جانب سے ہے تو وہ ویسی ہی رائے ہے جیسی اس قسم کی عورتوں کی ہوا کرتی ہے۔ اسی (غلامانہ اور زنانہ) رائے کا نتیجہ وہ خط ہے جو تم نے حسین کو لکھا ہے، تو حسین کے باپ کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتا ہے اور ان پر فسق کی تعریض کرتا ہے حالانکہ میری عمر کی قسم! تو فاسق کہلانے کا، حسین سے زیادہ مستحق ہے اور ان کے باپ سے بڑھ کر تیرا باپ، جب کہ تیرا نسب ایک غلام کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، فاسق کہلانے کا زیادہ مستحق ہے۔ اگر حسین نے اپنے کو تجھ سے اونچا سمجھتے ہوئے خط میں اپنا نام پہلے لکھ دیا تو اس سے تیری کسر شان نہیں ہوگئی۔ رہا ان کی سفارش کا قبول کرنا جو انہوں نے ایک شخص کے بارے میں کی تھی، سو تو نے اس نیکی کو اپنے سے ٹال کر ایک ایسے شخص کے (یعنی میرے) حوالے کر دیا جو تجھ سے زیادہ اس نیکی کا مستحق ہے۔ لہٰذا (میں ان کی سفارش قبول کرتے ہوئے تجھے حکم دیتا ہوں کہ) جب تجھے میرا یہ خط پہنچے تو سعد بن شریح کی جو چیز بھی تیرے قبضہ میں ہے اسے واگزار کر دے، اس کا مکان دوبارہ بنوا کر دے اور اس سے کوئی تعرض

نہ کر، اور اس کا مال وعیال اس کو واپس کردے، چنانچہ میں نے
حسینؓ کو لکھ دیا کہ وہ اپنے دوست کو اطلاع کردیں، پس اگر وہ
ان کے پاس رہنا چاہے تو ان کے پاس رہے اور اگر اپنے شہر
واپس آنا چاہے تو پورے اطمینان وسکون کے ساتھ واپس
آجائے کیونکہ اس پر تیری (یعنی زیاد کی) حکومت نہیں ہوگی، نہ
ہاتھ کے ساتھ اور نہ زبان کے ساتھ، اور تیرا حسینؓ کے نام محض
ان کے نام سے خط لکھنا کہ تو نے ان کو باپ کی طرف منسوب
نہیں کیا بلکہ ان کی ماں کی طرف منسوب کیا، بس تیری ہلاکت
ہو، حسینؓ ایسے شخص نہیں جن پر گندگی پھینکی جائے، کیا تو نے ان
کے باپ کو کم درجہ کا سمجھا؟ حالانکہ وہ علی بن ابی طالب ہیں، یا تو
نے ان کو والدہ کے حوالے کردیا حالانکہ وہ فاطمہؓ بنت رسول اللہ
ہیں (صلی اللہ علیہ وعلی بنتہا وسلم) پس حسینؓ کا اپنی والدہ ماجدہ
حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی طرف منسوب ہونا ان کے
لئے زیادہ لائق فخر ہے، اگر تجھے عقل ہوتی (تو تو اس نکتہ کو سمجھتا)
والسلام۔''

زیاد اور اس کے بیٹے عبیداللہ بن زیاد (قاتل حسین رضی اللہ عنہ) کی بدنہادی کو ذکر کرنے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک عجیب نکتہ ارشاد فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ومسئلہ مشکل نزد شیعہ آنست کہ ایں زیاد ولد الزنا بود

و ولد الزنا نزد امامیہ نجس العین است و با وصف ایں حضرت امیر اورابر مردم فارس ولشکر مسلماناں امیر فرمود، ودراں وقت امامت نماز پنجگانہ و جمعہ وعیدین بر ذمہ امیری بود، پس ہمیں ولد الزنا پیش می رفت و نماز ہائے خلق اللہ را تباہ می کرد، وایں مسئلہ نزد امامیہ مصرح بہاست کہ نماز بامامت ولد الزنا فاسد ست، پس امامیہ را ہرگز نمی رسد کہ بسبب ظہور خیانت وظلم عمال عثمان بروے طعن نمایند۔" (تحفۂ اثنا عشریہ فارسی ص:۳۰۸،۳۰۹)

ترجمہ:......"اور مشکل مسئلہ شیعہ کے نزدیک یہ ہے کہ یہ زیاد ولد الزنا تھا اور ولد الزنا امامیہ کے نزدیک نجس العین ہے اس کے باوجود حضرت امیر (المؤمنین علی رضی اللہ عنہ) نے اس کو فارس کا گورنر اور مسلمانوں کے لشکر کا امیر مقرر کیا۔ اس وقت پنجگانہ نماز، جمعہ اور عیدین کی امامت، امیر کے ذمہ ہوا کرتی تھی، پس یہی ولد الزنا امامت کرتا تھا اور خلق خدا کی نماز تباہ کرتا تھا، اور یہ مسئلہ امامیہ کے نزدیک مصرح ہے کہ ولد الزنا کی امامت میں نماز فاسد ہے۔ پس امامیہ کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکام سے خیانت وظلم کے ظاہر ہونے کی وجہ سے خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کریں۔"

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

(''حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ، حضرت معاویہؓ کی نظر میں'' ماہنامہ بینات محرم ۱۴۱۲ھ)

الناهية

عن طعن امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمد الله علىٰ حسن الاعتقاد وحب النبى
صلى الله عليه وسلم وحب العترة والصحابة بالاقتصاد
صلى الله علىٰ سيدهم وعليهم وبلغ منا السلام اليه
واليهم، وبعد!

اے رفیق! (یہ رسالہ جس کا نام) "**الناهية عن طعن معاوية**" ہے، اس کو لے لو اور اس جماعت ناجیہ و بلند مرتبہ کی پیروی کو واجب و لازم سمجھو، اور غالی، سرکش اور بدبو دار فرقہ سے اجتناب کرو، اور واہی تباہی، بے مقصد اور خالی خطابات کو ترک کردو، اور مصنف رسالہ عبدالعزیز بن احمد بن حامد کے لئے فلاح کی دعا کرو، اللہ تعالیٰ اس کی تصنیفات میں برکت کرے، اور انہیں ہر حاسد سے محفوظ رکھے، اور اللہ تعالیٰ ہی ناصر و مددگار ہے، اور وہی اول و آخر ہے، اور کتاب چند فصلوں پر مرتب کی گئی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے چند فضائل:

قرآن کریم کی (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل میں) صرف

ایک آیت کافی ہے، حق تعالیٰ شانہ (صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے) فرماتے ہیں:

"لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ، اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُـلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى." (الحدید:۱۰)

ترجمہ:...... "جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کرچکے اور لڑ چکے، برابر نہیں، وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا اور لڑائی کی، اور (یوں) اللہ تعالیٰ نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔" (ترجمہ از بیان القرآن)

اس آیت میں تمام صحابہؓ کے لئے جنت کی بشارت ہے، جیسا کہ ابن حزمؒ نے کہا ہے۔

حدیث:

ا:...... "حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میری امت میں سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر جو ان کے بعد ہوں گے، پھر جو ان کے بعد ہوں گے۔" (بخاری، ترمذی، حاکم)

۲:...... "حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں۔" (بخاری، مسلم، ترمذی، مسند احمد)

۳:...... "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں چھوئے گی آگ اس مسلمان کو جس نے مجھے دیکھا، یا جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔" (ترمذی، ضیا مقدسی)

۴:...... ''حضرت واثلہ بن الاثقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مبارک ہو اس مسلمان کو جس نے مجھے دیکھا، اور جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔'' (ابن عساکر بروایت عبد بن حمید)

۵:...... ''حضرت عبداللہ بن بسیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مبارک ہو اس شخص کو جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا، مبارک ہو اس شخص کو جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا، اس کے لئے مبارک باد اور اچھا ٹھکانا ہے۔'' (طبرانی و حاکم)

۶:...... ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں میرے صحابہ کی مثال ایسی ہے جیسے کھانے میں نمک کہ نمک کے بغیر کھانا خوشگوار نہیں ہوتا۔'' (شرح السنۃ للبغوی، سنن ابویعلیٰ)

۷:...... ''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: نہیں مرے گا میرا صحابی کسی زمین میں مگر وہ قیامت کے دن ان کے قائد اور (مینار کے) نور کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔''

(ترمذی وقال غریب، ضیا مقدسی)

۸:...... ''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی سے یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ستارے آسمان کے لئے امن (کی علامت) ہیں، جب ستارے جھڑ جائیں گے تو آسمان کو خوفناک چیز کا سامنا ہوگا (یعنی آسمان پھٹ جائے گا) میں اپنے ان صحابہ کے لئے موجب امن ہوں، جب میں رخصت ہوجاؤں گا تو میرے صحابہ کو خوفناک صورت پیش آئے گی (یعنی اختلافات و مشاجرات) اور میرے صحابہؓ میری امت کے لئے موجب امن ہیں، جب میرے صحابہ جاتے رہیں گے تو امت کو خوفناک حالات پیش آئیں گے (یعنی نظریاتی اختلاف، مصائب اور حکمرانوں کے مظالم)۔'' (مسلم، مسند احمد)

۹:...... ’’حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کا اکرام کرو، کیونکہ وہ تم میں سے بہتر لوگ ہیں۔‘‘
(نسائی بسند صحیح یا حسن)

۱۰:...... ’’حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے بعد اپنے صحابہؓ کے اختلاف کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ سے درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ: اے محمد! آپ کے صحابہؓ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں کہ ان میں بعض، بعض سے (روشنی میں) قوی تر ہیں، مگر نور سب کے لئے ہے۔ پس جس شخص نے ان کے اختلاف کے موقع پر ان میں سے کسی کی اقتدا کرلی، وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔‘‘ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی پیروی کروگے، ہدایت پاؤگے۔‘‘
(زید، عن ابی سعید الخدریؓ)

حدیث کے آخری فقرے میں کلام ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں کہ یہ ضعیف اور واہی ہے۔ ابن حزمؒ سے منقول ہے کہ یہ موضوع ہے اور باطل ہے۔ ابن ربیعہؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابن ماجہؒ نے روایت کی ہے، مگر ان کی سنن میں موجود نہیں۔

طعن صحابہؓ کی ممانعت:

۱:...... ’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہؓ کو برا نہ کہو، کیونکہ تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مُد کو بھی نہیں پہنچ سکتا، اور نہ اس کے نصف کو۔‘‘
(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

یہ حدیث مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت

کی ہے، اور ابوبکر برقانی نے اس کو علیٰ شرط شیخین روایت کیا ہے۔

۲:...... ''حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ان کو (اپنی بدگوئی کا) نشانہ نہ بناؤ، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی، تو میری محبت کی وجہ سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض رکھنے کی بنا پر ان سے بغض رکھا، اور جس نے ان کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی، جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی، اللہ تعالیٰ اس کو بہت جلد پکڑے گا۔'' (ترمذی، وقال غریب)

۳:...... ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے سب سے بدتر لوگ وہ ہیں جو میرے صحابہؓ کے حق میں بے باک ہیں۔'' (ابن عدی)

۴:...... ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے بعد صحابہؓ کو برا بھلا کہتے ہیں، تو یوں کہو کہ اللہ کی لعنت ہو تمہارے شر پر۔'' (ترمذی، خطیب بغدادی)

۵:...... ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میرے صحابہؓ کی بدگوئی کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت۔''

۶:...... ''حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دنیا سے اس حال میں جائے کہ وہ میرے کسی صحابی کی بدگوئی کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر (قبر میں) ایک جانور مسلط کردیں گے، جو اس کے گوشت کو کاٹتا رہے گا، وہ اس کے درد کو قیامت تک پائے گا۔'' (ابن ابی الدنیا فی القبور)

۷:...... ''حضرت حسنؒ ہی سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا، اور

میرے لئے میرے رفقا کو چُنا، ان میں سے میرے وزیر، مددگار اور رشتہ دار بنائے، اور جس نے ان کی بدگوئی کی اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ اس کے کسی فرض ونفل کو قبول نہیں فرمائیں گے۔“ (طبرانی، حاکم)

مسلمانوں کا ذکر سوائے خیر کے کرنے کی ممانعت:

۱:...... ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو گالی گلوچ کرنا فسق ہے۔“

(بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

یہ حدیث ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت سعدؓ سے، اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے، اور دارقطنی نے حضرت جابرؓ سے بھی روایت کی ہے۔

۲:...... ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ: جس شخص نے اپنے بھائی کو کافر کہا، تو ان دونوں میں سے ایک شخص اس کفر کو لے کر واپس ہوتا ہے۔“ (بخاری، مسلم، احمد)

۳:...... ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: جب کوئی شخص کسی پر فسق کی یا کفر کی تہمت لگائے، اگر وہ شخص (جس کو فاسق یا کافر کہا گیا) ایسا نہ ہو تو کہنے والا اس کو ساتھ لے کر واپس لوٹتا ہے۔“ (بخاری)

۴:...... ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: مؤمن طعنہ کرنے والا، لعنت کرنے والا، بدگو، بدزبان نہیں ہوتا۔“

(ترمذی، بیہقی، بخاری فی التاریخ، حاکم، صحیح ابن حبان)

۵:...... ”حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: بندہ جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو وہ آسمان کی طرف چڑھتی ہے، مگر آسمان کے دروازے اس کے آگے بند کردیئے جاتے ہیں، پھر وہ زمین پر اترتی ہے تو اس کے دروازے بھی بند کردیئے جاتے ہیں، پس جب زمین و آسمان کے دروازے اس پر بند کردیئے جاتے

ہیں اور وہ اپنا کوئی ٹھکانہ نہیں پاتی تو اس شخص کی طرف لوٹتی ہے جس پر لعنت کی گئی تھی، پس اگر وہ اس کا مستحق ہوا فبہا، ورنہ لعنت کرنے والے کی طرف لوٹتی ہے (اور وہی اس کا مورد بنتا ہے، نعوذ باللہ)۔" (ابوداؤد)

مردوں کو برا کہنے کی ممانعت:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا مت کہو، کیونکہ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ اس تک پہنچ چکے ہیں۔" (بخاری)

صحابہ کرام کے رنجشوں کے ذکر کی ممانعت:

بہت سے محققین نے ذکر کیا ہے کہ مشاجرات صحابہؓ کا تذکرہ حرام ہے، کیونکہ اندیشہ ہے کہ اس سے بعض صحابہ کرامؓ سے بدگمانی ہوجائے، اس کی تائید اس حدیث مرفوع سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

"میرے صحابہؓ میں سے کوئی شخص مجھ تک کسی کی شکایت نہ پہنچائے، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری طرف نکلوں تو سب کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو۔" (ابوداؤد، عن ابن مسعودؓ)

امام ابولیثؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے صحابہ کرامؓ کی باہمی خانہ جنگی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا، کیا اب ہم ان سے اپنی زبانوں کو آلودہ کریں؟"

اہل سنت کو ان واقعات کا تذکرہ بنا بر مجبوری اس لئے کرنا پڑا کہ اہل بدعت نے ان میں سے بہت سے وضعی اور جھوٹے افسانے گھڑ لئے تھے، جہاں تک کہ بعض

متکلمین کی رائے ہے کہ مشاجرات کی سب روایات جھوٹ کا پلندہ ہے، یہ قول ہے تو بہت اچھا، مگر بعض واقعات تواتر سے ثابت ہیں (جن کا انکار کرنا ممکن نہیں)، اور اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ ان میں سے جو واقعات ثابت ہیں، ان کی مناسب تاویل کی جائے گی تاکہ عوام کو وساوس وشبہات سے بچایا جائے، اور جو لائق تاویل نہ ہوں، وہ مردود ہیں، اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کی بزرگی، ان کی حسن سیرت اور ان کا متبع حق ہونا نصوص قاطعہ اور اجماع اہل حق سے ثابت ہے، پس یہ (اکا دکا روایتیں خصوصاً متعصب اور کذاب رافضیوں کی) اس کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتی ہیں؟؟

مشاجرات کا مختصر قصہ:

متعدد سندوں سے ثابت ہے کہ اہل مصر، مدینہ آئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ مصر سے عبداللہ بن ابی سرح (رضی اللہ عنہ) کو معزول کردیں اور محمد بن ابی بکرؓ کو ان پر حاکم مقرر کردیں، آپؓ نے یہ درخواست منظور کرلی، مگر آپؓ کے وزیر مروان بن حکم نے عبداللہ کو لکھا کہ جب یہ لوگ مصر پہنچیں تو ان کو قتل کردیا جائے۔ ان مصریوں کی خط لے جانے والے سے راستے میں ملاقات ہوگئی، انہوں نے خط اس سے لے لیا، دیکھا تو وہ امیرالمؤمنین کی طرف سے تھا، خط پر خلیفہ کی مہر تھی، حامل خط خلیفہ کا غلام تھا، اور انہی کی ناقہ پر سوار تھا، وہ لوگ راستہ ہی سے مدینہ کی طرف واپس لوٹ آئے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ (محققین کی رائے ہے کہ یہ ان بدباطن مفسدوں کی سازش تھی، انہوں نے جعلی خط کا افسانہ گھڑ کر اسے مروان سے منسوب کردیا، کیونکہ خود حضرت امیرالمؤمنین کی طرف اس کی نسبت ممکن نہیں تھی، ان کا مقصد اسلام کے نظام خلافت کو درہم برہم کرنا اور امت کو فتنہ کی آگ میں جھونکنا تھا، جس کے لئے مکر وتزویر کا یہ سارا حیلہ تراشا گیا۔ مترجم)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ کو ان کے قتال سے منع کر دیا، جس سے آپؓ کا مقصود مسلمانوں کے خون کی حفاظت اور شہادت کا شوق تھا، جس کی بشارت انہیں لسانِ نبوت سے مل چکی تھی۔

چنانچہ ان محاصرین نے آپؓ کو شہید کر دیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، حضرات عائشہ، زبیر، طلحہ اور معاویہ رضی اللہ عنہم نے مطالبہ کیا کہ ان کو قصاص میں قتل کیا جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں مہلت چاہتے تھے کہ نظام خلافت مستحکم ہو جائے اور شورش و فتنہ برپا نہ ہو، چنانچہ گفتگو نے طول کھینچا، اختلاف رونما ہوا، اور من جانب اللہ جو مقدر تھا وہ ہو کر رہا۔ چنانچہ بصرہ کے قریب حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ ہوئی۔ اول الذکر دونوں بزرگ اس جنگ میں شہید ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دی گئیں، اسی کا نام ''جنگ جمل'' ہوا۔ (یہ جنگ بھی انہی مفسدین کی برپا کردہ آتش فتنہ تھی، فریقین کے درمیان صلح کے لئے گفتگو ہو رہی تھی، عین اس رات جبکہ طرفین صلح پر متفق ہو کر آرام کی نیند سو رہے تھے، ان مفسدین نے طرفین پر شب خون مارا، جس سے ہر فریق یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے بدعہدی کی ہے، یوں جنگ کے شعلے چاروں طرف بھڑکنے لگے۔ مترجم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اعزاز و اکرام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ بعد ازاں صفین میں فرات کے کنارے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ ہوئی، یہ لڑائی جاری رہی تا آنکہ صلح کے مشابہ اختلاط واقع ہوا، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مجتہد سے خطا پر مؤاخذہ نہیں:

اس قاعدے کی سند حدیث مرفوع ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ: ''حاکم

جب خوب غور وفکر سے فیصلہ کرے تو اگر اس کا فیصلہ صحیح ہو تو اس کے لئے دو اجر ہیں،
اور اگر اس کا اجتہاد غلط ہو تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔"

یہ حدیث بخاری، مسلم، احمد، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ
سے۔ اور بخاری، احمد، نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ
سے۔ اور بخاری نے ابوسلمہ سے روایت کی ہے۔

دو اجر اجتہاد اور ٹھیک فیصلہ پر ہیں، اور ایک اجر صرف اجتہاد پر، یہ چاروں
صحابہؓ (حضرت عائشہ، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم) ان جنگوں
میں مجتہد تھے، مگر اجتہاد میں خطا تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مجتہد تھے اور ان کا
اجتہاد صواب تھا۔ اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ مجتہد کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا
لازم ہے، اس پر اور اس کی تقلید کرنے والوں پر کوئی ملامت نہیں، پس فریقین کے
قاتل ومقتول جنت میں ہیں۔ فالحمد للہ رب العالمین!

اور ابن سعد نے ابومیسر بن شرجیل سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ
گویا میں جنت میں داخل ہوا ہوں، کیا دیکھتا ہوں کہ جنت میں بہت سے قبے بنے
ہوئے ہیں، میں نے دریافت کیا کہ یہ کن لوگوں کے ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ
ذوالکلاع اور حوشب کے ہیں، یہ دونوں بزرگ حضرت معاویہؓ کی معیت میں جنگ
کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے، میں نے کہا کہ حضرت عمارؓ اور ان کے رفقا کہاں
ہیں؟ کہا گیا کہ وہ آگے ہیں، میں نے کہا کہ: انہوں نے تو ایک دوسرے کو قتل کیا تھا،
کہا گیا کہ ان کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو واسع المغفرۃ پایا،
میں نے کہا کہ: اہل نہروان یعنی خوارج کا کیا بنا؟ کہا گیا کہ ان کو سختی کا سامنا کرنا
پڑا۔

حضرت سیدہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے چند فضائل:

۱:......''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی دوسرے کھانوں پر۔''

(بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ، ابن جریر)

۲:......''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تھا، اور ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے تھے، تو ان کے پاس اس کا حل ہمیں ضرور مل جاتا تھا۔''

(ترمذی، وقال حسن صحیح غریب)

۳:......''حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں، مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: اے عائشہ! عنقریب تیرے کنگن علم اور قرآن ہوں گے۔'' (مسند امام اعظمؒ)

۴:......''حضرت عائشہؓ ہی سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: یہ بات موت کو میرے لئے آسان کردیتی ہے کہ میں نے جنت میں تجھے اپنی بیوی دیکھا ہے، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ موت میرے لئے آسان کردی گئی کیونکہ میں نے عائشہ کو جنت میں دیکھا۔'' (مسند امام اعظمؒ)

۵:......''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! یہ جبریل تم کو سلام کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ۔'' (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)

۶:......''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تو مجھے خواب میں تین دفعہ دکھائی گئی، فرشتہ تجھے ریشم

کے کپڑے میں لپٹی ہوئی لایا، اور کہا کہ یہ آپ کی اہلیہ ہیں، میں نے تیرے چہرے سے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو واقعتاً تو ہی تھی، پس میں نے کہا: اگر یہ من جانب اللہ مقدر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا کردیں گے۔" (بخاری ومسلم)

۷:...... "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن ہدایا بھیجنے کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے، جس سے ان کا مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاجوئی تھا۔ (حضرت عائشہؓ نے) فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی دو جماعتیں تھیں، ایک میں حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، صفیہؓ اور سودہؓ تھیں، اور دُوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہؓ اور باقی ازواج مطہرات تھیں (رضی اللہ عنہن)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جماعت نے ان سے کہا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں بات کیجئے، آپؐ صحابہؓ کو حکم فرمائیں کہ آپؐ جس گھر میں بھی ہوں، آپؐ کے لئے ہدایا بھیجے جائیں، (حضرت عائشہؓ کی باری کے دن کا بطور خاص اہتمام نہ کیا جائے، چنانچہ اس قرارداد کے مطابق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی) تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ: مجھے عائشہؓ کے بارے میں ایذا نہ دو، کیونکہ سوائے عائشہؓ کے لحاف کے اور کسی بیوی کے لحاف میں میرے پاس وحی نہیں آئی۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میں آپؐ کی ایذا دہی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔

پھر ان ازواج مطہراتؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، تو آپؐ نے بیٹی سے فرمایا: بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہیں رکھتی، جس سے میں محبت رکھتا ہوں؟ عرض کیا: ضرور! فرمایا: پس اس سے محبت رکھو۔" (بخاری، مسلم، نسائی)

تنبیہ:...... شاید کسی کو وہم ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مناقب میں خود انہی کی روایت مفید نہیں، مگر یہ ظن فاسد ہے، اس لئے کہ پہلی حدیث ان کے

مناقب میں سب سے عظیم تر ہے اور اس سے تمام مرویات میں ان کی توثیق اور صلاح وصدق حاصل ہوجاتا ہے۔

حضرت طلحہؓ کے مناقب:

مؤلف مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ وہ طلحہ بن عبیداللہ ابو محمد القرشی ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں، بدر کے سوا تمام غزوات میں شریک ہوئے، جنگ بدر میں عدم شرکت کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی معیت میں قریش کے قافلے کی سراغ رسانی کے لئے بھیج دیا تھا۔

جنگ احد میں ان کو ۲۴، اور بقول بعض ۷۵ زخم آئے، ترمذی نے ان کے زخموں کی تعداد اسی (۸۰) سے اوپر روایت کی ہے۔

بتاریخ ۲۰/جمادی الاخریٰ ۳۶ھ کو بروز پنج شنبہ ۶۴ برس کی عمر میں شہید ہوئے اور بصرہ میں دفن ہوئے۔

اور نوویؒ نے ذکر کیا ہے کہ وہ لڑائی ترک کر کے لوگوں سے یکسو ہوگئے تھے، اتنے میں انہیں ایک تیر لگا جس سے وہ شہید ہوگئے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیر مروان بن حکم نے پھینکا تھا (یہ محض رافضیوں کا اڑایا ہوا افسانہ ہے۔ مترجم)۔

۱:...... ”صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی دراں حالیکہ آپؐ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما سے راضی تھے۔“

۲:...... ”صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن جبل حرا پر تھے، آپؐ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ کی چٹان کو حرکت ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہر جا! تجھ پر سوائے نبی، صدیق اور شہید کے اور کوئی نہیں۔“

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۸۲)

۳:......"ترمذی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے، اور ابن ماجہ، امام احمد، ضیا مقدسی اور دارقطنی نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر جنت میں ہیں، عمر جنت میں ہیں، عثمان جنت میں ہیں، علی جنت میں ہیں، طلحہ جنت میں ہیں، زبیر جنت میں ہیں، عبدالرحمٰن جنت میں ہیں، سعد بن ابی وقاص جنت میں ہیں، سعید بن زید جنت میں ہیں، اور عبیدہ بن جراح جنت میں ہیں (رضی اللہ عنہم)۔"

(ان دس حضرات کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے، کیونکہ ان دس کو ایک ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی)۔

۴:......"امام احمدؒ اور ترمذیؒ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنگ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دو زرہیں تھیں، آپؐ نے ایک چٹان پر چڑھنا چاہا، مگر نہ چڑھ سکے، تب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آپؐ کے نیچے بیٹھ گئے یہاں تک کہ آپؐ چٹان پر چڑھ گئے، پس میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: طلحہؓ نے جنت واجب کرلی۔" امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۵:......"امام ترمذیؒ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ: جو شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے جو زمین پر چل رہا ہے، حالانکہ اس نے اپنی نذر (راہِ خدا میں قربان ہونے کی) پوری کرلی ہے، وہ اس شخص کو دیکھ لے۔"

۶:......"ترمذیؒ اور حاکمؒ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: جو کسی شہید کو زمین پر چلتے پھرتے دیکھنا چاہتا ہو وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔" رضی اللہ عنہ۔

۷:......"ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے، اور ابن عساکر نے

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ: طلحہ زمین پر چلتے پھرتے شہید ہیں۔"

۸:......"ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن عساکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ: طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے (راہ خدا میں قربان ہونے کی) اپنی نذر پوری کرلی۔"

۹:......"امام ترمذیؒ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے ایک ناواقف اعرابی سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ اس آیت کا مصداق کون ہے؟ "فَمِنۡهُمۡ مَنۡ قَضٰى نَحۡبَه." (پس ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی (قربانی کی) نذر پوری کرلی)۔ اور صحابہؓ (نے دیہاتی کو یہ سوال کرنے کے لئے اس بنا پر کہا کہ وہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر اور ہیبت کی بنا پر خود سوال کرنے کی جرأت نہیں کیا کرتے تھے، چنانچہ اعرابی نے یہ سوال کیا، تو آپؐ نے اعراض فرمایا، اس نے پھر سوال کیا، آپؐ نے پھر اعراض فرمایا، اس نے تیسری بار پوچھا، آپؐ نے پھر اعراض فرمایا، اتنے میں میں مسجد کے دروازے سے نکلا، میں نے سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا، تو فرمایا کہ: وہ شخص کہاں ہے جو آیت کے مصداق کے بارے میں سوال کرتا تھا؟ اعرابی نے کہا: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں، آپؐ نے (میری طرف اشارہ کرکے) فرمایا: یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے، جو اپنی (قربانی کی) نذر پوری کرچکے ہیں۔" امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱۰:......"ترمذی اور حاکم نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے کانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے یہ ارشاد سنا ہے کہ: طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہما) جنت میں میرے ہمسائے ہیں۔"

۱۱:...... ''امام بخاریؒ قیس بن حازمؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا شل شدہ ہاتھ دیکھا ہے جو اُحد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے شل ہوگیا تھا۔''

۱۲:...... ''امام بیہقیؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُحد کے دن لوگ شکست کھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ سے پسپا ہوگئے تھے اور آپؐ کے ساتھ انصار کے گیارہ آدمی اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے تھے، آپؐ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے کہ اتنے میں مشرکوں نے ان حضرات کو پیچھے سے آلیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ان کافروں کے مقابلے کے لئے کوئی نہیں؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: طلحہ! تم ٹھہرو۔ اس پر ایک انصاری نے کہا: تو پھر یا رسول اللہ! میں مقابلہ کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ انصاری کفار کے مقابلے میں تن تنہا ڈٹ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء پہاڑ پر چڑھنے لگے، وہ انصاری شہید ہوگئے تو کافر پھر آپہنچے، آپؐ نے فرمایا: کیا ان کافروں کا منہ توڑنے کے لئے کوئی آدمی نہیں؟ حضرت طلحہؓ نے پھر وہی درخواست کی، اور آپؐ نے پھر وہی جواب دیا (کہ طلحہ! تم ٹھہرو)، اس پر ایک اور انصاری نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ انصاری بھی لڑتے لڑتے شہید ہوگئے اور کافر پھر آپہنچے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر انصاری کے شہید ہونے پر وہی جملہ ارشاد فرماتے، حضرت طلحہؓ بار بار اپنے آپ کو پیش کرتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی پہلے جواب کو دہراتے، پھر انصار کا کوئی شخص اجازت چاہتا اور اجازت ملنے پر لڑتے لڑتے شہید ہوجاتا، تاآنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوائے حضرت طلحہؓ کے کوئی نہ رہا، اور کافروں نے دونوں پر گھیرا ڈال لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے مقابلے پر کون ہے؟ حضرت طلحہؓ نے کہا: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔

چنانچہ ان کے پیشرو حضرات نے جس قدر جنگ کی تھی اس قدر انہوں نے تنہا کی، اسی دوران ان کی انگلیاں کٹ گئیں تو ان کے منہ سے نکلا: "حِسّ" (یہ لفظ عرب میں اس وقت کہا جاتا تھا جب کسی آدمی کا کوئی عضو کٹ جائے یا پھٹ جائے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اس موقع پر بسم اللہ کہتے، یا اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تو اس کے فرشتے تمہیں اٹھا لے جاتے اور لوگ آسمان کی فضا میں تمہاری طرف دیکھتے رہ جاتے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوپر چڑھ کر اپنے اصحاب کے پاس پہنچ گئے اور وہ وہاں جمع تھے۔"

شیخ نور الحق نے ترجمہ صحیح بخاری میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جنگ جمل کے مقتولین میں دیکھا تو اس قدر روئے کہ ریش مبارک تر ہوگئی، پھر فرمایا: "میں امید کرتا ہوں کہ میں اور تو ان لوگوں میں سے ہوں گے، جن کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

"وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِم مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ." (الحجر:۴۷)

"اور ہم نکال دیں گے جو ان کے دلوں میں میل تھا، بھائی بھائی بن کر تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔"

محمد بن طلحہؓ کے فضائل:

کثرت سجود کی وجہ سے آپؓ کا لقب سجاد تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ولادت ہوئی، آپؐ نے "محمد" نام رکھا، اور ابوسلیمان کنیت ہوئی۔ الاستیعاب میں ہے کہ وہ جنگ جمل میں شہید ہوئے، حضرت طلحہؓ نے ان کو جنگ میں پیش قدمی کا حکم فرمایا تھا، لیکن ان کی زرہ پاؤں کے درمیان میں پھنس گئی، یہ اسی پر کھڑے ہوگئے،

جب کوئی شخص ان پر حملہ آور ہوتا تو فرماتے کہ میں تجھے حٰمٓ کی قسم دیتا ہوں، یہاں تک کہ عبسی نے آپؓ پر حملہ کیا، اور (قسم کے باوجود) آپؓ کو قتل کر دیا، اور پھر یہ شعر پڑھنے لگا:

واشعث قوام بآیات ربه

قلیل الاذیٰ فیما یری العین مسلم

ترجمہ:...... ''بہت سے پراگندہ سر، اپنے رب کی آیات کے ساتھ قیام والے، کسی مسلمان کو کم ہی ایذا دینے والے۔''

خرقت لهٗ بالرمح جیب قمیصهٖ

فخر صریعًا للیدین وللفمِ

ترجمہ:...... ''میں نے نیزے سے ان کی قمیص کا دامن چاک کر دیا تو وہ مقتول ہو کر ہاتھوں اور منہ کے بل گرے۔''

علیٰ غیر شیٔ انهٗ لیس تابعًا

علیًّا ولم یتبع الحق یندمِ

ترجمہ:...... ''میں نے ان کو بغیر کسی وجہ سے قتل کر دیا، البتہ یہ بات ضرور تھی کہ وہ علی (رضی اللہ عنہ) کے پیرو نہیں تھے اور جو شخص حق کا پیرو نہ ہو، ندامت اٹھاتا ہے۔''

یذکرنی حٰمٓ والرمح شاجر

فهلّا تلا حٰمٓ قبل التقدم

ترجمہ:...... ''وہ مجھے حٰمٓ یاد دلاتا تھا، جبکہ نیزہ سونتا جا چکا تھا، اس نے جنگ میں آنے سے پہلے کیوں حٰمٓ نہ پڑھی۔''

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مقتولوں میں دیکھا تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی، اور فرمایا: ''یہ خوبرو جوان تھا۔'' پھر غمزدہ ہوکر بیٹھ گئے۔ دارقطنی کی روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی لاش کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''یہ سجاد ہے، اس کو والد کی اطاعت وفرمانبرداری نے قتل کردیا۔''

حضرت زبیرؓ کے مناقب:

ان کے بہت سے مناقب، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے مناقب کے ذیل میں گزر چکے ہیں، مؤلف مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ وہ زبیر بن عوام ابوعبداللہ القرشی ہیں، ان کی والدہ ماجدہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ قدیم زمانہ میں اسلام لائے جبکہ ان کی عمر ۱۶ برس تھی، انہیں دھوئیں کی سزا دی گئی کہ اسلام ترک کردیں، لیکن یہ ثابت قدم رہے۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کے راستہ میں تلوار نیام سے باہر نکالی، جنگ احد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان کو بصرہ کے موضع صفوان میں عمرو بن جرموز نے شہید کیا، اس وقت سن مبارک ۶۴ برس تھا، پہلے وادی سباع میں دفن کئے گئے، پھر وہاں سے بصرہ منتقل کردیئے گئے، وہاں ان کی قبر مشہور ہے۔

روایت کیا گیا ہے کہ ان کو اس وقت شہید کیا گیا جب وہ جنگ سے واپس لوٹ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ان کی تلوار دیکھی تو فرمایا: یہ وہ تلوار ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی بکثرت مدافعت کی ہے۔ پھر فرمایا کہ: مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: ''صفیہؓ کے بیٹے (حضرت زبیرؓ) کے قاتل کو دوزخ کی خوشخبری سنادینا۔'' یہ سن کر ابن جرموز بولا: ''اگر ہم تم سے لڑیں جب بھی دوزخی، اور تمہاری خاطر لڑیں جب بھی دوزخی؟'' چنانچہ اس نے غصہ میں آکر خودکشی کرلی۔ (اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی پیشگوئی رأی العین پوری ہوئی)۔

۱:......"بخاری و ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے، اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کا ایک مخلص رفیق ہوتا ہے، اور میرا مخلص رفیق زبیر ہے۔"

۲:......"شیخینؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے موقع پر فرمایا: کون ہے جو مجھے کفار کی خبر دے؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں لاؤں گا...الخ۔"

۳:......"حاکم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن کفار کی خبر لانے کا حکم دیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے، آپؐ نے پھر حکم دیا، تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوگئے۔"

۴:......"بخاری ومسلم اور ترمذی میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو بنوقریظہ کی بستی جائے اور ان کی خبر لے کر آئے؟ میں چلا گیا، جب واپس لوٹا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ: میرے ماں باپ تجھ پر قربان! آپؐ نے ماں باپ دونوں کا لفظ فرمایا۔"

۵:......"صحیح بخاری میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے جنگ یرموک میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپؓ (کافروں پر) حملہ نہیں کرتے؟ کہ ہم بھی آپؓ کے ساتھ حملہ کردیں۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کیا، کافروں نے آپؓ کے کندھے پر تلوار کی دو ضربیں لگائیں، ان دونوں کے درمیان ایک ضرب وہ تھی جو جنگ بدر میں آپؓ کو لگی تھی، میں ان ضربوں (کے گڑھوں) میں اپنی انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتا تھا۔"

فائدہ:......شیخ نورالحق ترجمہ صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ یرموک ملک

شام میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں اور مشرکوں کا مقابلہ ہوا تھا، اس جنگ میں چار ہزار مسلمان شہید ہوئے، اور ایک لاکھ پانچ ہزار کافر جہنم رسید ہوئے، اور چالیس ہزار قید ہوئے۔

حضرت معاویہؓ کے فضائل:

جاننا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ، انبیاؑ علیہم السلام کی تعداد کے موافق ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے، ان میں سے معدودے چند حضرات کے فضائل میں احادیث وارد ہیں، باقی حضرات کے لئے صحابیت کا شرف کافی ہے کہ اس پر وہ فضائل عظیمہ مرتب ہیں جن کے ساتھ کتاب وسنت ناطق ہیں۔ پس اگر کسی صحابیؓ کے فضائل کی احادیث نہ ہوں، یا کم ہوں تو اس سے اس کے شرف ومرتبہ میں کوئی کمی لازم نہیں آتی، ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے چند فضائل کا ذکر کرتے ہیں، جو مسلمانوں کے دلوں میں آپؓ کے شرف ومرتبہ کے اضافہ کا موجب ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

اول:...... ''اے اللہ! معاویہ کو حساب وکتاب سکھا، اور اس کو عذاب سے بچا۔'' یہ حدیث امام احمدؒ نے مسند میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور مسند احمد بڑی مستند اور عظیم الاعتماد کتاب ہے۔

حافظ ثقہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مسند احمد کی تمام حدیثیں مقبول ہیں، اور جو ضعیف ہیں وہ بھی حسن کے قریب ہیں۔

نیز سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ جس مسئلہ میں مسلمانوں کا اختلاف ہو، اس کے لئے مسند کی طرف رجوع کرو، پس اگر اس میں اُسے پاؤ تو وہ حسن ہے، ورنہ حجت نہیں، اور بعض نے اس کی تمام احادیث پر صحت کا اطلاق کیا ہے، اور ابن جوزیؒ نے اس کی بعض احادیث کی نسبت وضع کی طرف کرنے میں غلطی کی

ہے، جیسا کہ تعصب وافراط ان کی عادت ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی موضوع حدیث نہیں اور وہ سنن اربعہ سے حسن ہے۔

دوم:......عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ الصحابی المدنی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

"اے اللہ! اس کو ہدایت کنندہ اور ہدایت یافتہ بنا، اور
ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت فرما۔"

اس کو ترمذیؒ نے روایت کرکے حسن کہا ہے، اور ان کی کتاب "سنن ترمذی" بڑی جلیل القدر کتاب ہے، حتیٰ کہ شیخ الاسلام ہرویؒ فرماتے ہیں کہ:

"وہ میرے نزدیک صحیحین سے بھی زیادہ مفید ہے،
کیونکہ اس میں مذاہب اور وجوہ استدلال کا ذکر ہے، جو صحیحین
میں نہیں۔"

امام حاکمؒ اور خطیبؒ نے ترمذی شریف کی تمام احادیث پر صحت کا اطلاق کیا ہے۔

اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب حجاز وعراق اور خراسان کے علماٗ کی خدمت میں پیش کی ہے، اور جس شخص کے گھر میں یہ کتاب ہو، گویا اس کے گھر میں نبی گفتگو کر رہا ہے۔

سوم:......"ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا گیا کہ: کیا آپؓ امیرالمؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کریں گے؟ وہ صرف ایک وتر پڑھتے ہیں۔ فرمایا: وہ جو کرتے ہیں، ٹھیک کرتے ہیں، وہ خود فقیہ ہیں۔" (صحیح بخاری) شارحین کہتے ہیں کہ فقیہ سے مراد مجتہد ہے۔

''بخاری کی ایک اور روایت میں ابن ابی ملیکہ سے اس طرح مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشأ کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک مولیٰ (خادم) بھی وہاں تھے، انہوں نے یہ قصہ حضرت ابن عباسؓ سے ذکر کیا، انہوں نے فرمایا: ان کو رہنے دو، وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فضلأ صحابہ میں سے تھے، وسعت علم کی بنا پر انہیں علم کا سمندر، حبر الامت اور ترجمان القرآن کا لقب دیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے علم وحکمت اور تاویل (تفسیر قرآن کے علم) کی دعا فرمائی تھی، جو مقبول ہوئی۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصوصی رفقأ میں سے تھے، ان کے دشمنوں پر سخت نکیر فرماتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو خوارج سے مباحثہ کے لئے بھیجا تھا، چنانچہ انہوں نے مباحثہ کیا (اور اس میں غالب آئے)، یہاں تک کہ خارجیوں کے پاس کوئی حجت باقی نہیں رہی۔

پس جب ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے شخص، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد ہونے کی شہادت دیتے ہیں، اور اپنے مولیٰ کو ان پر نکیر کرنے سے روکتے ہیں، اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہ صحابی ہیں (تو اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بلندیٔ مرتبت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے)۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حبر الامت کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم وفضل کی شہادت ہے۔

چہارم:...... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔

امام مفتی حرمین احمد بن عبداللہ بن محمد الطبری نے ''خلاصۃ السیر'' میں ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تیرہ حضرات تھے: خلفائے اربعہ، عامر

بن فہیرہ، عبداللہ بن ارقم، ابی بن کعب، ثابت بن قیس بن شماس، خالد بن سعید بن العاص، حنظلہ بن الربیع الاسلمی، زید بن ثابت، معاویہ بن ابی سفیان، شرحبیل بن حسنہ، رضی اللہ عنہم۔

ان میں سے حضرت معاویہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو اس بارے میں زیادہ خصوصیت تھی، اور یہ دونوں اس کے زیادہ پابند تھے۔ اور یہ جو کہا ہے کہ ان کا کاتب وحی ہونا ثابت نہیں، یہ امام احمد بن محمد القسطلانی کی شرح صحیح بخاری میں بہ تصریح مردود ہے، ان کے یہ الفاظ ہیں:

> ''معاویہ بن ابی سفیان، صخر بن حرب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی ہیں۔''

پنجم:...... شیخ علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ سے سوال کیا گیا کہ: ''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ افضل ہیں، یا حضرت معاویہؓ؟''

انہوں نے فرمایا کہ:

> ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں جس گھوڑے پر جہاد کیا، اس کی ناک کا غبار بھی عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی درجہ افضل ہے۔''

اس منقبت پر غور کرو، اس جملہ کی اہمیت اسی وقت معلوم ہوسکتی ہے جب حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مقام و مرتبہ معلوم ہو، ان دونوں بزرگوں کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں، جن کی تفصیل محدثین کی کتب تاریخ میں ملے گی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا نام ''امام الہدیٰ'' اور پانچواں خلیفۂ راشد رکھا جاتا ہے، محدثین و فقہاءً ان کے اقوال سے استدلال کرتے اور ان کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام ان کی زیارت کرتے تھے، آپ پہلے شخص ہیں

جس نے جمع حدیث کا حکم فرمایا، جب حضرت معاویہؓ ان سے بھی افضل ہیں، تو ان کے مقام و مرتبہ کا کیا پوچھنا.....!!

ششم:...... بخاری و مسلم آپ سے احادیث روایت کرتے ہیں، حالانکہ ان کی شرط یہ ہے کہ وہ صرف ایسے شخص سے روایت لاتے ہیں جو ثقہ ہو، ضابط ہو، صدوق ہو۔

ہفتم:......صحابہ کرامؓ اور محدثین آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، حالانکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل سے سب سے زیادہ واقف، حکایات اختلاف کے سب سے زیادہ جاننے والے اور سب سے زیادہ صادق القول ہیں، امام قسطلانیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ: ''حضرت معاویہؓ بہت سے مناقب کے مالک ہیں۔''

شرح مسلم میں ہے کہ: ''وہ عدول فضلاء اور خیار صحابہ میں سے تھے۔''

امام یافعیؒ کہتے ہیں کہ: ''وہ حلیم، کریم، سیاست دان، عاقل، کمالِ سیادت کے حامل، بڑے صاحب تدبّر اور ذی رائے تھے، گویا وہ پیدا ہی سلطنت کے لئے ہوئے۔'' محدثین دیگر صحابہ کرامؓ کی طرح ان کے نام پر بھی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں، ان کے حق میں حضرت ابن عباسؓ سے بروایت صحیح بخاری پہلے گزر چکا ہے، النہایہ لابن اثیر الجزری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

> ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معاویہؓ سے بڑھ کر صاحب سیادت نہیں دیکھا، کسی نے کہا: اور حضرت عمرؓ بھی نہیں؟ فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے افضل تھے، لیکن سیادت (سرداری) میں حضرت معاویہؓ، حضرت عمرؓ سے بھی آگے تھے۔''

کہا گیا ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ زیادہ سخی اور مال کی دادو دہش میں زیادہ فیاض تھے، اور بقول بعض کے مطلب یہ ہے کہ حکمرانی میں ان سے بڑھ کر تھے۔

قاضی عیاضؒ نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے معافی بن عمرانؒ سے کہا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ، معاویہؓ سے افضل ہیں، یہ سن کر وہ غضبناک ہوگئے اور فرمانے لگے:

> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے کسی کا مقابلہ نہیں، حضرت معاویہؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، آپؐ کے برادر نسبتی ہیں، آپؐ کے کاتب ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی وحی پر آپؐ کے امین ہیں۔''

ہشتم:......ان کا بکثرت حدیث کی روایت کرنا، امام ذہبیؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے (بلاواسطہ) اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور اپنی ہمشیرہ ام المؤمنین ام حبیبہ (رضی اللہ عنہم) اور دیگر حضرات (کے واسطے) سے حدیث کی روایت کی ہے، اور ان سے حضرت ابوذرؓ نے، اپنے تقدم کے باوجود، اور حضرت ابن عباس، حضرت ابوسعید خدری، حضرت جریر اور ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم نے، اور تابعینؒ میں سے جبیر، ابوادریس خولانی، سعید بن مسیّب، خالد بن معدان، ابوصالح السمان، سعید، ہمام بن منبہ اور خلق کثیر نے روایت کی ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ان کی آٹھ حدیثیں درج کی ہیں، ہم یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ چند حدیثیں ذکر کرتے ہیں جس سے ان کا شرف ثابت ہوگا اور اہل علم کے قلوب میں ان کی محبت پیدا ہوگی:

۱:......''امام احمد، ابوداؤد اور حاکم (رحمہم اللہ) نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب اپنے دین میں بہتّر فرقوں میں بٹے، اور یہ امت تہتّر فرقوں میں بٹے گی، اور وہ سب ناری ہوں

گے، سوائے ایک فرقہ کے، اور وہ ''الجماعت'' ہے۔ اور میری امت میں کچھ لوگ نکلیں گے جن میں خواہشات اور غلط نظریات اس طرح سرایت کر جائیں گے جیسے باؤلے کتے کا زہر کسی شخص میں سرایت کر جاتا ہے کہ اس کا کوئی رگ و ریشہ اور کوئی جوڑ ایسا نہیں رہتا، جس میں وہ سرایت نہ کر جائے۔''

۲:...... ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: جب تم لوگوں کے پوشیدہ امور کی تفتیش کرنے لگو گے تو انہیں بگاڑ دو گے۔'' (ابوداؤد، بیہقی)

۳:...... ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: گناہ کے بارے میں یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کردیں گے، مگر جو شخص کہ مشرک مرے، یا جو کسی مؤمن کو عمداً قتل کردے۔''

(احمد، نسائی، حاکم)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: میرے بعد کچھ حکام ہوں گے، وہ (غلط) بات کہیں گے تو ان کی بات رد نہیں کی جائے گی (حق گوئی مفقود ہوجائے گی) یہ لوگ دوزخ میں بندروں کی طرح گھسیں گے۔'' (ابویعلیٰ، طبرانی)

۵:...... ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: جو شخص شراب پئے، اس کے کوڑے لگاؤ، پھر اگر چوتھی مرتبہ پئے تو اسے قتل کردو۔'' (ترمذی)

۶:...... ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: جب لوگ شراب پئیں تو ان کے کوڑے لگاؤ، پھر پئیں تو پھر لگاؤ، پھر پئیں تو پھر لگاؤ، پھر (اگر چوتھی مرتبہ) پئیں تو ان کو قتل کردو۔'' (ابوداؤد)

قتل کرنے کا حکم یا تو تہدید کے طور پر ہے، یا منسوخ ہے (ابوداؤد)، اور

نسائی نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی اسی مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔

۷:......''امام بخاریؒ نے ابوامامہ بن سہل کی حدیث نقل کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما تھے، مؤذن نے اذان کہی، جب مؤذن نے اللہ اکبر، اللہ اکبر، کہا تو حضرت معاویہؓ نے بھی اللہ اکبر، اللہ اکبر، کہا، مؤذن نے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہا تو حضرت معاویہؓ نے بھی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہا، مؤذن نے اشہد ان محمداً رسول اللہ کہا، تو حضرت معاویہؓ نے بھی اشہد ان محمداً رسول اللہ کہا، پھر جب اذان ختم ہوئی تو فرمایا: لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مجلس میں جب مؤذن اذان دیتا تو یہی کلمات کہتے ہوئے سنا ہے، جو تم نے مجھ سے سنے ہیں۔''

۸:......''امام احمدؒ نے علقمہ بن ابی وقاص سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں حضرت معاویہؓ کے پاس تھا، جب مؤذن نے اذان کہی تو حضرت معاویہؓ بھی مؤذن کے الفاظ دہراتے گئے، یہاں تک کہ جب اس نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو آپؓ نے: لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہا، پھر جب مؤذن نے حی علی الفلاح کہا تو آپؓ نے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہا، اور اس کے بعد وہی کلمات کہے جو مؤذن نے کہے تھے، پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی کہتے ہوئے سنا ہے۔''

۹:......''حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ میں نے حج (۵۱ھ) کے سال منبر پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جبکہ بالوں کا ایک جوڑا ان کے پہرہ دار کے ہاتھ میں تھا، اس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: اے اہل مدینہ! کہاں ہیں تمہارے علماء؟ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ ایسے جوڑوں سے منع فرمایا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ بنو اسرائیل اسی وقت ہلاک ہوئے جب انہوں نے ایسے جوڑے بنانا شروع کئے۔''

(بخاری، مسلم، مؤطا، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

۱۰:......"شیخین اور نسائی نے حضرت سعید بن مسیّب سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو خطبہ دیا، اور بالوں کا ایک گچھا نکال کر فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ یہودیوں کے سوا کوئی شخص یہ کام بھی کرسکتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تھی تو آپؐ نے اس کا نام "جھوٹ" رکھا تھا۔"

۱۱:......"امام نسائی سعید المقبری سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ منبر پر تشریف فرما ہیں، ان کے ہاتھ میں بالوں کا ایک گچھا ہے، جو عورتیں استعمال کیا کرتی ہیں، پس فرمایا کہ: مسلمان خواتین کو کیا ہوگیا کہ وہ اس قسم کے (اجنبی) بال استعمال کرنے لگی ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس عورت نے اپنے سر میں اجنبی بالوں کا اضافہ کیا تو وہ محض جھوٹ ہے، جس کو وہ بڑھا رہی ہے۔"

۱۲:......"طبرانی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے حق عمرؓ کی زبان اور دل میں رکھ دیا ہے۔"

۱۳:......"ابوداؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغالطہ میں ڈالنے والے سوالات (اغلوطات) سے منع فرمایا ہے۔"

۱۴:......"ابوداؤد میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وضو کرکے دکھایا، جیسا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا، جب سر کے مسح کو پہنچے تو پانی کا چلو لے کر بائیں ہاتھ پر ڈالا، یہاں تک کہ اسے سر کے درمیان رکھا، جس سے پانی ٹپک پڑا، یا قریب تھا کہ ٹپک پڑے، پھر آگے سے پیچھے تک اور پیچھے سے آگے تک سر کا مسح کیا۔"

۱۵:......"ابوداؤد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ: مجھ سے رکوع، سجدے میں سبقت نہ کرو، میں

رکوع، سجدے میں جتنی دیر تم سے پہلے چلا جاتا ہوں، اس سے اٹھنے کے وقت تم اتنا حصہ پالیتے ہو، میرا جسم بھاری ہوگیا ہے (اس لئے اگر تم میرے ساتھ ہی رکوع، سجدے میں چلے جاؤ گے تو اندیشہ ہے کہ کہیں مجھ سے آگے نہ نکل جاؤ)۔"

۱۶:...... "ابونعیم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ ارشادِ نبویؐ نقل کیا ہے کہ: ایک آدمی برے عمل کرتا تھا، اور اس نے ستانوے خون کئے تھے، جو سب کے سب ناحق ظلماً کئے تھے، وہ (توبہ کی نیت سے) نکلا اور ایک راہب کے عبادت خانے میں پہنچا اور اس نے اس کو کہا کہ: ایک شخص نے ستانوے خون کئے ہیں، کیا اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ راہب نے نفی میں جواب دیا، اس نے راہب کو بھی قتل کردیا۔

پھر ایک اور راہب کے پاس پہنچا، اس سے بھی یہی سوال کیا، اس نے کہا کہ: ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔ تو اس نے اس کو بھی قتل کر ڈالا۔ پھر ایک اور راہب کے پاس پہنچا، تو اس سے بھی یہی مسئلہ دریافت کیا، اس نے بھی وہی جواب دیا کہ: اس کی توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔ اس نے اسے بھی قتل کردیا۔

پھر ایک اور راہب کے پاس پہنچا، تو اس نے اس سے کہا کہ: ایک نابکار نے برائی کا کوئی کام نہیں چھوڑا جو نہ کیا ہو، اور اس نے سو خون کئے ہیں، اور سب کو ظلماً ناحق قتل کیا ہے، کیا اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ راہب نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں تجھ سے یہ کہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرمائیں گے تو میں نے جھوٹ باندھا، فلاں جگہ ایک گرجا ہے، جہاں کچھ عبادت گزار لوگ رہتے ہیں، تم بھی وہاں جاؤ اور ان کے ساتھ عبادت کرو۔ وہ تائب ہوکر وہاں سے نکلا، ابھی راستہ ہی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فرشتہ بھیجا، اس نے اس کی روح قبض کرلی۔

اب اس پر عذاب کے فرشتے اور رحمت کے فرشتے حاضر تھے، اور اس کے بارے میں جھگڑنے لگے، اللہ تعالیٰ نے (ان کے درمیان فیصلے کے لئے) ایک فرشتہ

بھیجا، اس نے کہا: (اس کا فیصلہ یہ ہے کہ دونوں طرف کی جگہ کی پیائش کرو) ان دونوں بستیوں میں سے جس کے قریب تر ہوگا، پس وہ اسی میں سے شمار ہوگا۔ چنانچہ دونوں بستیوں کے درمیانی فاصلہ کی پیائش کی گئی، تو توبہ کرنے والوں کی بستی کے چند انگشت زیادہ قریب نکلا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش فرمادی۔"

۱۷:...... "شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں کہ ہم نے بطریق ابوداؤد، عبداللہ بن علاءؒ سے انہوں نے مغیرہ بن قرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد میں حوض کے دروازے پر لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: لوگو! ہم نے فلاں دن چاند دیکھا ہے، اور میں تو روزہ رکھنے میں سبقت کرنے والا ہوں، پس جو شخص ایسا کرنا چاہتا ہے وہ کرے۔ مالک بن ہبیرہ ان کی طرف لپکے، اور کہا: معاویہ! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی بات ہے یا آپ کی اپنی اجتہادی رائے ہے؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مہینے کے روزے رکھو اور (خصوصاً) اس کے ابتدائی حصہ کے۔"

۱۸:...... "صحیح بخاری میں حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کا فہم عطا فرماتے ہیں، اور بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں، اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والے ہیں، اور یہ امت ہمیشہ دین حق پر قائم رہے گی، ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا وہ شخص جو ان کی مخالفت کرے، یہاں تک اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے۔"

۱۹:...... "صحیح مسلم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ: میں تو صرف خازن ہوں، پس جس شخص کو خوشدلی کے ساتھ دوں گا، اس کے لئے اس میں برکت ہوگی، اور جس کو اس کے مانگنے اور حرص ظاہر کرنے پر دوں گا اس کی مثال (جوع البقر کے)

اس مریض کی سی ہوگی جو کھاتا جائے مگر پیٹ نہ بھرے۔“

۲۰:...... ”صحیح مسلم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لپٹ کر سوال نہ کیا کرو، پس اللہ کی قسم! اگر تم میں سے کوئی شخص مجھ سے سوال کرے گا، اور محض اس کے سوال و اصرار پر ناگواری کے ساتھ میں اس کو جو کچھ بھی دوں گا، اس میں برکت نہیں ہوگی۔“

۲۱:...... ”ابو داؤد و نسائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیتے (کی کھال) پر سوار ہونے اور سونا پہننے سے منع فرمایا، الا یہ کہ بہت ہی معمولی ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خز (ریشم) پر اور چیتے (کی کھال) پر سواری نہ کیا کرو۔“

۲۲:...... ”اور نسائی میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے اور ان کے پاس حضرات صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت موجود تھی، آپؓ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا پہننے سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ وہ بہت ہی معمولی ہو؟ حاضرین مجلس نے کہا: جی ہاں! ہمیں معلوم ہے۔“

۲۳:...... ”ابو داؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے فرمایا: کیا آپ حضرات کو علم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں چیز سے منع فرمایا ہے، اور چیتے کی کھال پر سوار ہونے سے بھی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: کیا آپ حضرات کو علم ہے کہ آپ نے حج و عمرہ کے قران سے منع فرمایا ہے، انہوں نے کہا: یہ تو نہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ بھی انہی چیزوں کے ساتھ ہے، لیکن آپ لوگ بھول گئے۔“

۲۴:...... ”صحیح مسلم میں طلحہ بن یحییٰ کی ان کے چچا سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا، اتنے میں مؤذن ان کو نماز کی اطلاع دینے کے لئے آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: قیامت کے دن مؤذنوں کی گردنیں سب سے لمبی ہوں گی۔"

۲۵:...... "صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے تو دیکھا کہ مسجد میں ذاکرین کا ایک حلقہ جما ہوا ہے، اس کے پاس کھڑے ہوکر فرمایا: آپ حضرات یہاں کیسے بیٹھے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ: ہم اللہ تعالیٰ کے ذکر کی خاطر بیٹھے ہیں، فرمایا: بخدا! صرف اسی مقصد کے لئے بیٹھے ہو؟ عرض کیا: بخدا! صرف اسی غرض سے بیٹھے ہیں۔ فرمایا: میں نے تم سے اس لئے حلف نہیں لیا کہ میں تمہیں متہم سمجھتا ہوں، اور جن حضرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھ جیسا قرب حاصل تھا، ان میں سے کوئی شخص مجھ سے کم روایت کرنے والا نہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ایک حلقہ کی طرف نکلے، تو ان سے دریافت فرمایا کہ: تم یہاں کس غرض سے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم یہاں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیٹھے ہیں، ہم اس کی حمد بجا لاتے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام سے ہدایت فرمائی اور ہم پر احسان فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا: بخدا! تم صرف اسی غرض سے بیٹھے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں! اسی غرض سے بیٹھے ہیں۔

فرمایا: میں نے تم سے اس لئے حلف نہیں لیا کہ (خدانخواستہ) میں تمہیں متہم سمجھتا ہوں، بلکہ ہوا یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر فرشتوں کے سامنے فخر فرماتے ہیں۔"

"محدث قاضی عیاضؒ "الشفا" میں لکھتے ہیں کہ: روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (وحی کی) کتابت کیا کرتے تھے، آپؐ نے ان سے فرمایا کہ: "دوات ڈال دو، قلم کا قط ٹیڑھا رکھو، "با" کو سیدھا لکھو، "سین" (کے دندانوں) کے درمیان فرق کرو، "میم" کی گھنڈی ملاکر نہ لکھو، لفظ "اللہ" کو خوبصورت لکھو، "الرحمٰن" کو لمبا کرو، اور "الرحیم" کو خوب عمدہ

لکھو۔"

نہم:......آپؓ اتباع سنت کے حریص تھے، امام بغویؒ "شرح السنۃ" میں ابومجلز سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے تو عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن زبیر بیٹھے تھے، ابن عامر ان کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے، مگر ابن زبیر بیٹھے رہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "جس شخص کو پسند ہو کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوجایا کریں، اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنائے۔" یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد اور امام احمد نے بھی روایت کی ہے۔

"ابوداؤد اور ترمذی عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور کا حاکم بنایا، پھر اس نے ان کی حاجت وضرورت اور فقر کے ورے پردہ حائل کرلیا، تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت وضرورت اور فقر کے ورے پردہ حائل کرلیں گے، یہ حدیث سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی حاجات (ان تک پہنچانے) پر ایک آدمی مقرر کردیا۔"

"امام بخاریؒ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے کاتب "وراد" سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے کوئی ایسی حدیث لکھ بھیجئے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ کلمہ تین بار کہتے ہوئے سنا ہے:

"لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ."

فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیل وقال سے، کثرت سوال سے، مال کے ضائع کرنے سے، لوگوں کے حقوق ادا نہ کرنے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے سے، ماؤں کی نافرمانی سے اور لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔"

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں خط لکھا کہ مجھے کوئی نصیحت لکھ بھیجئے، مگر زیادہ لمبی نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں تحریر فرمایا: سلام علیک اما بعد! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا کہ فرماتے تھے کہ: جو شخص لوگوں کو ناراض کرکے اللہ تعالیٰ کی رضامندی تلاش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کی مشقت سے خود کفایت فرماتے ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے انسانوں کو خوش کرنا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد فرمادیتے ہیں۔ والسلام علیک!"

"ترمذی اور ابوداؤد میں سلیم بن عامر سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے علاقے کی طرف سفر کر رہے تھے، تاکہ جب معاہدے کی مدت ختم ہوجائے تو ان پر حملہ کردیں، اتنے میں ایک شخص آیا جو گھوڑے پر یا خچر پر سوار تھا، اور وہ یہ کہہ رہا تھا: اللہ اکبر! اللہ اکبر! وفائے عہد لازم ہے، معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں، لوگوں نے دیکھا تو یہ صاحب حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: کیا بات ہوئی؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس شخص کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو جب تک معاہدہ کی مدت نہ گزر جائے نہ اپنے عہد کو کھولے، نہ باندھے، یا ان کا معاہدہ ان کی طرف پھینک دے کہ معاہدہ نہ ہونے کے علم میں طرفین برابر ہوجائیں۔ (گویا معاہدہ کی مدت میں جنگ کی نیت سے دشمن کی طرف سفر کرنا بھی معاہدہ کی

خلاف ورزی ہے) یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔"

اور آپ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدت محبت کا ایک نمونہ وہ ہے جو قاضی عیاضؒ نے الشفاٗ میں ذکر کیا ہے۔

"حضرت عابس بن ربیعہؓ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے دروازے میں داخل ہوئے، تو آپؓ پلنگ سے اٹھے، ان کا استقبال کیا، ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ "مرغاب" نامی اراضی ان کو عطا کی، یہ اعزاز و اکرام محض اس لئے تھا کہ ان کی صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھی۔"

دہم:......آپؓ لوگوں کو حدیث کی پیروی کا حکم فرماتے تھے اور اس کی مخالفت سے منع فرماتے تھے۔

"امام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ آپ جب مدینہ طیبہ تشریف لاتے، اور وہاں کے فقہاٗ سے کوئی ایسی چیز سنتے جو سنت کے مخالف ہوتی تو اہل مدینہ سے خطاب کر کے فرماتے کہ: تمہارے علماٗ کہاں ہیں؟ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا فرماتے ہوئے سنا ہے، یا ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"امام بخاریؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تم ایک نماز پڑھتے ہو، یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں، ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے، ہم نے آپؐ کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا، آپؐ نے تو اس سے منع فرمایا ہے۔"

"امام مسلم عمرو بن عطاٗ سے نقل کرتے ہیں کہ نافع بن جبیر نے ان کو سائب کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ ان سے ایسی چیز دریافت کریں جو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نماز میں کرتے ہوئے دیکھا ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے ان کے ساتھ مقصورہ میں جمعہ پڑھا، جب وہ سلام پھیر چکے تو میں نے وہیں اپنی

جگہ کھڑے ہوکر نماز شروع کردی، جب گھر آئے تو مجھے بلا بھیجا، اور فرمایا: جو تم نے کیا دوبارہ ایسا نہ کرنا، جب جمعہ کی نماز سے فارغ ہوجاؤ تو جب تک بات نہ کرلو، یا اس جگہ سے ہٹ نہ جاؤ، نماز مت پڑھو۔''

''صحیح مسلم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: احادیث روایت کرنے سے احتراز کرو، سوائے ایسی احادیث کے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں روایت کی جاتی تھیں، اس لئے کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو اللہ سے خوف دلایا کرتے تھے۔''

شارح فرماتے ہیں کہ ممانعت، بغیر تحقیق و احتیاط کے زیادہ احادیث روایت کرنے سے ہے، کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب اہل کتاب کے علاقے فتح ہوئے تو ان کی کتابوں سے نقل و روایت کا رواج چل نکلا تھا، اس لئے اس سے منع فرمایا، اور لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی احادیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم صادر فرمایا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں شدید ضبط سے کام لیتے تھے، اس میں سختی کرتے تھے، لوگ ان کی سطوت سے خائف تھے، اور وہ لوگوں کو احادیث میں جلد بازی سے منع کرتے تھے، اور احادیث پر شہادت کا مطالبہ کرتے تھے، یہاں تک کہ احادیث خوب جم گئیں اور سنتیں مشہور ہوگئیں۔

''امام بخاریؒ محمد بن جبیر بن مطعم سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قریش کے ایک وفد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، ان کو اطلاع پہنچی کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ عنقریب قحطان کا ایک بادشاہ ہوگا، آپؓ یہ حدیث سن کر غضبناک ہوگئے، خطبہ دیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسی باتیں نقل کرتے ہیں، جو نہ تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، یہ لوگ نادان ہیں، پس ایسی گمراہ کن آرزوؤں سے احتراز کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: یہ امر حکومت قریش میں رہے گا، کوئی شخص ان سے دشمنی نہیں کرے گا، مگر اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل گرادیں گے، جب تک قریش دین کو قائم رکھیں۔"

یازدہم:...... بہت سے صحابہ کرامؓ نے ان کی پیروی کی، مثلاً حضرت عمروؓ بن عاص، ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرو بن عاص و معاویہ بن خدیج اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم۔

دوازدہم:...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو شام کا گورنر مقرر کیا، باوجودیکہ وہ حکام کے صلاح و فساد میں بہت ہی احتیاط و تفتیش فرمایا کرتے تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں منصب پر بحال رکھا، اس سے معزول نہیں کیا۔

سیزدہم:...... حضرات فقہا آپؓ کے اجتہاد پر اعتماد کرتے ہیں، اور دیگر صحابہ کرامؓ کی طرح آپؓ کا مذہب بھی ذکر کرتے ہیں، مثلاً ان کا یہ قول کہ:

> "معاذ بن جبل، معاویہ اور سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان، کافر کا وارث ہوگا، اور مثلاً ان کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کرنا کہ معراج ایک رؤیا صالحہ تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے، اور مثلاً ان کا یہ کہنا کہ رکنین یمانین کا استلام، حضرت حسنؓ یا حسینؓ سے مروی ہے، اور حضرت معاویہؓ سے صحیح طور پر ثابت ہے۔"

چہاردہم:...... حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا خلافت ان کے سپرد کردینا، باوجودیکہ ان کے ساتھ چالیس ہزار آدمی تھے، جنہوں نے ان سے موت پر

بیعت کر رکھی تھی، اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے اہل نہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نواسے، خلافت کبھی آپؓ کے سپرد نہ کرتے، بلکہ ان سے لڑائی لڑتے، جیسا کہ ان کے والد ماجد نے لڑائی لڑی تھی، رضی اللہ عنہم وعن اولادہم۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

پانزدہم:......آپؓ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے نہایت ادب سے پیش آتے تھے، ان کی خدمت کرتے تھے، اور اہل بیت کے فضائل بیان کرتے تھے، پس یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس منازعت ومخاصمت کے باوجود جو بتقدیر الٰہی پیش آچکی تھی، حق کو ترجیح دیتے تھے۔

"اور امام احمدؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی زبان اور ہونٹوں کو چوستے تھے، اور اللہ تعالیٰ اس زبان اور ان لبوں کو کبھی عذاب نہیں دے گا، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چوسا ہو۔"

"اور شیخ علی القاری نے شرح مشکوٰۃ میں عبداللہ بن بریدہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آپ کو ایسا عطیہ دوں گا جو نہ آپ سے پہلے کسی کو دیا، نہ آپ کے بعد کسی کو دوں گا۔ چنانچہ چار لاکھ کا عطیہ دیا، جو انہوں نے قبول فرمالیا۔"

"مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، تو آپؓ نے فرمایا: یہ مسئلہ علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو، کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔ اس نے کہا: امیر المؤمنین! مجھے آپؓ کا جواب علیؓ کے جواب سے زیادہ پسند ہے۔ آپؓ نے فرمایا: تو نے بہت بری بات کہی، تو ایسے آدمی کو ناپسند کرتا ہے جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علم کی بنا پر عزت کرتے تھے، اور جس کے

بارے میں یہ فرمایا کہ: تیری مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کی موسیٰ سے تھی۔ (علیہما السلام) مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی مشکل معاملہ پیش آتا تو ان سے رائے لیتے تھے۔"

یہ حدیث امام احمدؒ کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی روایت کی ہے، اور بعض نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو فرمایا: "اللہ تعالیٰ تیرے پاؤں کو کھڑا نہ کرے۔" اور اس کا نام دفتر عطیات سے کاٹ دیا۔ اور فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے دریافت کرتے اور ان سے استفادہ کرتے تھے، میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ جب انہیں کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تو فرماتے کہ: "یہاں علیؓ ہیں؟"

"امام مستغفری اپنی سند کے ساتھ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل رہا تھا، فرمانے لگے: اللہ کی قسم! روئے زمین پر کوئی شخص مجھے علیؓ بن ابی طالب سے زیادہ محبوب نہیں تھا، قبل اس کے جو کچھ میرے اور ان کے درمیان ہوا، اور میں جانتا ہوں کہ ان کی اولاد میں ایک شخص خلیفہ ہوگا (حضرت مہدیؒ مراد ہیں) جو اپنے زمانے کے تمام زمین والوں سے بہتر ہوگا، اور اس کا آسمان میں ایک نام ہے جس کے ساتھ اس کو آسمان والے جانتے ہیں، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے زمانے میں غلوں اور پھلوں کی فراوانی ہوگی، وہ باطل کو مٹائے گا، حق کو زندہ کرے گا، اور وہ زمانہ نیک لوگوں کا ہوگا، وہ اپنا سر بلند کریں گے اور اس کو دیکھیں گے۔"

"حاکمؒ اور بخاریؒ نے بروایت ہشام بن محمد ان کے والد سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسنؓ کا وظیفہ ایک لاکھ سالانہ تھا۔ ایک سال وہ وظیفہ رک گیا، آپؓ کو شدید تنگی پیش آئی، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے قلم و دوات منگوائی کہ حضرت معاویہؓ کو خط لکھ کر یاد دہانی کراؤں، لیکن پھر میں رک گیا، خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت ہوئی، فرمایا: حسن! کیسے ہو؟ عرض کیا: ابا جان! خیریت سے ہوں۔ اور وظیفہ میں تاخیر کی شکایت بھی عرض کی، فرمایا: تم قلم دوات منگواکر اپنے جیسی مخلوق کو یاد دہانی کا خط لکھنے لگے تھے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! تو میں کیا کروں؟ فرمایا: یہ دعا پڑھ:

-"اَللّٰھُمَّ اقْذِفْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَاءَکَ وَاقْطَعْ رَجَاءِیْ عَمَّنْ سِوَاکَ حَتّٰی لَا اَرْجُوْ اَحَدًا غَیْرَکَ، اَللّٰھُمَّ وَمَا ضَعُفَتْ عَنْہُ قُوَّتِیْ وَقَصُرَ عَنْہُ عَمَلِیْ وَلَمْ تَنْتَہِ اِلَیْہِ رَغْبَتِیْ وَلَمْ تَبْلُغْہُ مَسْأَلَتِیْ وَلَمْ یَجْرِ عَلٰی لِسَانِیْ مِمَّا اَعْطَیْتَ اَحَدًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ مِنَ الْیَقِیْنِ فَخُصَّنِیْ بِہٖ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ."

ترجمہ:......"اے اللہ! میرے دل میں اپنی امید ڈال دے، اور اپنے ماسوا کی امیدیں کاٹ دے، یہاں تک کہ میں تیرے سوا کسی سے کچھ امید نہ رکھوں، اے اللہ! جس یقین سے میری قوت کمزور ہے، جس سے میرا عمل کوتاہ ہے، جس کی طرف میری رغبت نہیں پہنچ سکتی، نہ میرا سوال اس کو پہنچ سکتا ہے، اور نہ وہ میری زبان پر جاری ہوسکتا ہے، ایسا یقین جو آپ نے اولین و آخرین میں سے کسی کو عطا فرمایا، مجھے اس کے لئے مخصوص کردے اے رب العالمین۔"

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! میں نے ابھی ایک ہفتہ بھی یہ دعا نہیں کی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پندرہ لاکھ کا عطیہ موصول ہوا۔ میں نے کہا اس اللہ کا شکر ہے جو اپنی یاد کرنے والے کو نہیں بھولتا، اور اپنے سے مانگنے والے کو نامراد نہیں رکھتا۔

مجھے خواب میں دوبارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپؐ نے فرمایا: حسن! کیسے ہو؟ عرض کیا: الحمدللہ خیریت سے ہوں، اور اپنا قصہ عرض کیا، فرمایا: بیٹا! جو شخص

خالق سے امید وابستہ کرے اور مخلوق سے امید نہ رکھے، اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ ہوتا ہے۔"

"محمد بن محمود الآملی نے "نفائس الفنون" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آیا، تو فرمایا: اللہ کی قسم! علیؓ شیر کی مانند تھے جب پکارتے تھے، بدر کامل کی مانند تھے جب ظاہر ہوتے تھے، بارانِ رحمت کی مانند تھے جب بخشش کرتے تھے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا: آپ افضل ہیں یا علیؓ؟ فرمایا: علیؓ کے چند خطوط بھی ابوسفیان کی آل سے افضل ہیں۔ عرض کیا گیا: آپؓ نے ان سے جنگ کیوں کی؟

فرمایا: حکومت وسلطنت بے خیر چیزیں ہیں۔ پھر فرمایا کہ: جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں ان کی شان کے مطابق اشعار کہے، میں اسے ہر شعر پر ہزار دینار انعام دوں گا۔ حاضرین شعر کہنے لگے، ہر شعر کو سن کر حضرت معاویہؓ فرماتے جاتے کہ علیؓ اس سے افضل ہیں، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بھی چند اشعار پڑھے، یہاں تک کہ وہ اس شعر پر پہنچے:

هو النباء العظيم وفلک نوح

وباب الله وانقطع الخطاب

ترجمہ:..... "وہ نبأ عظیم ہیں، نوح کی کشتی ہیں، اللہ کا دروازہ ہیں، اور خطاب منقطع ہو چکا۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان اشعار کو پسند کیا اور انہیں سات ہزار دینار عطا کئے۔"

"صواعق محرقہ میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرارہ بن حمزہ سے کہا کہ: میرے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے کہا: مجھے معاف کردیجئے۔ فرمایا: میں تجھے قسم دیتا ہوں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ:

حضرت علیؓ کا منتہائے غایت نہایت بعید تھا، قویٰ مضبوط تھے، قول فیصل کہتے تھے، عدل کے ساتھ فیصلہ کرتے تھے، علم ان کے چاروں اطراف سے پھوٹتا تھا، حکمت ان کی زبان پر جاری ہوتی تھی، دنیا اور اس کی رنگینیوں سے وحشت کھاتے تھے، رات کی تنہائی ان کے لئے بموجب انس تھی، آنکھوں سے بکثرت آنسو جاری رہتے تھے، دیر دیر تک سوچ میں رہتے تھے، معمولی اور موٹا جھوٹا لباس اور روکھا سوکھا کھانا ان کو پسند تھا، ہمارے درمیان ایک عام فرد کی حیثیت سے رہتے تھے، جب ہم سوال کرتے تو جواب دیتے، جب ہم انہیں بلاتے تشریف لاتے۔ اللہ کی قسم! باوجود ہمارے قریب رہنے کے، ہم پر ان کی ہیبت ایسی تھی کہ ہم ان سے بات نہیں کر سکتے تھے، اہل دین کی تعظیم کرتے، مساکین کو قریب کرتے، طاقتور اپنے باطل کے لئے ان کی حمایت کی توقع نہیں رکھتا تھا، کمزور ان کے عدل سے ناامید نہیں ہوتا تھا، میں نے ان کو بعض موقعوں پر دیکھا جبکہ رات نے اپنے پردے ڈالے ہوئے تھے، اور ستارے ڈوب چکے تھے کہ وہ اپنی ریش مبارک پکڑے ہوئے مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہے تھے، اور غمزدہ کی طرح رو رہے تھے، اور فرما رہے تھے کہ اے دنیا! جا کسی اور کو دھوکا دے، تو میری طرف اشتیاق ظاہر کرتی ہے؟ ایسا کبھی نہیں ہوگا، میں نے تجھے تین طلاقیں مغلّظہ دے رکھی ہیں، جن میں رجوع کی کوئی گنجائش نہیں، تیری عمر بہت کم ہے اور تیرے خطرات بہت زیادہ ہیں، آہ! آہ! توشہ کم، سفر بعید اور راستہ وحشت ناک ہے۔

یہ اوصاف سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوالحسن پر رحمت فرمائے، اللہ کی قسم! وہ واقعی ایسے ہی تھے۔"

شانزدہم:......ایک شخص خلیفہ راشد امیرالمؤمنین عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس آیا، اور اس نے یزید کو امیرالمؤمنین کہا، تو آپؒ نے اس کو کوڑے لگوائے۔ ایک اور شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بدگوئی کی، آپؒ نے اس کے بھی کوڑے لگوائے۔

ہفدہم:......ابن عساکرؒ نے بسند ضعیف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ کے پاس حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور معاویہ رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے، اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم علیؓ سے محبت رکھتے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: تمہارے درمیان آویزش ہوگی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عفو اور قضا پر راضی رہیں۔ فرمایا: ہم اللہ کی قضا پر راضی ہیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

"وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ."

ترجمہ:......"اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ نہ لڑتے، لیکن اللہ تعالیٰ کرتے ہیں جو چاہتے ہیں۔"

ہیژدہم:......حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرادے۔"

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

نوزدہم:......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "سب سے پہلے جو میری سنت کو تبدیل کرے گا، وہ بنو امیہ کا ایک شخص ہوگا، جس کو یزید کہا جائے گا۔" اس کو رؤیانی نے اپنی مسند میں حضرت ابو درداؔ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (یہ روایت مخدوش ہے۔ مترجم)۔

''ابوعلی نے بسند ضعیف حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: میری امت کا معاملہ انصاف پر قائم رہے گا، یہاں تک کہ سب سے پہلے اس میں جو شخص رخنہ ڈالے گا، وہ بنوامیہ کا ایک شخص ہوگا جس کو یزید کہا جائے گا (غالباً ابوعلی کی جگہ ابویعلیٰ کا لفظ ہے۔مترجم)۔''

یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت کی مخالفت نہیں کی۔

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ: اللہ کی پناہ مانگو ستّر کے سرے سے اور لونڈوں کی حکومت سے۔'' (مسند احمد)

۷۰ سے یا تو تاریخ ہجری مراد ہے، یا وفات شریفہ کے ستّر سال بعد مراد ہے۔ اور اس سے مراد یزید اور حکم اموی کی اولاد کی امارت مراد ہے۔

عام لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید کو دیکھا کہ معاویہؓ اس کو اٹھائے ہوئے ہے، تو فرمایا: ''جنتی نے جہنمی کو اٹھایا ہوا ہے۔'' مگر یہ افسانہ غلط ہے، اس لئے کہ یزید کی ولادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوئی ہے، جیسا کہ ابن اثیرؒ نے الجامع میں ذکر کیا ہے۔

بستم:......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا قصہ:

مؤلف مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ ان کی وفات رجب میں دمشق میں ہوئی، اس وقت سن مبارک ۷۸ برس تھا، آخری عمر میں آپ کو لقوہ ہوگیا تھا، اور وہ آخری عمر میں فرمایا کرتے تھے کہ: ''کاش! میں قریش کے ایک عام فرد کی حیثیت سے ذی طویٰ میں رہا کرتا اور اس حکومت وسلطنت کو دیکھنے کی نوبت نہ آتی۔'' ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تہبند، ایک چادر، ایک کرتا اور کچھ ناخن اور موئے مبارک تھے۔

آپؓ نے وصیت فرمائی کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص میں کفن

دینا، اور آپؐ کی چادروں میں لپیٹ دینا، اور میرے ناک کے نتھنوں، سجدہ کے اعضاً اور میری باہوں میں آپؐ کے ناخن مبارک اور موئے مبارک رکھ دینا، پھر مجھے ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا۔

بست ویکم:......امام الائمہ امام مالک بن انسؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کو (خصوصاً) ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ، یا عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہم) کے حق میں بدگوئی کرے، تو اگر وہ یہ کہتا ہے کہ وہ گمراہی یا کفر پر تھے، تو اسے قتل کیا جائے گا، اور اگر وہ اس کے علاوہ ان کی کوئی اور برائی کرتا ہے تو اسے عبرتناک سزا دی جائے گی۔ (صواعق محرقہ)

صلح کا ذکر یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے:

''حضرت ابوبکرہ الثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ منبر پر تشریف فرما ہیں، آپؐ کے پہلو میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں، آپؐ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور کبھی (حضرت) حسنؓ کی طرف، اور فرماتے ہیں کہ: یہ میرا بیٹا سید (سردار) ہے، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائیں گے۔''

''انہی سے ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے تھے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بچپن تھا، وہ آتے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے تو وہ آپؐ کی گردن اور پشت پر بیٹھ جاتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ سے سر اٹھاتے، یہاں تک کہ ان کو اتار دیتے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ اس بچے کو ایسا پیار کرتے ہیں کہ ایسا کسی اور سے کرتے آپ کو نہیں دیکھا، فرمایا: یہ دنیا میں میرا پھول ہے، میرا یہ بیٹا سید ہے، اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرادیں گے۔'' یہ ابن ابی حاکم

کی روایت ہے اور امام احمد کی روایت بھی اس کے قریب قریب ہے۔

''اور جامع الاصول میں حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں پہاڑوں جیسے لشکر لے کر گئے تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: میں ایسے لشکر دیکھ رہا ہوں جو کبھی پشت نہیں پھیریں گے، یہاں تک کہ اپنے برابر کے لوگوں کو قتل نہ کرلیں۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: .....اور اللہ کی قسم! وہ دونوں میں سے بہتر تھے ......اے عمرو! اگر یہ ان کو اور وہ ان کو قتل کر ڈالیں، تو مسلمانوں کے کاموں کے لئے کون رہ جائے گا؟ ان کی عورتوں کا کفیل کون ہوگا؟ ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کا سرپرست کون رہے گا؟ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قریش کے دو آدمی عبدالرحمٰن بن سمرہؓ اور عبداللہ بن عامرؓ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے، یہ دونوں آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح کی درخواست کی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ: ہم بنوعبدالمطلب نے اس مال میں سے کچھ حاصل کرلیا ہے، اور یہ امت ایک دوسرے کی خونریزی میں شامل ہوگئی ہے۔ چنانچہ آپؓ نے صلح کرلی۔''

''ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں ''ذخائر'' سے نقل کیا ہے کہ ابوعمرو کہتے ہیں: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو چالیس ہزار سے زائد لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، یہ سب قبل ازیں ان کے والد ماجد سے موت پر بیعت کرچکے تھے، اور یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے، ان کے والد ماجد سے زیادہ مطیع تھے، اور ان کو زیادہ چاہتے تھے، پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ سات مہینے تک عراق اور خراسان کے علاقے ماوراءُ النہر کے خلیفہ رہے، پھر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کوچ کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی طرف چلے،

جب دونوں جماعتیں ہموار میدان میں باہم صف آرا نظر آئیں تو آپؓ نے محسوس کیا کہ ان میں سے کوئی جماعت دوسری پر غالب نہیں آسکتی، یہاں تک کہ دوسری کی اکثریت موت کے گھاٹ نہ اتر جائے۔ چنانچہ آپؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھا کہ وہ امر خلافت ان کے سپرد کردینے کے لئے تیار ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ آپؓ اہل مدینہ، اہل حجاز اور اہل عراق میں سے کسی شخص سے ان امور کے بارے میں باز پرس نہیں کریں گے جو ان کے والد ماجد کے زمانے میں ہوچکے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ: دس آدمیوں کے سوا باقی سب کے حق میں یہ شرط منظور ہے، ان دس آدمیوں کو امن نہیں دوں گا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں دوبارہ خط لکھا، انہوں نے جواب دیا کہ یہ شرط سب کے حق میں منظور ہے، مگر قیس کے حق میں نہیں، کیونکہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ قیس بن سعد مجھے مل جائے تو میں اس کی زبان اور ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پھر لکھا (اگر آپ غیر مشروط طور پر سب کو معافی دینے کا عہد نہیں کرتے تو) میں آپؓ سے بیعت نہیں کروں گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک سفید کاغذ بھیج دیا کہ آپ اس پر جو چاہیں لکھ دیں، میں اس کی پابندی کروں گا۔

چنانچہ دونوں کی صلح ہوگئی، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ شرط رکھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد امر خلافت ان کے سپرد ہوگا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سب کچھ منظور کرلیا۔“

”عارف محقق محمد بن محمد الحافظی البخاری، معروف بہ خواجہ محمد پارسا جو اہل بیت کی محبت میں بڑھے ہوئے تھے، ان کی کتاب ”فصل الخطاب“ میں ہے کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے امر خلافت حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کے سپرد کردیا تو اس سال کا نام ''سال جماعت'' رکھا گیا، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ایک شیعہ نے کہا: یا مذل المؤمنین! تو آپؓ نے فرمایا: بلکہ میں مؤمنین کی عزت افزائی کرنے والا ہوں، میں نے اپنے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: معاویہ کی حکومت کو ناگوار نہ سمجھو، کیونکہ میرے بعد اس امر خلافت کے متولی وہی ہوں گے، اور اگر تم نے ان کو بھی کھودیا تو تم سروں کو اندرائن کی طرح کندھوں سے گرتے ہوئے دیکھو گے۔''

''اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ! اگر امر خلافت تیرے سپرد ہو تو اللہ سے ڈرنا، اور عدل کرنا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تو مجھے ہمیشہ یہ خیال رہا کہ میں اس میں ضرور مبتلا ہوں گا، یہاں تک کہ مبتلا ہوکر رہا۔'' (مسند احمد، بیہقی)

نکتہ:...... جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں: ''مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں'' کے لفظ پر غور کرو گے تو نظر آئے گا کہ حدیث نبویؐ کی رو سے یہ دونوں بڑی جماعتیں مکرم و معظم ہیں۔

حضرت معاویہؓ پر اعتراضات اور ان کا جواب:

جاننا چاہئے کہ ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابیؓ کے بارے میں عصمت کا دعویٰ نہیں کرتے، عصمت ملائکہ و انبیا علیہم السلام کی خصوصیت ہے، جیسا کہ علم الکلام میں اس کی تحقیق کی گئی ہے۔ اس کے باوجود انبیاؑ کرام علیہم السلام سے بہت سی باتیں جو سہواً یا بطور بشریت صادر ہوئی ہیں، انہیں ''لغزش'' کہا جاتا ہے، مگر ان کا نام ''ترکِ افضل'' رکھنا افضل ہے، اور اگر کسی صحابیؓ سے کوئی بات صادر ہو جو ان کے مقام کے لائق نہیں تو یہ بعید از امکان نہیں، اور جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

اجمعین کے درمیان مشاجرات ہوئے تو ان کی آپس میں جنگیں بھی ہوئیں، سخت کلامی بھی ہوئی، اور ایسے امور بھی سرزد ہوئے ہیں جن میں تامل کرنے والے کو توحش ہوتا ہے۔

لیکن ہمارا اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ ایسے امور میں حتی الوسع تاویل کی جائے، اور جہاں تاویل ممکن نہ ہو، وہاں روایت کا رد کردینا واجب ہے، اور سکوت اختیار کرنا اور طعن سے گریز کرنا لازم ہے، کیونکہ یہ بات قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اکابر سے مغفرت اور بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے، اور حدیث میں فر[illegible] گیا ہے کہ آگ ان کو نہیں چھوئے گی، اور جو شخص ان پر زبان طعن دراز کرے، اس کے حق میں سخت وعید آئی ہے، پس تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حسن ظن رکھنا اور ادب و احترام بجا لانا ہر مسلمان پر واجب ہے، سلف صالحین، محدثین و اصولیین کا یہی مذہب ہے۔

اور ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اسی پر ثابت قدم رکھے، اور اکثر لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی کرتے ہیں، شاید اس میں یہ حکمت ہے کہ ان سے کوئی چیز صادر ہوئی اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ رہتی دنیا تک ان کے لئے اعمال صالحہ کا سلسلہ جاری رہے (کیونکہ جو لوگ ان کی برائی کرتے ہیں وہ غیبت و بہتان کے مرتکب ہیں، اس کی پاداش میں ان کی نیکیاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملتی ہیں، اس لئے یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید نہیں کرتے بلکہ درحقیقت اپنی نیکیوں کا تحفہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں) اور بہت ممکن ہے کہ ایک چیز کو تم ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔

پہلا اعتراض:

بعض محدثین نے جن میں مجد الدین شیرازی صاحب سفر السعادۃ بھی شامل

ہیں، کہا ہے کہ ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی، اسی طرح امام بخاریؒ نے ابن ابی ملیکہ کی حدیث پر ''باب ذکر معاویہ'' کا عنوان قائم کیا ہے، دوسرے صحابہؓ کی طرح مناقب یا فضل کا عنوان نہیں رکھا۔

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے دو حدیثیں گزر چکی ہیں، ایک مسند احمد، دوسری سنن ترمذی کی، پس اگر عدم صحت سے مراد عدم ثبوت ہے تو یہ قول مردود ہے۔ اور اگر صحت سے صحت مصطلحہ عند المحدثین مراد ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کا دائرہ تنگ ہے، احادیث صحیحہ کی قلت کی وجہ سے بیشتر احکام و فضائل احادیث حسان ہی سے ثابت ہوتے ہیں، اور مسند احمد اور سنن کی حدیث درجہ حسن سے کم تر نہیں، اور فن حدیث میں طے ہو چکا ہے کہ فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر بھی عمل جائز ہے، حدیث حسن کی تو کیا بات ہے، اور میں نے کسی معتبر کتاب میں امام مجدالدین ابن الاثیر کا قول دیکھا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں مسند احمد کی حدیث صحیح ہے، مگر اس وقت وہ کتاب ذہن میں نہیں رہی، اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''شرح سفر السعادۃ'' میں انصاف نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے مصنف کے اس فقرہ پر تعقب نہیں کیا، جیسا کہ اس کے دوسرے تعصبات پر تعقب کیا ہے۔

امام بخاریؒ کے طرز عمل کا جواب یہ ہے کہ یہ تفنن فی الکلام ہے، چنانچہ انہوں نے اسامہ بن زید، عبداللہ بن سلام، جبیر بن مطعم بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے فضائل جلیلہ ''ذکر فلاں'' کے عنوان ہی سے ذکر کئے ہیں۔

دوسرا اعتراض:

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، میں

دروازے کے پیچھے چھپ گیا، آپؐ نے (ازراہِ تلطف) میرے کندھوں کے درمیان مکہ رسید کیا اور فرمایا: ''جاؤ! معاویہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔'' میں گیا اور واپس آ کر عرض کیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ پھر فرمایا: ''جاؤ!'' میں گیا اور واپس آ کر عرض کیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کا پیٹ نہ بھرے۔''

جواب:

جواب یہ ہے کہ یہ کلمہ عادت عرب کے طور پر ہے، مثلاً کہا جاتا ہے: ''**قاتله الله ما اكرمه**۔'' اور ''**ويل امه وابيه ما اجوده**۔'' اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے، اور اگر تسلیم کرلیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو رحمت و قربت بنا دیں گے، جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے، صحیح مسلم میں ایک باب کا عنوان ہے:

> ''اس بیان میں کہ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہو، یا سخت کلمہ کہا ہو، یا بددعا دی ہو، اور وہ اس کا اہل نہ ہو، تو یہ اس کے لئے پاکیزگی، اجر اور رحمت ہے۔''

اور اس باب میں مذکورہ بالا حدیث ذکر کی ہے۔

نیز اسی باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں نے اپنے رب سے کیا شرط کر رکھی ہے؟ میں نے دعا کی ہے کہ اے اللہ! میں بشر ہی تو ہوں، پس جس شخص کو میں نے لعنت کی ہو، یا اسے سخت لفظ کہا ہو، تو آپ اس کو اس شخص کے لئے زکوٰۃ (پاکیزگی) اور رحمت بنا دیجئے۔''

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: ''اے اللہ! میں آپ کے پاس سے ایک عہد لینا چاہتا ہوں، آپ کبھی اس کے خلاف نہ کیجئے، میں ایک بشر ہی تو ہوں، پس جس مسلمان کو میں نے

ایذا دی ہو، گالی دی ہو، لعنت کی ہو، مارا ہو تو آپ اس کو اس شخص کے لئے رحمت، زکوٰۃ اور قربت بنادیجئے کہ اس کے ذریعہ آپ قیامت کے دن اس شخص کو اپنا قرب عطا فرمائیں۔"

اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: "اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ایک بشر ہے، اسے بھی غصہ آجاتا ہے، جس طرح کہ دوسرے انسانوں کو غصہ آجاتا ہے۔" الخ۔

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے اپنے رب سے ایک شرط کر رکھی ہے، میں نے کہا ہے کہ میں ایک بشر ہی ہوں، خوش بھی ہوتا ہوں جس طرح اور انسان خوش ہوتے ہیں، اور غصے میں بھی ہوتا ہوں جس طرح اور انسان غصے میں ہوتے ہیں، پس اپنی امت کے جس شخص پر میں نے ایسی بددعا کی ہو جس کا وہ مستحق نہ ہو تو میری درخواست یہ ہے کہ آپ اس بددعا کو اس کے لئے طہارت اور زکوٰۃ اور قربت کا ذریعہ بنادیجئے کہ اس کے ذریعہ آپ اسے قیامت تک اپنا قرب عطا فرماتے رہیے۔"

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ معاملہ کیا، پس وہ زمین کے مالک ہوئے اور کمال درجہ کے۔

تیسرا اعتراض:

"ترمذی نے یوسف بن سعید سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلی تو ایک شخص نے کھڑے ہوکر (حضرت حسنؓ سے) کہا کہ: آپ نے مؤمنوں کا منہ کالا کردیا۔ یا یہ کہا: اے مؤمنوں کا منہ کالا کرنے والے۔ آپؓ نے فرمایا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے، مجھے اس پر ملامت نہ کر، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی امیہ کو اپنے منبر پر بیٹھے دیکھا تو

آپؐ کو اس سے ناگواری ہوئی، اس پر "اِنَّا اَعْطَیْنَاکَ الْکَوْثَرَ." نازل ہوئی، یعنی ایک نہر جنت میں۔ نیز "اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ .... خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ." تک نازل ہوئی، اے محمدؐ! بنو امیہ آپؐ کے بعد ایک ہزار مہینے تک حکمران ہوں گے۔"

قاسم بن فضل کہتے ہیں کہ ہم نے بنو امیہ کی حکومت کی مدت کا حساب لگایا تو پورے ہزار مہینے نکلا، نہ کم، نہ زیادہ۔

امام ابن الاثیر "الجامع" میں فرماتے ہیں کہ ان کی حکومت ۸۳ سال ۴ مہینے رہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پورے تیس سال بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور ان کی حکومت ابومسلم خراسانی کے ہاتھوں ختم ہوئی، پس یہ کل مدت ۹۲ سال ہوئی، اس میں سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت آٹھ سال، آٹھ مہینے نکال دیئے جائیں تو پورے ہزار مہینے باقی رہ جاتے ہیں۔

اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، درآنحالیکہ آپؐ تین قبیلوں کو ناپسند فرماتے تھے: بنوثقیف، بنو حنیفہ اور بنو امیہ۔

جواب:

جواب یہ ہے کہ مقصود مطلقاً بنو امیہ کی مذمت نہیں، کیونکہ انہی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ بھی تھے، اور یہ دونوں باجماع اہل سنت امام ہدایت تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس چیز سے ناگواری ہوئی یہ وہ تھی جو یزید بن معاویہ، عبیداللہ ابن زیاد اور اولاد مروان سے صادر ہوئی، یعنی سنت کی مخالفت، صحابہ کرامؓ اور عترت مطہرہ کو ایذا دینا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ تھا کہ امر خلافت کا بنو امیہ کی طرف

منتقل ہونا نوشتۂ تقدیر ہے، اور یہ کہ اہل بیت نبوت کے لئے وہ نعمتیں بہتر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے لئے تیار ہیں۔

چوتھا اعتراض:

''صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ: ابوتراب (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو برا بھلا کہنے سے آپؓ کو کیا چیز مانع ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ: مجھے تین باتیں یاد ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمائی ہیں، میں کبھی ان کی برائی نہیں کرسکتا، ایک تو یہ کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: تمہاری مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی (علیہما السلام)، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ دوسرے یہ کہ: آپؐ نے خیبر کے دن فرمایا تھا کہ: کل میں جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے، اور خدا و رسول کو اس سے محبت ہے۔ تیسرے یہ کہ: جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آپؐ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو ملایا، اور کہا: اے اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بدگوئی کا حکم کرنا کھلی غلطی ہے۔''

جواب:

جواب یہ ہے کہ شرح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ اس کی تاویل واجب ہے، یا تو یہ کہ سبّ (بدگوئی) سے ان کے اجتہاد کی غلطی اور ہمارے اجتہاد کی درستگی کا اظہار مراد ہے۔

اور یا یہ کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بدگوئی کرتے ہیں، اس لئے انہوں نے چاہا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی زبان سے حضرت

علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اظہار کرا کر انہیں اس فعل سے باز رکھیں۔

یا یہ تاویل کی جائے کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ سبب مانع کو دریافت کیا گیا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''ابوتراب'' کی کنیت سے یاد کرنا، کوئی طعن نہیں، کیونکہ یہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبوب ترین کنیت تھی۔

پانچواں اعتراض:

ان کے زمانے میں اور ان سے بدعات کا اظہار ہونا، چنانچہ شرح وقایہ میں ہے کہ:

> ''قسم کا مدعی پر رد کرنا بدعت ہے، اور سب سے پہلے اس کے مطابق فیصلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا، اور سیوطیؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے خصی لوگوں کو خادم بنایا اور سب سے پہلے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنایا۔''

جواب:

جواب یہ ہے کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی شہادت کے مطابق مجتہد تھے اور خطا و صواب کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

اور انہوں نے اپنے بیٹے کو اہل بیت سے حسن سلوک کی وصیت کی تھی، مگر اس نے پوری نہیں کی، اور اگر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما حیات ہوتے تو معاہدے کے مطابق خلافت ان کے سپرد کردیتے۔

چھٹا اعتراض:

انہوں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو زہر دلایا۔

جواب:

جواب یہ ہے کہ یہ بہتان عظیم ہے، اور یہ مؤرخین کی وہ خرافات ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

ساتواں اعتراض:

جو تفتازانی نے شرح تلخیص میں ذکر کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما عیادت کے لئے تشریف لائے، بیٹھے تو حضرت حسنؓ کے سامنے انہوں نے یہ شعر پڑھے:

ترجمہ:......''۱:......اور بدخواہوں کے سامنے میرا اظہار بہادری اس مقصد کے لئے ہے کہ میں زمانے کے حوادث کے سامنے جھکنے والا نہیں ہوں۔

۲:......اور جب موت اپنے پنجے گاڑلیتی ہے تو تم کسی تعویذ کو کارگر نہیں پاؤ گے۔''

جواب:

جواب یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں، اور برتقدیر تسلیم اس میں تصریح نہیں کہ انہوں نے حضرت حسنؓ کو مراد لیا تھا۔

آٹھواں اعتراض:

وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر خوش ہوئے، اور ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ اسی دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''آپ کے اہل بیت میں عظیم سانحہ رونما ہوا ہے۔'' انہوں نے جواب دیا کہ مجھے خبر نہیں، البتہ یہ ضرور

ہے کہ آپ کو خوش دیکھتا ہوں۔

جواب:

جواب یہ ہے کہ مؤرخین حاطب لیل ہیں، (ان کی نقل کا کوئی اعتبار نہیں) اور بر تقدیر تسلیم ہوسکتا ہے کہ ان کا خوش ہونا کسی اور وجہ سے ہو۔

نواں اعتراض:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ: تجھے باغی جماعت قتل کرے گی۔'' (مسلم)

جواب:

جواب یہ ہے کہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ جن حضرات نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف خروج کیا، ان کا خروج امام برحق کے خلاف تھا، مگر یہ بغاوت اجتہاد پر مبنی تھی، جو معاف ہے۔ اور ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کی یہ تاویل کیا کرتے تھے کہ ہم خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرنے والے ہیں (باغیہ کے معنی طالبہ)۔

دسواں اعتراض:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول جنگ صفین کے موقع پر (فقرہ کے بعض الفاظ حذف کردیئے گئے ہیں، جن سے فقرے کا مفہوم واضح نہیں ہوتا)۔ قاضی میبذی شرح دیوان علی میں کہتے ہیں کہ ابتر سے مراد معاویہ ہیں، اور اس کی تائید میں انہوں نے وہ روایت نقل کی ہے جو سورہ کوثر کے شانِ نزول میں وارد ہوئی ہے۔

جواب:

جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیوان کی نسبت شیعہ سند

سے ہے، جو وضع و تحریف میں مشہور ہے، اس لئے یہ نسبت صحیح نہیں، اور اگر تسلیم کر لی جائے تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ شارح نے جو کچھ ذکر کیا ہے، صاحب دیوان کی مراد بھی وہی ہے۔

پس اس میں کوئی دلیل نہیں کہ کسی دوسرے کو، قاضی شارح جیسے لوگوں کو بھی ان کا سبّ (بدگوئی) جائز ہے، کیونکہ بطور تعزیر خلیفہ کسی شخص کو شتم کر سکتا ہے، جب کہ دوسروں کو یہ جائز نہیں ہوتا۔

حاصل یہ کہ جب ان اکابر کے درمیان طعن بالسنان تک کی نوبت آئی ہے تو طعن باللسان تو اس سے ہلکی چیز ہے، مگر یہ دوسروں کے لئے جائز نہیں، دو بھائی آپس میں گالی گلوچ کر لیں تو کسی اجنبی کے لئے ان میں سے کسی کو گالی دینا جائز نہیں ہو جاتا، اور اسی سے بہت سے مطاعن کا جواب نکل آتا ہے۔

منجملہ ان کے کشاف میں زمخشری عفا اللہ عنہ کا قول ہے کہ عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت نے کہا:

> ''ہاں! معاویہ بن حرب کو میری بات پہنچا دو، جو ہم پر
> ظلم کرنے والوں کا امیر ہے۔''

علاوہ ازیں یہی معلوم نہیں کہ یہ شعر ثابت بھی ہے یا محض موضوع اور من گھڑت ہے، اور زمخشری نے اپنی تفسیر میں ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کے باطل محض ہونے میں کوئی شک نہیں، اور اعتزال اور رفض ایک ہی وادی سے ہیں۔

منجملہ ان کے ایک وہ ہے جو صحیح مسلم میں عبدالرحمٰن عبد رب کعبہ سے نقل کیا گیا ہے، یہ ایک طویل کلام ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو کعبہ کے سائے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، جس میں یہ مضمون بھی تھا کہ جو شخص امام پر خروج کرے اسے قتل کر دو۔ عبدالرحمٰن نے یہ حدیث سن کر عبداللہ بن عمروؓ سے کہا: یہ تیرا چچا زاد معاویہ حکم

کرتا ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق کھائیں، اور ایک دوسرے کو قتل کریں۔ عبداللہ تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی طاعت میں اس کی فرمانبرداری کر، اور گناہ کے کام میں اس کی فرمانبرداری نہ کر۔

سائل کا مقصود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس اجتہادی غلطی کو بتانا تھا کہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں ان کے جنگ کرنے اور اس پر اموال خرچ کرنے کی صورت میں ظاہر ہوئی، (گویا سائل اپنے اجتہاد کے مطابق ان کے اجتہاد کو غلط، اکل بالباطل اور قتل النفس سے تعبیر کر رہا ہے، سائل کا یہ اجتہاد اگر اپنی جگہ صحیح بھی ہو تب بھی حضرت معاویہؓ اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کے مکلّف تھے اور وہ اس سلسلہ میں نہ صرف معذور بلکہ ماجور تھے۔

گیارہواں اعتراض:

بہت سے لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ اہل شام نے محدث جلیل ابوعبدالرحمٰن احمد نسائیؒ سے مطالبہ کیا کہ انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث سنائیں، تو انہوں نے کہا کہ: "لا اشبع اللّٰہ بطنه." کے سوا مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: "کیا معاویہؓ اس پر راضی نہیں کہ برابر سرابر چھوٹ جائیں، وہ فضیلت ڈھونڈتے ہیں۔" اہل شام نے ان کو (امام نسائی) مارا حتیٰ کہ وہ بیمار پڑ گئے، اور اسی سے ان کی موت واقع ہوئی۔

جواب:

جواب یہ ہے کہ اہل شام کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر فضیلت ثابت کریں۔ اس لئے وہ ان کے سوءِ ادب پر ناراض ہوگئے، اور یہاں تک تو انہوں نے ٹھیک کیا، مگر وہ حد سے نکل گئے اور ایسی بات کی جس سے صحابی پر طعن کا وہم ہوتا ہے، خیر آدمی کبھی غلطی کر جاتا ہے۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ امام نسائی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدح ہی کا ارادہ کیا تھا، جیسا کہ گزر چکا ہے: "لا اشبع اللہ بطنہ." کا فقرہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں زکوٰۃ و اجر اور رحمت کا موجب ہے، مگر اہل شام ان کا مطلب نہیں سمجھے، یا انہوں نے اس بات پر نکیر کی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ترجیح کیوں نہ دی، اس لئے انہوں نے بر بنائے جہل آپؓ کو مارا۔

بارہواں اعتراض:

بہت سی صحیح اور حسن حدیثوں میں ان لوگوں کے حق میں وعید شدید آئی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھیں، یا آپ سے لڑائی لڑیں۔

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی تو ایسے لوگوں کی بھی ہوئی ہے، جو قطعی جنتی ہیں، جیسے حضراتِ عائشہ، طلحہ و زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین، لہٰذا احادیث وعید کو غیر صحابہ پر محمول کرنا واجب ہے جیسے حروری، یا یوں کہا جائے کہ یہ حدیث ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو متعصب ہوں مجتہد نہ ہوں۔

تیرہواں اعتراض:

تیس سال کی حدیث:

چنانچہ حضرت سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت ہے کہ خلافت تیس سال ہوگی، پھر سلطنت ہوگی، حضرت سفینہ فرماتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت ۲ سال، حضرت عمرؓ کی دس سال، حضرت عثمانؓ کی بارہ سال اور حضرت علیؓ کی چھ سال گن لو (یہ پورے تیس سال ہوئے)، یہ احمد، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے، اور احمد، ترمذی، ابویعلیٰ اور ابن حبان کی ایک روایت میں ہے کہ خلافت میرے بعد، میری امت میں تیس سال ہوگی، پھر اس کے بعد سلطنت ہے۔

نیز بخاریؒ نے تاریخ میں اور حاکمؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ خلافت مدینہ میں ہوگی اور سلطنت شام میں۔

جواب:

جواب یہ ہے کہ تیس سال بعد مطلق خلافت کی نفی مراد نہیں کیونکہ بارہ خلیفوں کی حدیث صحیح ثابت ہے، بلکہ اس سے وہ خلافت کاملہ مراد ہے جس میں مخالفت سنت کا شائبہ تک نہ ہو، اور وہ بلاتخلّل انقطاع جاری رہے، اور ہمیں اعتراف ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہر چند کہ عالم، پرہیزگار اور عادل تھے، مگر وہ علم و ورع اور عدل میں خلفاۓ اربعہ سے فروتر تھے، جیسا کہ اولیاۓ کے درمیان تفاوت نظر آتا ہے، بلکہ ملائکہ اور انبیاۓ کرام علیہم السلام کے درمیان بھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت اگرچہ باجماع صحابہؓ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت ان کے سپرد کردینے کی بنا پر صحیح ہے، مگر وہ ان کے پیشرو حضرات کی خلافت کے منہاج پر نہیں تھی، کیونکہ انہوں نے مباحات میں توسع کیا، جس سے خلفاۓ اربعہ محترز رہتے تھے، نیک لوگوں کی حسنات بھی مقربین کی سیئات شمار ہوتی ہیں، اور شاید ان کا مباحات میں توسع اختیار کرنا، ابنائے زمانہ کے قصور ہمت کی بنا پر تھا، اگرچہ خود ان کی ذات میں یہ چیز نہیں تھی جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، باقی خلفاۓ اربعہ کا عبادات و معاملات میں رجحان بالکل ظاہر ہے، جس میں کوئی خفا نہیں۔

حضرت عمرو بن العاصؓ:

آپؓ کی کنیت ابوعبداللہ اور ابومحمد ہے، اور آپؓ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وزیر و مشیر تھے۔

''امام ترمذیؒ، عتبہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور لوگ تو اسلام لائے ہیں، مگر عمرو بن العاص ایمان

لائے ہیں۔''

''ترمذیؒ کہتے ہیں کہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قریش فتح مکہ کے دن ہیبت کی وجہ سے اسلام لائے، مگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے ایک دو سال پہلے برضا و رغبت ایمان لائے، ابن الملک کہتے ہیں کہ ان کے دل میں اسلام، حبشہ میں راسخ ہوگیا تھا، جبکہ نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف کیا، اس لئے بغیر کسی کی دعوت کے یہ بحالت ایمان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے، مدینہ پہنچے اور ایمان لائے۔''

''امام ذہبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم صفر ۸ھ میں ہجرت کرکے مدینہ آئے، ان سے مندرجہ ذیل حضرات حدیث روایت کرتے ہیں: ان کے صاحبزادے عبداللہ، ان کے مولیٰ ابوقیس، قیس بن ابی حازم، ابوعثمان النہدی، قبیصہ بن ذویب، ابومرہ مولیٰ عقیل، عبدالرحمٰن بن شماسہ، عروہ بن زبیر اور دیگر حضرات۔''

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غزوۂ ذات السلاسل میں امیر لشکر مقرر فرمایا، ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت کا جھنڈا ان کے سپرد کیا، جب کہ لشکر میں حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، اس سے مقصود ان کو مانوس کرنا اور ان کی وحشت کا ازالہ تھا، کیونکہ یہ قبل از اسلام مسلمانوں سے شدید عداوت رکھتے تھے۔''

''تاریخ ذہبی میں ہے کہ حماد بن سلمہ اپنی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عاص کے دو بیٹے مؤمن ہیں عمرو اور ہشام۔ اور عبدالجبار بن ورد ابن ابی ملیکہ سے اور وہ حضرت طلحہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: عبداللہ کے باپ اور عبداللہ کی ماں کا گھر بہت ہی خوب گھر ہے۔''

"صحیح مسلم میں ابو شماسہ المہری سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے، جبکہ وہ موت کے چل چلاؤ میں تھے، بہت دیر تک روتے رہے، اور اپنا چہرہ دیوار کی طرف پھیر لیا، ان کے صاحبزادے ان کو تسلی دلانے کے لئے کہہ رہے تھے: ابا جان! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فلاں فلاں خوشخبری نہیں دی تھی؟ فرمایا: ہم توحید و رسالت کی شہادت کو سب سے افضل چیز سمجھتے ہیں، میں تین ادوار سے گزرا ہوں (ایک دور قبل از اسلام کا تھا)، میں نے اپنی یہ حالت دیکھی ہے کہ اپنے سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والا نہیں پاتا تھا، اور نہ مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب تھی کہ کسی طرح آپؐ پر قابو پالوں تو آپؐ کو نعوذ باللہ! قتل کر ڈالوں، اگر خدانخواستہ میں اسی حالت میں مرجاتا تو سیدھا دوزخ میں جاتا۔ پھر (دوسرا دور) آیا، جب اللہ تعالیٰ نے اسلام میرے دل میں ڈالا تو میں بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا: ہاتھ بڑھائیے! میں آپؐ سے بیعت کروں۔ آپؐ نے ہاتھ بڑھایا، تو میں نے ہاتھ کھینچ لیا، آپؐ نے فرمایا: عمرو! کیا بات ہوئی؟ میں نے عرض کیا کہ: میں آپؐ سے ایک شرط رکھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: کیا شرط لگاؤ گے؟ عرض کیا: میری بخشش ہوجائے۔ فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام، پہلے کے سارے گناہوں کو منہدم کردیتا ہے، اور ہجرت، پہلے کے سارے گناہوں کو معاف کردیتی ہے، اور حج، پہلے کے سارے گناہوں کو دھوڈالتا ہے۔ (الغرض میں نے اسلام کی بیعت کرلی) اور (پھر تو یہ عالم تھا کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مجھے اور کوئی چیز محبوب نہیں تھی، اور نہ میری نظر میں آپؐ سے بڑھ کر کسی کی عظمت و وقعت تھی، اور میں آپؐ کی عظمت و جلال کی بنا پر آپؐ کو نظر بھر کر دیکھ تک نہیں سکتا تھا، آج اگر مجھ سے آپؐ کا حلیہ دریافت کیا جائے تو میں نہیں بتاسکتا، کیونکہ میں نے نظر بھر کر آپؐ کو دیکھا ہی نہیں، اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو مجھے توقع ہے کہ سیدھا جنت میں جاتا۔ پھر (آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد میرا تیسرا دور شروع ہوا، اور) میں نے بہت سی چیزوں میں ہاتھ ڈالا، میں نہیں جانتا کہ میری ان میں کیا حالت ہے (وہ رحمت و رضوان کی موجب ہیں، یا خدانخواستہ حق تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہیں)، پس جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ نہ کوئی نوحہ کرنے والی جائے، نہ آگ، پھر جب مجھے دفن کرو تو مجھ پر مٹی ڈالو، پھر اتنی دیر تک میری قبر پر ٹھہرے رہو، جتنی دیر میں اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس حاصل کروں، اور یہ دیکھوں کہ اپنے رب کے قاصدوں (منکر، نکیر) سے کیا سوال جواب کرتا ہوں۔"

حضرت سیدنا ابوسفیانؓ:

"ابن عساکر نے بطریق ابن وہب حرملہ بن عمران سے، انہوں نے سالم سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (جنگ احد کے دن) بددعا فرمائی: اے اللہ! لعنت کر ابوسفیان پر، اے اللہ! لعنت کر حارث بن ہشام پر، اے اللہ! لعنت کر صفوان بن امیہ پر۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: آپؐ کے لئے کوئی اختیار نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی توبہ قبول فرمائی، وہ اسلام لے آئے اور ان کا اسلام بہت خوب رہا۔" ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرکے اسے حسن کہا ہے۔

"جامع الاصول میں ہے کہ جنگ طائف میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ایک آنکھ شہید ہوگئی تھی، جنگ یرموک تک یک چشم رہے، اور جنگ یرموک میں دوسری آنکھ بھی شہید ہوگئی۔ سنہ ۳۴ھ یا ۳۶ھ یا سنہ ۳۱ھ میں مدینہ طیبہ میں ان کا وصال ہوا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔"

"علامہ زمخشریؒ نے حق تعالیٰ کے ارشاد: "عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَکُمْ

وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُم مِّنْھُم مَّوَدَّۃً." کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، تو ان کی طبیعت نرم ہوگئی اور ان کی خودی ڈھیلی پڑگئی۔"

"صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مسلمان حضرت ابوسفیانؓ کی طرف نہیں دیکھتے تھے، اور نہ ان کے پاس بیٹھتے تھے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: مجھے تین چیزیں عطا فرمادیجئے! فرمایا: بہت اچھا! عرض کیا: میری بیٹی ام حبیبہ، عرب بھر میں سب سے زیادہ حسین وجمیل ہے، میں آپؐ سے اس کا نکاح کرتا ہوں۔ فرمایا: ٹھیک ہے! عرض کیا: معاویہؓ کو آپؐ اپنا کاتب وحی بنالیجئے! فرمایا: بہتر! عرض کیا: مجھے حکم فرمایئے کہ میں کفار سے قتال کروں، جیسا کہ میں مسلمانوں سے قتال کیا کرتا تھا۔ فرمایا: بہت اچھا!"

شرح مسلم میں ہے کہ یہ حدیث مشکل ہے، کیونکہ ابوسفیان سنہ ۸ھ میں اسلام لائے، اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ کا نکاح جمہور کے نزدیک اس سے قبل سنہ ۶ھ میں ہوچکا تھا، پس بعض نے کہا کہ یہ کسی راوی کا وہم ہے، اور بعض نے کہا یہ موضوع ہے، مگر یہ قول مردود ہے، اس لئے کہ اس کے راوی سب ثقہ ہیں، ابن عباسؓ نے زعم کیا ہے کہ اگر انہوں نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب نہ کی ہوتی تو آپؐ ان کو عطا نہ کرتے، کیونکہ آپؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب بھی کوئی شخص آپؐ سے سوال کرتا، آپؐ اس کا اثبات ہی میں جواب دیتے۔

حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی اور حضرت معاویہؓ کی والدہ کا ذکر خیر:

"مؤلف مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ وہ فتح مکہ کے دن اپنے شوہر کے بعد اسلام لائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی نکاح پر برقرار رکھا، یہ صاحبِ فصاحت و ذی عقل خاتون تھیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے

بیعت لی تو ان سے فرمایا کہ: تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی۔ یہ کہنے لگیں کہ: شرک پر تو میں جاہلیت میں بھی راضی نہ تھی، اسلام میں کیسے راضی ہوسکتی ہوں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اور چوری نہیں کروگی۔ تو کہنے لگیں کہ: ابوسفیان ذرا جُزرس (کفایت شعار) آدمی ہیں، (کیا میں ان کے مال سے اپنے بال بچوں کے خرچ کے لئے چوری چھپے لے سکتی ہوں؟)۔ آپؐ نے فرمایا: جتنا مال تجھے اور تیرے بال بچوں کو معروف طریقہ سے کافی ہوجاوے، اتنا لے لیا کرو۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اور زنا نہیں کروگی۔ تو کہنے لگیں: کیا کوئی شریف عورت ایسا کرسکتی ہے؟ پھر فرمایا: اور تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگی۔ تو یہ کہنے لگیں: آپؐ نے ہمارا کوئی بچہ چھوڑا بھی ہے، جسے جنگ بدر میں قتل نہ کردیا ہو۔ ہم نے بچپن میں ان کی پرورش کی، آپ لوگوں نے بڑے ہونے پر ان کو قتل کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی یہ بات سن کر مسکرائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا، اسی دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، ان سے حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں۔"

"صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! (اسلام لانے سے پہلے) میری کیفیت یہ تھی کہ روئے زمین پر کوئی گھر ایسا نہیں تھا، جس کا ذلیل ہونا مجھے آپؐ کے گھر والوں سے زیادہ محبوب ہو، لیکن اب یہ حالت ہے کہ روئے زمین پر کوئی ایسا گھر نہیں جس کا معزز ہونا مجھے آپؐ کے گھر والوں سے زیادہ محبوب ہو۔ آپؐ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! یہی کیفیت اپنی بھی ہے۔

عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوسفیان جُزرس آدمی ہیں، تو کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا اگر میں اس کے مال میں سے اس کے اہل و عیال پر خرچ کروں؟ فرمایا: معروف

طریقہ سے کرسکتی ہو۔''

اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! یہی کیفیت اپنی بھی ہے۔'' ہندہؓ کی تصدیق ہے، اور یہ اطلاع دینا مقصود ہے کہ اس کے بعد ان کی محبت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ جس شخص نے اس کے برعکس سمجھا، اس نے غلط سمجھا!

مروان بن حکم کا ذکر:

مروان بن حکم کا والد حکم فتح مکہ کے دن اسلام لایا، مگر وہ چونکہ لوگوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کے معاملات بتلایا کرتا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طائف کی طرف جلاوطن کردیا تھا، مروان چونکہ چھوٹا بچہ تھا وہ بھی اس کے ساتھ تھا۔

''علامہ قسطلانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ مروان کی ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہوئی تھی، اور اس کا سماع بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، مگر بچپنے میں ہی اپنے والد حکم کے ساتھ طائف چلا گیا، وہ اپنے والد کے ساتھ طائف ہی میں رہا، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں واپس مدینہ منورہ میں آنے کی اجازت دے دی۔''

مروان کے مطاعن:

میرا خیال یہ ہے کہ اس کا معاملہ مخدوش ہے، کیونکہ میرے (مصنف) نزدیک تاریخ میں اس کے محاسن کی نسبت مطاعن زیادہ ہیں، واللہ اعلم! بہرحال اس کے مطاعن میں (سے چند ایک) یہ ہیں:

۱:...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش اور فتنہ برپا کرنا۔

۲:...... حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو روضۂ اقدس میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ دفن نہ ہونے دینا۔

۳:......ولادت کے بعد جب اسے تحنیک کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ کا یہ فرمانا: گرگٹ کا بیٹا گرگٹ اور ملعون کا بیٹا ملعون۔ (حاکم)

۴:......منقول ہے کہ جنگِ جمل میں اس نے ہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

مروان کے محاسن:

۱:......اس کے محاسن میں سے ایک حدیث کا روایت کرنا ہے۔

۲:......صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ اس نے صحابہ کرامؓ کی کثیر جماعت سے روایت کی ہے، جن میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں، اسی طرح اس سے حضرت عروہ بن زبیر اور علی بن حسین نے بھی روایت کی ہے۔

۳:......علامہ عسقلانی مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ مروان کے لئے رؤیت نبوی ثابت ہے۔

پس اگر رؤیت کا ثبوت ہو بھی جائے تب بھی اس کو ناقدین کی جرح پر فوقیت حاصل نہیں ہوگی اور حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ مروان روایت میں متہم نہیں تھا۔

۴:......سہل بن سعد الساعدی صحابیٔ رسول نے اس کی صداقت پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے روایت نقل کی ہے۔

لوگوں کو غصہ اس بات پر ہے کہ اس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور اس نے خلافت کے لئے اپنی تلوار لہرائی، پھر جو ہوا وہ سب کو معلوم ہے، رہا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا تو وہ تاویل سے تھا۔

۵:......امام بخاریؒ نے اس لی سند سے ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس کی سند یہ ہے:

"واخرج البخاری عن محمد بن بشار عن شعبة عن الحکم عن علی بن حسین عن مروان ....الخ."

۶:......بعض شارحین بخاری نے کہا ہے کہ حاکم کی حدیث اس کے لئے قربت وزکوٰۃ اور رحمت ہے، واللہ اعلم!

۷:......ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ مروان کی مذمت کی تمام احادیث موضوع ہیں۔

مؤلف فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ اہل انصاف کے لئے کافی ہے، اور کوئی مبتدع ہٹ دھرمی سے سرکشی اختیار کرے تو اس کی شکایت اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں ہے۔ یہ ۳؍رمضان ۱۲۳۲ھ کو نماز جمعہ کا وقت ہے، اور میں اللہ تعالیٰ ہی سے خاتمہ بالخیر کی درخواست کرتا ہوں، وہ جود وانعام کے مالک ہیں۔

الحمدللہ آج ۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ کو ترجمہ مکمل ہوا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد
وآلہ وصحبہ واتباعہ اجمعین

الناہیہ کا عربی متن:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمد الله علىٰ حسن الاعتقاد وحبِّ النبی وحبِّ العترةِ والصحابة بالاقتصاد صلى الله علىٰ سيدهم وعليهم وبلَّغ منا السلام اليه واليهم.

وبعد! فيا صاحِ خذ الناهية عن طعنِ معاوية واتبع الجماعة الناجية الراضية العالية واهجر الفرقة الغالية الطاغية العافية واترک الخطابيات الواهية الخالية الخاوية وادع بالفلاح لعبد العزيز بن احمد بن حامد بارک الله تعالىٰ فی مصنفاته وحفظها عن كل حاسد والله سبحانه هو الناصر وهو الاول والأخر، والكتاب مرتب علىٰ فصول.

فصل فی نبذ من فضائل الصحابة رضی اللہ عنہم

حسبک من القران قوله سبحانه: "لَا يَسْتَوِیْ مِنْكُم مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُوْلٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللهُ الْحُسْنٰى." وفيه بشارة لاجمعهم بالجنة، كما قالهُ ابن حزم:

"عن عمران بن حصین رضی اللہ عنه مرفوعًا:
خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم."
الحدیث رواہ البخاری والترمذی والحاکم.

"وعن ابن مسعود رضی اللہ عنه مرفوعًا: خیر
الناس قرنی." الحدیث رواہ الشیخان واحمد
والترمذی.

"وعن جابر رضی اللہ عنه مرفوعًا: لا تمس
النار مسلمًا رآنی او رای من رآنی." رواہ الترمذی
والضیاء المقدسی.

"وعن واثلة بن الاسقع رضی اللہ عنه مرفوعًا:
طوبیٰ لمن رآنی ولمن رای من رآنی." رواہ عبد بن
حمید وابن عساکر.

"وعن عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنه مرفوعًا:
طوبیٰ لمن رآنی وآمن بی، طوبیٰ لمن رای من رآنی
وآمن بی، طوبیٰ لهم وحسن مآبٍ." رواہ الطبرانی
والحاکم.

"وعن انس رضی اللہ عنه مرفوعًا: مثل
اصحابی فی امتی مثل الملح فی الطعام لا یصلح الطعام
الا بالملح." رواہ البغوی فی شرح السنة وابویعلیٰ فی
سننه.

"وعن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنه
مرفوعًا: ما من احد من اصحابی یموت بارضٍ الا بعث

قائدًا ونورًا لهم يوم القيامة." رواه الترمذی وقال غريب، والضياء المقدسی.

"وعنه مرفوعًا: النجوم امنة للسماء فاذا ذهبت النجوم اتی السماء ما توعد، وانا امنة لاصحابی فاذا ذهبتُ انا اتی اصحابی ما يوعدون، واصحابی امنة لامتی فاذا ذهب اصحابی اتی امتی ما يوعدون." رواه مسلم واحمد فی مسنده، وما توعد السماء الانشقاق الصحابة والتشاجر والمحن والامة المصائب وظلم الولاة.

"وعن عمر بن الخطاب رضی الله عنه مرفوعًا: اكرموا اصحابی! فانهم خياركم." الحديث رواه النسائی باسناد صحيح او حسنٍ.

"وعنه مرفوعًا: سألتُ ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحی الیّ: "يا محمد! ان اصحابک عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اقوی من بعض، ولكل نور فمن اخذ بشیء مما هم عليه من اختلافهم فهو عندی علیٰ هدی." قال عمر: وقال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "اصحابی كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم." رواه زيد عن ابی سعيدٍ الخدری وفی اللفظ الاخير كلام. قال العسقلانی: ضعيف واهٍ. وعن ابن حزم: انه موضوع باطل. وقال ابن الربيع: رواه ابن ماجة ولم يوجد فی سننه.

فصل فی النهی عن مطاعنهم

"عن ابی سعیدٍ الخدری رضی اللہ عنه مرفوعًا: لا تسبوا اصحابی! فلو ان احدکم انفق مثل اُحد ذهبا ما بلغ مُدّ احدهم ولا نصیفه." رواه البخاری ومسلم وابوداوُد والترمذی ورواه مسلم وابن ماجة عن ابی هریرة ورواه ابوبکر البرقانی علی شرط الشیخین وزاد کالیوم.

"وعن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنه مرفوعًا: اللہ! اللہ! فی اصحابی، لا تتخذوهم غرضًا فمن احبّهم فبحبّی احبّهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم، ومن اٰذاهم فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ ومن اٰذی اللہ یوشک ان یأخذه." رواه الترمذی وقال غریب.

"وعن عائشة رضی اللہ عنها مرفوعًا: ان شرار امتی اجرؤهم علیٰ اصحابی." رواه ابن عدی.

"وعن ابن عمر رضی اللہ عنهما مرفوعًا: اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة اللہ علیٰ شرکم." رواه الترمذی والخطیب.

"وعن ابن عباس رضی اللہ عنهما مرفوعًا: من سب اصحابی فعلیه لعنة اللہ والملٰئکة والناس اجمعین."

"وعن الحسن رضی اللہ عنه مرفوعًا: من خرج

من الدنيا شاتمًا لاحد من اصحابی سلّط الله علیه دابة تقرض لحمه، یجد المه الیٰ یوم القیامة." رواه ابن ابی الدنیا فی القبور.

"وعنه مرفوعًا: ان الله اختارنی واختار لی اصحابا فجعل لی منهم وزراءً وانصارًا واصهارًا فمن سبهم فعلیه لعنة الله والملٰئکة والناس اجمعین، لا یقبل الله منه صرفا ولا عدلًا." رواه الطبرانی والحاکم.

فصل فی النهی عن ذکر المسلم الّا بخیر

"وعن ابن مسعود رضی الله عنه مرفوعًا: سباب المسلم فسوق." رواه البخاری ومسلم واحمد والترمذی والنسائی وابن ماجة ورواه ابن ماجة عن ابی هریرة وسعدٍ، والطبرانی عن عبدالله بن مغفل، والدارقطنی عن جابر.

"وعن ابن عمر رضی الله عنهما مرفوعًا: ایّما رجل قال لاخیه کافر فقد باء بها احدهما." رواه البخاری ومسلم واحمد.

"وعن ابی ذرٍّ رضی الله عنه مرفوعًا: لا یرمی رجل رجلًا بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذالک." رواه البخاری.

"وعن ابن مسعود رضی الله عنه مرفوعًا: لیس المؤمن بالطعّان ولا باللعّان ولا الفاحش ولا البذی."

رواه الترمذی والبیهقی واحمد والبخاری فی التاریخ، والحاکم فی مستدرک، وابن حبان فی صحیحه.

"وعن ابی الدرداء رضی الله عنه مرفوعًا: ان العبد اذا لعن شیئًا صعدت الی السماء فتغلق ابواب السماء دونها ثم تهبط الی الارض فتغلق ابوابها دونها فیمنعان دونها فاذا لم تجد مساغا رجعت الی الذی لُعن فان کان لذالک اهلًا والا رجعت الیٰ قائلها." رواه ابوداوٗد.

فصل فی النهی عن سبّ الاموات

"عن عائشة رضی الله عنها مرفوعًا: لا تسبوا الاموات فانهم قد افُضَوْا الیٰ ما قدموا." اخرجه البخاری.

فصل فی النهی عن ذکر التشاجر

ذکر کثیر من المحققین ان ذکره حرام مخافة ان یؤدی الیٰ سوء الظن ببعض الصحابة ویعضده الحدیث المرفوع: "لا یبلغنی احد من اصحابی عن احد شیئًا، فانی اُحبّ ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر." رواه ابوداوٗد من حدیث ابن مسعود.

وقال ابولیث سئل عن ابراهیم النخعی رحمه الله عن حروب الصحابة فقال: "تلک دمآء طهر الله ایدینا منها، افنلطخ السنتنا." انتهیٰ.

وانما اضطر اهل السنة الیٰ ذکر تلک القصص لان المبتدعة اخترعوا فیها مفتریات واکاذیب حتیٰ ذهب بعض المتکلمین الیٰ ان

روايات التشاجر كلها كذب ونعم القول هو، الا ان بعضها ثابت بالتواتر، واجمع اهل السنة والجماعة علىٰ تاويل ما ثبت منها تخليصا لِلعامة عن الوساوس والهواجس وامّا ما لم يقبل التاويل فهو مردود، فان فضل الصحابة وحسن سيرتهم واتباعهم الحق ثابت بالنصوص القاطعة واجماع اهل الحق فكيف يعارضه رواية الأحاد سيما من الروافض المتعصبة الكذابين.

فصل فى قصة التشاجر مختصرًا

ثبت بالاسانيد ان اهل مصر قدموا المدينة فسألوا عثمان رضى الله عنه ان يعزل عبدالله بن ابى سرح عن مصر، وان يولّى عليهم محمد بن ابى بكر رضى الله عنه، ففعل، فكتب وزيره مروان بن الحكم الىٰ عبدالله ان يقتلهم اذا بلغوه، فالتقى حامل الكتاب والمصريون فى السبيل، فاخذوه منه فاذا هو من امير المؤمنين وبخاتمه والحامل عبده على ناقته فرجعوا الى المدينة وحاصروا داره، فمنع عثمان رضى الله عنه الصحابة عن قتالهم حقنا لدماء المسلمين وحرصًا على الشهادة التى بلغته عن لسان النبى صلى الله عليه وسلم، فقتلوه ثم بايعوا عليًّا كرم الله وجهه فطلبه عائشة وزبير وطلحة ومعاوية رضى الله عنهم ان يقتلهم قصاصًا. فاستمهلهم حتى يستوىَ امره ولا يثور الفتنة فطال الكلام ووقع التشاجر وكل ما قدر الله سبحانه فهو كائن لا محالة، فحارب طلحة وزبير وعائشة رضى الله عنهم بقرب البصرة فقتل الاوّلان وعقر جمل عائشة رضى الله عنها ولذا يسمى حرب الجمل فارسلها الى المدينة بعزة وكرامة ثم حارب معاوية رضى الله عنه بالصفين علىٰ ساحل الفرات فاستمر الحرب

اليٰ ان وقع اختلاط يشبه الصلح. والله سبحانه اعلم!

فصل في ان المجتهد لا يوخذ بالخطأ

الاصل فيه الحديث المرفوع الصحيح: "اذا حكم الحاكم فاجتهد فاصاب فله اجران، واذا حكم فاجتهد فاخطأ فله اجر واحد." رواه البخاری ومسلم واحمد وابوداوٗد والنسائي والترمذی عن ابی هريرة، والبخاری واحمد والنسائي وابوداوٗد وابن ماجة عن عبدالله بن عمرو بن العاص، والبخاری عن ابی سلمة، فالاجران للاجتهاد والاصابة، والاجر الواحد للاجتهاد وحده، والصحابة الاربعة مجتهدون فی الحرب مخطئون فيه، وعلی رضی الله عنه مجتهد مصيب. وقد تقرر فی الاصول انه يجب علی المجتهد ان يعمل بما ادّٰی اليه اجتهاده، ولا لوم عليه ولا علی مقلدہٖ، فالقاتل والمقتول من الفريقين فی الجنة، والحمد لله رب العالمين.

"واخرج ابن سعدٍ عن ابی ميسرة عمرو بن شرحبيل قال رأيت كأني ادخلتُ الجنة فاذا قباب مضروبة، قلت: لمن هذه؟ قالوا: لذی الكلاع وحوشب وكانا ممن قُتل مع معاوية. قلت: فاين عمار واصحابه؟ قالوا: امامک! قلت: وقد قتل بعضهم بعضًا، قيل: انهم لقوا الله فوجدوه واسع المغفرة. قلت: فما فُعل اهل النهر يعنی الخوارج؟ قال: لقوا برحًا ای شدة."

فصل فی نبذ من فضائل عائشة رضی الله عنها

"عن ابی موسی الاشعری رضی الله عنه مرفوعًا: فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی الطعام." رواه البخاری ومسلم والترمذی وابن ابی شیبة وابن ماجة وابن جریر.

"وعن ابی موسیٰ قال: ما اشکل علینا اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم حدیث قط فسألنا عائشة رضی الله عنها الا وجدنا عندها علمًا." رواه الترمذی وقال حسن صحیح غریب.

"وعن ام هانی اخت علی بن ابی طالب رضی الله عنه مرفوعًا: یا عائشة! سیکون سوارک العلم والقرآن." رواه امامنا الاعظم فی مسنده.

"وعنها مرفوعًا: انه لیهوّن علیّ الموت انی رأیتک زوجتی فی الجنة." وفی روایة: "هوّن علیّ الموت لانی رأیت عائشة فی الجنة." رواه الامام ابوحنیفة رحمه الله فی مسنده.

"وعنها مرفوعًا: یا عائشة! هذا جبریل یقرئک السلام، قلت: وعلیک السلام ورحمة الله." رواه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی.

"وعنها قالت: قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: اریتک فی المنام ثلٰث لیالٍ یجیٔ بک الملک

فی سرقة من حریر، فقال: امرأتک. فکشفت عن وجهک الثوب فاذا انت هی. فقلت: ان یکن هذا ما رأیته فی المنام یمضه." رواه البخاری ومسلم.

"وعنها قالت: ان الناس کانوا یتحرّون بهدایاهم یوم عائشة رضی الله عنها یبتغون بذالک مرضاة رسول الله صلی الله علیه وسلم." وقالت: "ان نساء رسول الله صلی الله علیه وسلم کنّ حزبین: فحزب فیه عائشة وحفصة وصفیة وسودة، والحزب الآخر ام سلمة وسائر نساء النبی صلی الله علیه وسلم، فکلم حزب ام سلمة فقلن لها: کلمی رسول الله صلی الله علیه وسلم یکلم الناس فیقول من اراد ان یهدی الیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فلیهده الیه حیث کان. فقال لها: لا تؤذینی فی عائشة فان الوحی لم یأتنی وانا فی ثوب امرأة الا عائشة! قالت: اتوب الی الله من اذاک یا رسول الله! ثم انهم دعون فاطمة رضی الله عنها فارسلن الی رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقال: یا بُنیّة! الا تحبین ما احبُّ؟ قالت: بلی! قال: فاحبّی هذه." رواه البخاری ومسلم والنسائی.

تنبیه:...... لعل ظانا یظن ان روایة مناقبها عنها مما لا یجدی نفعًا وهو ظن فاسد، فان الحدیث الاول من اعظم المناقب ویحصل به توثیقها وصلاحها وصدقها فی کل ما روته.

فصل فی مناقب طلحة رضی اللہ عنه

قال مؤلف المشکوٰة: هو طلحة بن عبیدالله یکنی ابا محمد القرشیّ، قدیم الاسلام، شهد المشاهد کلها غیر بدر، لان النبی صلی الله علیه وسلم بعثه مع سعید بن زید یتعرفان خبر عیر قریش، وجرح یوم احد اربعة وعشرین جراحةً، وقیل کانت فیه خمس وسبعون جراحة، وقیل کانت فیه خمس وسبعون بین طعنة وضربة ورمیة، وروی الترمذی بضع وثمانون. قتل یوم الخمیس لعشرین من جمادی الأخر سنة ست وثلاثین ودفن بالبصرة وله اربع وستون سنة. وذکر النووی انه اعتزل الناس تارکًا للقتال فاصابه سهم فقتله، ویقال رماه مروان بن الحکم.

”واخرج البخاری عن عمر رضی الله عنه قال:
توفی النبی صلی الله علیه وسلّم وهو عنه (طلحة) راضٍ.“ (بخاری مناقب طلحة ج:۱ ص:۵۲۷)

”واخرج مسلم عن ابی هریرة رضی الله عنه:
ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان علیٰ حراء هو وابوبکر وعمر وعلی وعثمان وطلحة والزبیر (رضی الله عنهم) فتحرکت الصخرة، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اهدأ! فما علیک الّا نبی او صدیق او شهید.“

”واخرج الترمذی عن عبدالرحمٰن بن عوفٍ، وابن ماجة واحمد والضیاء المقدسی والدار قطنی عن سعید بن زید قالا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:

ابوبکر فی الجنة، وعمر فی الجنة، وعثمان فی الجنة، وعلی فی الجنة، وطلحة فی الجنة، والزبیر فی الجنة، وعبدالرحمٰن بن عوف فی الجنة، وسعد بن ابی وقاص فی الجنة، وسعید بن زید فی الجنة، وابو عبیدة بن الجراح فی الجنة."

"واخرج الترمذی عن الزبیر قال: کان علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد درعان فنهض الی الصخرة فلم یستطع فاقعد تحته طلحة فصعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ استوی علی الصخرة، قال: فسمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اوجب طلحة."

"واخرج الترمذی عن جابر قال: نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ طلحة بن عبیداللہ فقال: من احب ان ینظر الیٰ رجل یمشی علیٰ وجه الارض وقد قضیٰ نحبه فلینظر الیٰ هٰذا."

"واخرج الترمذی والحاکم عن جابر: من سره ان ینظر الیٰ شهید یمشی علیٰ وجه الارض، فلینظر الیٰ طلحة بن عبیداللہ."

"واخرج ابن ماجة عن جابر وابن عساکر عن ابی هریرة وابی سعید: ان طلحة مر علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: شهید یمشی علیٰ وجه الارض."

"واخرج الترمذی وابن ماجة عن معاویة وابن

عساکر عن عائشة: طلحة ممّن قضیٰ نحبه."

"واخرج الترمذی وقال حسن غریب عن طلحة: ان اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قالوا لاعرابی جاهل سله عمن قضیٰ نحبه من هو؟ وکانوا لا یتجرّءون علی مسئلة یوقرونه ویهابونه فسأله الاعرابی فاعرض عنه، ثم سأله فاعرض عنه، ثم سأله فاعرض عنه، ثم انی اطلعت من باب المسجد وعلیَّ ثیاب خضر فلما رآنی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: این السائل عمن قضیٰ نحبه؟ قال الاعرابی: انا یا رسول اللّٰہ! قال: هذا ممن قضیٰ نحبه."

"واخرج الترمذی والحاکم عن علی کرم اللّٰہ وجهه یقول: سمعت اذنی من فی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وهو یقول: طلحة والزبیر جارای فی الجنة."

"واخرج البخاری عن قیس بن حازم قال: رأیت ید طلحة التی وقی بها النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قد شلت."

"واخرج البیهقی عن جابر انهزم الناس عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یوم احد وبقی معه احد عشر رجلا من الانصار وطلحة بن عبیداللّٰہ وهو یصعد فی الجبل فلحقهم المشرکون فقال: الا احد لهؤلاء؟ فقال طلحة: انا یا رسول اللّٰہ! فقال: کما انت یا طلحة.

فقال رجل من الانصار: فانا یا رسول اللّٰہ! فقاتل عنه فصعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ومن بقی معه ثم قتل الانصاری فلحقوہ. فقال: الا رجل لهؤلاء؟ فقال طلحة مثل قوله فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم مثل قوله، فقال رجل من الانصار: فانا یا رسول اللّٰہ! فاصحابه یصعدون ثم قتل فلحقوہ فلم یزل یقول مثل القول الاول فیقول طلحة: انا یا رسول اللّٰہ! فیجیبهٔ فیستأذنهٔ رجل من الانصار للقتال فیأذن له فیقاتل مثل من کان قبله حتی لم یبق معه الا طلحة فغشوهما فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من لهؤلاء؟ فقال طلحة: انا یا رسول اللّٰہ! فقاتل مثل قتال جمیع من کان قبله واصیبت انامله، فقال: حِس (حِس، بکسر فتشدید کلمة یقولها الانسان اذا اصابه ما مضه واخرقه)، (نهایة) قال: لو قلت بسم اللّٰہ اِو ذکرت اسم اللّٰہ لرفعتک ملائکته والناس ینظرون الیک فی جوّ السماء. ثم صعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الیٰ اصحابه وهم مجتمعون.“

”وذکر الشیخ نورالحق فی ترجمة صحیح البخاری ان علیًّا رأی طلحة قتیلا یوم الجمل فبکی حتی ابتل لحیته، فقال: ارجو انا وانت ممن قال اللّٰہ تعالیٰ فیهم: ”وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِم مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِیْن.“

فصل فی مناقب محمد بن طلحة رضی اللّٰہ عنه

یلقب بالسجاد لکثرة سجوده، ولد فی عهد النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فسماه محمدًا وکناه بابی سلیمان.

وفی الاستیعاب انه قتل یوم الجمل وکان طلحة امره ان یتقدم للقتالم فشل درعه بین رجلیه وقام علیها، وکلما حمل علیه رجل قال نشدتک بحٰمٓ حتی شد علیه العنسی فقتله وانشأ یقول:

واشعث قوامٍ بآیات ربّه
قلیل الاذی فیما تَرَی العین مسلمٍ
هتکت له بالرمح جیب قمیصهٖ
فخرّ صریعًا للیدین وللفمٖ
علیٰ غیر شیٔ غیر انّ لیس تابعًا
علیّا ومن لا یتبع الحق یندمٖ
یذکرنی حٰمٓ والرمح شاجر
فهلا تلا حٰمٓ قبل التقدم

(فتح الباری ج:٨ ص:٥٥٤)

فلما راٰه علیّ کرم اللّٰہ وجهه بین القتلی استرجع وقال: ”ان کان شابًّا ملیحًا ثم قعد کئیبًا.“ وروی الدار قطنی انه مرّ به قتیلا فقال: ”هذا السجاد قتله برّٗه بابیه.“

فصل فی مناقب الزبیر رضی اللّٰہ عنه

مرّ کثیر منها فی مناقب طلحة رضی اللّٰہ عنه قال مؤلف المشکوٰة: هو زبیر بن العوام ابوعبداللّٰہ القرشی وامه صفیة عمة النبی

صلى الله عليه وسلم. اسلم قديما، وهو ابن ستة عشر سنة فعذّب بالدخان ليرجع فلم يرجع، فشهد المشاهد كلها وهو اول من سل السيف فى سبيل الله وثبت مع النبى صلى الله عليه وسلم يوم اُحدٍ، قتله عمرو بن جرموز بسَفَوان من ارض البصرة وله اربع وستون سنة ودفن بوادى السباع ثم حول الى البصرة وقبره مشهور بها.

وروى انه قتل منصرفًا عن القتال مصليًا، وقال على رضى الله عنه لما رأى سيفه: "هذا سيف ذب كثيرًا عن وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم." ثم قال: قال لى رسول الله صلى الله عليه وسلم: "بشر قاتل ابن صفية بالنار!" فقال ابن جرموز: "ان قاتلناكم فنحن فى النار، وان قاتلنا لكم فنحن فى النار." فقتل نفسه غيظًا.

"واخرج البخارى والترمذى عن جابر والحاكم عن على قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان لكل نبى حواريًا، وان حوارىّ الزبير."

"واخرج الشيخان عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الاحزاب: من يأتينا بخبر القوم؟ فقال الزبير: انا!"

"واخرج الحاكم ندب رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الخندق فانتدب الزبير ثم ندبهم فانتدب الزبير." فقال الحديث.

"واخرج الشيخان والترمذى عن الزبير قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من يأت بنى قريظة فيأتينى بخبرهم؟ فانطلقت فلما رجعت جمع لى رسول

الله صلى الله عليه وسلم ابويه، فقال: فداک ابى وامى."

"واخرج البخارى عن عروة ان اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم قالوا للزبير يوم اليرموک: الا تشد فنشد معک. فحمل عليهم فضربوه ضربتين على عاتقه بينهما ضربة ضربها يوم بدر، قال عروة (ابن الزبير): فكنت ادخل اصابعى فى تلک الضربات العب وانا صغير."

فائدة:...... قال نورالحق فى ترجمة صحيح البخارى يرموک موضع بالشام، التقى به الروم والمسلمون فى خلافة عمر رضى الله عنه، فقتل من المسلمين اربعة الاف ومن الروم مائة الف وخمسة الافٍ واسر منهم اربعون الفًا.

فصل فى فضائل معاوية رضى الله عنه

اعلم ان صحابته الكرام مائة الف واربعة عشر الفًا كالانبياء ومن ورد فيه احاديث الفضائل اشخاص معدودة وكفى بالصحبة فضلًا للباقى لترتب الفضائل العظيمة عليها مما نطق به الكتاب والسنة فان فقدت احاديث الفضائل لبعضهم او قلت فلا اجحاف به ولنذكر من فضائل معاوية رضى الله عنه ما يزيده شرفًا ومكانةً فى قلوب المسلمين.

فاحدٰها: قوله صلى الله عليه وسلم: "اللّٰهم عَلّم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب." رواه الامام احمد فى مسنده عن عرباض بن سارية هو كتاب عظيم الاعتماد. قال الحافظ الثقة جلال الدين السيوطى

رحمه الله: کلما فی مسند احمد مقبول، وضعیفه قریب من الحسن. قال: وقال الامام احمد: ما اختلف المسلمون فیه فارجعوا الی المسند فان وجدتموه فحسن والا فلیس بحجة. واطلق بعضهم الصحة علیٰ کل ما فیه واخطأ ابن الجوزی فی نسبة بعض احادیث الوضع الیه کما هو عادته من التعصب والافراط. وقال شیخ الاسلام ابن حجر العسقلانی: لیس فیه موضوع وهو احسن من السنن الاربعة.

والثانیة:...... عن عبدالرحمٰن بن ابی عمیرة (الصحابی المدنی) ان النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لمعاویة: "اللّٰهم اجعله هادیا مهدیا واهد به." رواه الترمذی وحسّنه وکتابه جلیل القدر حتیٰ قال شیخ الاسلام الهروی: "هو عندی انفع من الصحیحین لما فیه من ذکر المذاهب ووجوه الاستدلال دونهما." واطلق الحاکم والخطیب الصحة علیٰ جمیع ما فیه. وقال الترمذی: "عرضت هذا الکتاب علیٰ علماء الحجاز والعراق وخراسان، ومن کان فی بیته فکانما فی بیته نبی یتکلم."

والثالثة:...... عن ابن ابی ملیکة قال: قیل لابن عباس رضی الله عنه: هل لک فی امیر المؤمنین معاویة فانه ما اوتر الا بواحدة؟ قال: اصاب انه فقیه. رواه البخاری. قال الشراح ای مجتهد وفی روایة اخریٰ للبخاری عن ابن ابی ملیکة قال: اوتر معاویة بعد العشاء برکعةٍ وعنده مولیٰ لابن عباس رضی الله عنه، فاتی ابن عباس فقال: دعه فانه قد صحِب رسول الله صلی الله علیه وسلم، انتهی۔ وکان ابن عباس رضی الله عنه من فضلاء الصحابة ویلقب البحر لسعة علمهٖ وحبر الامة وترجمان القرآن، وقد دعا له النبی صلی الله علیه وسلم بالعلم والحکمة والتأویل فاستجیب، وکان من خواص اصحاب علی کرم الله وجهه وشدید الانکار

على اغدائه، وارسله على رضى الله عنه ليحاج الحرورية فحاجهم حتى لم يبق لهم حجة، فاذا شهد مثله لمعاوية بانه مجتهد وكف مولاه عن الانكار مستدلًا بانه من الصحابة، قال شيخ الاسلام ابن حجر: هذا شهادة من حبر الامة بفضله.

والرابعة:...... انه كاتب رسول الله صلى الله عليه وسلم وذكر الامام مفتى الحرمين احمد بن عبدالله بن محمد الطبرى فى خلاصة السير: ان كتّابَهُ صلى الله عليه وسلم ثلاثة عشر: الخلفاء الاربعة، وعامر بن فهيرة، وعبدالله بن ارقم، وابى بن كعب، وثابت بن قيس بن شماس، وخالد بن سعيد بن العاص، وحنظلة بن الربيع الاسلمىّ، وزيد بن ثابت، ومعاوية بن ابى سفيان، وشرحبيل بن حسنة (رضوان الله عليهم اجمعين)، وكان معاوية وزيد الزمهم لذالک واخصّهم به، انتهى. وما قيل ان كتابه الوحى غير ثابت فمردود بقول الامام احمد بن محمد القسطلانى فى شرح صحيح البخارى ولفظه: "معاوية بن ابى سفيان صخرٍ ولد حربٍ كاتب الوحى لرسول الله صلى الله عليه وسلم."

والخامسة:...... ما ذكره على الهروى فى شرح المشكوٰة ان الامام عبدالله بن المبارک سئل: ان عمر بن عبدالعزيز افضل ام معاوية؟ فقال: "غبارٌ دخل فى انف فرس معاوية حين غزا فى ركاب رسول الله صلى الله عليه وسلم افضل من كذا من عمر بن عبدالعزيز." فتامّل فى هذه المنقبة وانما يظهر عليک فضيلة هذه الكلمة اذا عرفت فضائل عبدالله بن المبارک وعمر بن عبدالعزيز، وهى لا تحصىٰ ومحل بسطها كتب تواريخ المحدثين. وعمر يسمىٰ امام الهدى وخامس الخلفاء الراشدين، والمحدثون والفقهاء يحتجون بقوله ويعظمونه جدًا، وكان الخضر عليه

السلام يزوره، وهو اول من امر بجمع الحديث، فاذا كان معاوية رضى الله عنه افضل منه فما ظنك به!!

والسادسة:...... ان البخارى ومسلمًا يرويان عنه الحديث مع شرطهما ان لا يرويان الا عن ثقةٍ ضابطٍ صدوقٍ ......"

والسابعة:...... ثناء الصحابة واهل الحديث عليه مع انهم اعرف الناس بفضائل على رضى الله عنه واعلمهم بحكايات التشاجر واصدقهم لهجةً وقال الامام القسطلانى فى شرح البخارى معاوية ذو المناقب الجمة. وفى شرح مسلم هو من عدول الفضلاء والصحابة الخيار. قال الامام اليافعى: كان حليمًا كريمًا سائسًا عاقلًا كامل السودد ذا دهاء ورايٍ كأنما خلق للملك. ويكتب المحدثون بعد اسمه: "رضى الله عنه" كسائر الصحابة بلا فرق. ومرّ قول ابن عباس رضى الله عنه برواية البخارى، وذكر فى النهاية الجزرية عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: ما رأيت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم اسودد من معاوية. قيل: ولا عمر؟ قال: كان عمر خيرًا منه وكان هو اسودد من عمر. قيل: اراد اسخىٰ واعطىٰ للمال، وقيل: هو احكم منه. وذكر القاضى عياض ان رجلًا قال للمعافى بن عمران: عمر بن عبدالعزيز افضل من معاوية. فغضب وقال: لا يقاس احد باصحاب النبى صلى الله عليه وسلم، معاوية: صاحبه وصهره وكاتبه وامينه علىٰ وحى الله عز وجل.

والثامنة:...... كثرة رواية الحديث، وذكر الامام الذهبى انه روىٰ عن النبى صلى الله عليه وسلم وعن ابى بكر وعمر واخته ام حبيبة وغيرهم، وروى عنه ابوذر مع تقدمه وابن عباس وابوسعيد وجرير وجماعة من الصحابة وجبير وابو ادريس الخولانى وسعيد بن المسيب

وخالد بن معدان وابوصالح السمان وسعید وهمام بن منبه وخلق کثیر،
انتھیٰ.

وروی البخاری عنه فی صحیحه ثمانیة احادیث ولنذکر ھٰھنا شیئًا من الأحادیث التی رواھا فانھا توجب شرفا وتغرس حبّا له فی قلوب العلماء:

"واخرج احمد وابوداوٗد والحاکم عن معاویة مرفوعًا: ان اھل الکتاب تفرقوا فی دینھم علی ثنتین وسبعین ملة وتفترق ھٰذہ الامة علی ثلاث وسبعین کلھا فی النار الا واحدة وھی الجماعة، ویخرج من امتی قوم تتجاری بھم تلک الاھواء کما یتجاری الکلب بصاحبه فلا یبقی منھم عرق ولا مفصل الا دخله."

"واخرج البیھقی وابوداوٗد عن معاویة قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: انک اذا تبعت العورات افسدتھم."

"واخرج احمد والنسائی والحاکم عن معاویة رضی اللہ عنه مرفوعًا: کل ذنب عسی اللہ ان یغفرہ الا من مات مشرکًا او من یقتل مؤمنًا عمدًا."

"واخرج ابویعلیٰ والطبرانی عن معاویة رضی اللہ عنه مرفوعًا: ستکون ائمة من بعدی یقولون فلا یرد علیھم قولھم یتقاحمون فی النار کما تقاحم القردة."

"واخرج الترمذی عن معاویة رضی اللہ عنه مرفوعًا: من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعة

فاقتلوه."

"واخرج ابوداؤد عن معاوية رضی الله عنه مرفوعًا: اذا شربوا الخمر فاجلدوهم ثم ان شربوا فاجلدوهم ثم ان شربوا فاجلدوهم ثم ان شربوا فاقتلوهم." والامر بالقتل تهديد او منسوخ.

"واخرج ابوداؤد والنسائی عن ابی هريرة وابن عمر نحو حديث معاوية."

"واخرج البخاری عن ابی امامة بن سهل قال سمعت معاوية بن ابی سفيان وهو جالس علی المنبر اذن المؤذن فقال: الله اكبر، الله اكبر، قال معاوية: الله اكبر الله اكبر. فقال: اشهد ان لا الٰه الا الله، فقال معاوية: وانا. قال: اشهد ان محمدًا رسول الله، فقال معاوية: وانا. فلما ان قضیٰ التاذين قال: يا ايها الناس! انی سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم علیٰ هذا المجلس حين اذن المؤذن يقول ما سمعتم منّی من مقالتی."

"واخرج احمد بن علقمة بن ابی وقاص قال: انیٰ لعند معاوية رضی الله عنه اذا اذن المؤذن فقال معاوية كما قال مؤذنهُ، حتیٰ اذا قالَ: حی علی الصلاة، قال: لا حول ولا قوة الا بالله. فلما قال: حی علی الفلاح، قال: لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم. وقال بعد ذالک ما قال المؤذن، ثم قال: سمعت

رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ذالک."

"واخرج البخاری ومسلم ومالک فی الموطأ وابوداؤد والترمذی والنسائی عن حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف انه سمع معاویة بن ابی سفیان عام حج وهو علی المنبر یقول وتناول قُصة من شعر کانت بید حرسی: این علماءکم؟ سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینهی عن مثل هذه ویقول: انما هلکت بنو اسرائیل حین اتخذ هذه نساؤهم."

"واخرج الشیخان والنسائی عن سعید بن المسیب قال: قدم معاویة المدینة آخر قدمة قدمها فخطبنا فاخرج کبة من شعر قال: ما کنت اری احدًا یفعل هذا غیر الیهود، ان النبی صلی الله علیه وسلم سماه الزور، یعنی الواصلة فی الشعر."

"واخرج النسائی عن سعید المقبری قال رأیت معاویة بن ابی سفیان علی المنبر ومعه فی یده کبة من کبب النساء من شعر، فقال: ما بال المسلمات یصنعن مثل هذا! انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: ایما امرأة زادت فی رأسها شعرًا لیس منه فانه زور تزید فیه."

"واخرج الطبرانی عنه مرفوعًا: ان الله جعل الحق علیٰ لسان عمر وقلبه."

"واخرج ابوداؤد عن معاویة رضی الله عنه: ان

النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن الغلوطات.“

”واخرج ابوداؤد ان معاویة رضی اللہ عنه توضأ للناس کما رأی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یتوضأ فلما بلغ رأسه غرف غرفة من ماء فتلقاها بشماله حتیٰ وضعها علی وسط رأسه حتی قطر الماء او کاد یقطر ثم مسح من مقدمه الیٰ مؤخره، ومن مؤخره الی مقدمہ.“

”واخرج ابوداؤد عن معاویة رضی اللہ عنه مرفوعًا: لا تبادرونی برکوع ولا بسجود، فانه مهما اسبقکم به اذا رکعت تدرکونی به اذا رفعت انی قد بدنت.“

”واخرج ابونعیم عن معاویة مرفوعًا: ان رجلًا کان یعمل السیاٰت وقتل سبعة وتسعین نفسًا کلها یقتل ظلما بغیر حق، فخرج فاتی دیرانیا فقال: یا راهب! ان رجلا قتل سبعة وتسعین نفسًا کلها یقتل ظلما بغیر حق، فهل له من توبة؟ فقال: لا! فقتله ایضًا. ثم اتی راهبًا اٰخر، فقال له مثل ما قال لصاحبه، فقال له: لیست لک توبة! فقتله ایضًا. ثم اتیٰ راهبًا اٰخر، فقال له مثل ما قال لصاحبه، فقال له: لیست لک توبة! فقتله ایضًا. ثم اتیٰ راهبًا آخر فقال له: ان الأخر لم یدع من الشر شیئًا الا عمله قد قتل مائة نفس کلها یقتل ظلما بغیر حق، فهل له من توبة؟ قال له: واللہ! لئن قلت لک ان اللہ لا یتوب

علی من تاب الیہ، لقد کذبت. ھٰھنا دیر فیہ قوم متعبدون فأتہٖ فاعبد اللہ معھم فخرج تائبًا حتیٰ اذا کان ببعض الطریق بعث اللہ الیہ ملکا قبض نفسہ، فحضرتہ ملٓئکۃ العذاب وملٓئکۃ الرحمۃ، فاختصموا فیہ فبعث اللہ الیھم ملکًا فقال لھم: الیٰ ای القریتین کان اقرب؟ فھو منھما فقاسوا ما بینھما فوجدوہ اقرب الیٰ قریۃ التوابین بقیس انملۃ فغفر لہ."

"وقال الشیخ الاکبر فی الفتوحات المکیۃ روینا من طریق ابی داوٗد عن عبداللہ بن علاء عن مغیرۃ بن قرۃ قال قام معاویۃ فی الناس یومًا فی المسجد علی باب حرض، فقال: یا ایھا الناس! انا قد رأینا الھلال یوم کذا وکذا وانا متقدم بالصوم فمن احب ان یفعل فلیفعل. فمال الیہ مالک بن ھبیرۃ فقال: یا معاویۃ! اشیٔ سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام شیٔ من رأیک؟ فقال: سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: صوموا الشھر وسررہ."

"واخرج البخاری عن حمید بن عبدالرحمٰن سمعت معاویۃ رضی اللہ عنہ خطیبًا یقول: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین، وانما انا قاسم واللہ یعطی، ولن تزال ھذہ الامۃ قائمۃ لا یضرھم من خالفھم حتیٰ یأتی امر اللہ."

"واخرج مسلم عنہ: سمعت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم یقول: انما انا خازن فمن اعطیته عن طیب نفس فیبارک له فیه، ومن اعطیته عن مسئلة وشرهٍ کان کالذی یاکل ولا یشبع."

"واخرج مسلم عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تلحفوا فی المسئلة فواللہ! لا یسألنی احد منکم فتخرج له مسئلته منی شیئًا وانا له کاره، فیبارک له فی ما اعطیته."

"واخرج ابوداوٗد والنسائی عن معاویة رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن رکوب النمار وعن لبس الذهب الا مقطعا." وفی روایة لهما عنه مرفوعًا: "لا ترکبوا الخز ولا النمور."

"واخرج النسائی ان معاویة رضی اللہ عنه قال وعنده جمع من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: اتعلمون ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن لبس الذهب الا مقطعا؟ قالوا: اللهم نعم!"

"واخرج ابوداوٗد عن معاویة رضی اللہ عنه قال: یا اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم! هل تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن کذا وکذا وعن رکوب جلود النمار؟ قالوا: نعم! قال: فتعلمون انه نهیٰ ان یقرن بین الحج والعمرة؟ فقالوا: اما هذه فلا! فقال: اما انها معهن ولکنکم نسیتم."

"واخرج مسلم عن طلحة بن یحییٰ عن عمه

قال: کنت عند معاویة بن ابی سفیان فجاءه المؤذن یدعوهٔ الی الصلوة، فقال معاویة: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: المؤذنون اطول الناس اعناقا یوم القیامة.“

”واخرج مسلم عن ابی سعید قال: خرج معاویة علی حلقة فی المسجد فقال: ما اجلسکم؟ قالوا: جلسنا نذکر اللہ! قال: آللہ ما اجلسکم الا ذاک؟ قالوا: واللہ ما اجلسنا الا ذاک! قال: اَمَا انی لم استحلفکم تهمة لکم وما کان احد بمنزلتی من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اقل عنه حدیثا منی وان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خرج علیٰ حلقة من اصحابه فقال: ما اجلسکم؟ قالوا: جلسنا نذکر اللہ ونحمده علیٰ ما هدانا للاسلام ومنّ به علینا. قال: آللہ ما اجلسکم الا ذاک؟ قالوا: واللہ ما اجلسنا الا ذاک! قال: اما انی لم استحلفکم تهمة لکم ولکنه اتانی جبریل فاخبرنی ان اللہ عز وجل یباهی بکم الملٓئکة.

وقال المحدث القاضی عیاض فی الشفاء یروی ان معاویة کان یکتب بین یدیه صلی اللہ علیه وسلم فقال له: الق الدواة وحرف القلم واقم الباء وفرق السین ولا تعور المیم وحسن اللہ ومد الرحمٰن وجود الرحیم.“

التاسعة:...... کان حریصًا علی اتباع السنة، روی البغوی فی شرح السنة عن آبی مجلز ان معاویة رضی اللہ عنه خرج وعبداللہ بن عامر

وعبدالله بن الزبير جالسان، فقام ابن عامر وقعد ابن الزبير فقال معاوية: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "من سره ان يتمثل له الرجال قياما فليتبوء مقعده من النار." واخرج هذا الحديث عنه الترمذی وابوداؤد واحمد.

"واخرج ابو داؤد والترمذی عن عمرو بن مرة انه قال لمعاوية سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم يقول: من ولاه الله عز وجل شيئًا من امر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم احتجب الله عنه دون حاجته وخلته وفقره. قال: فجعل رجلا علیٰ حوائج الناس."

"واخرج البخاری عن وراد كاتب المغيرة بن شعبة ان معاوية (رضی الله عنه) كتب الی المغيرة: ان اكتب الیّ بحديث سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم. قال: فكتب اليه المغيرة: انی سمعته يقول عند انصرافه من الصلوة: "لا اله الا الله وحده لا شريک لهٗ له الملک وله الحمد وهو علیٰ كل شئ قدير." قال: وكان ينهیٰ عن قيل وقال وكثرة السؤال واضاعة المال ومنع وهات وعقوق الامهات ووأد البنات."

"واخرج الترمذی ان معاوية كتب الیٰ عائشة ام المؤمنين رضی الله عنها، ان اكتبی الیّ كتابا توصينی فيه ولا تكثری علی. فكتبت عائشة رضی الله عنها الی معاوية: سلام عليک اما بعد! فانی سمعت رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من التمس رضاء اللہ بسخط
الناس کفاہ اللہ مؤنۃ الناس، ومن التمس رضاء الناس
بسخط اللہ وکّلہ اللہ الی الناس. والسلام علیک!"

"واخرج الترمذی وابوداوٗد عن سلیم بن عامرٍ
یقول: کان بین معاویۃ وبین اھل الروم عھد وکان یسیر
فی بلادھم حتیٰ اذا انقضی العھد اغار علیھم فاذا رجل
علیٰ دابۃ او علی فرس وھو یقول: اللہ اکبر! وفاء لا
غدر! فنظروا فاذا ھو عمرو بن عنبسۃ، فسألہ معاویۃ
عن ذالک، فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یقول: من کان بینہ وبین قوم عھد فلا یحلن عھدا
ولا یشدنہ حتیٰ یمضیٰ امدہ او ینبذ الیھم علی سواء.
قال فرجع معاویۃ رضی اللہ عنہ بالناس."

ومن شدۃ حبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما ذکرہ القاضی عیاض
فی الشفاء ان عابس بن ربیعۃ لما دخل علی معاویۃ من باب الدار قام من
سریرہ وتلقاہ وقبل بین عینیہ واقطعہ المرغاب (نھر بمرو) لشبھہ صورۃ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

العاشرۃ:...... کان یأمر الناس باتباع الحدیث وینھاھم عن
مخالفتہ. قال الامام ابن حجر العسقلانی: کان اذا اتی المدینۃ وسمع من
فقھائھا شیئًا یخالف السنۃ قال لاھل المدینۃ: این علماءکم؟ سمعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کذا، ورأیتہ یفعل کذا.

"واخرج البخاری عنہ قال: انکم لتصلون
صلاۃ لقد صحبنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فما رأیناہ

يصليها ولقد نهى عنهما يعنى الركعتين بعد العصر."

"واخرج مسلم عن عمرو بن عطاء قال: ان نافع بن جبير ارسله الى السائب بن اخت نمر يسأله عن شئ رأه منه معاوية فى الصلاة، فقال: نعم! صليت معه الجمعة فى المقصورة فلما سلم الامام قمت فى مقامى فصليت فلما دخل ارسل الى فقال: لا تعد لما فعلت اذا صليت الجمعة فلا تصلها بصلاة حتىٰ تتكلم او تخرج. فان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرنا بذالک ان لا نوصل صلوٰة بصلوٰة حتىٰ نتكلم او نخرج."

"واخرج مسلم عن معاوية رضى الله عنه: "اياكم والاحاديث الا حديثا كان فى عهد عمر، فان عمر كان يخيف الناس فى الله عز وجل." قال الشارح النهى عن الاكثار من الاحاديث بغير تثبت لما شاع فى زمنه من التحدث عن اهل الكتاب وما وجد فى كتبهم حين فتحت بلدانهم وامرهم بالرجوع فى الاحاديث الى ما كان فى زمن عمر وضطبه الامر وشدته فيه وخوف الناس سطوته ومنعه الناس من مسارعتهم الى الاحاديث وطلبه الشهادة علىٰ ذالک حتىٰ استقرت الاحاديث واشتهرت السنن."

"واخرج البخارى عن محمد بن جبير بن مطعم يحدث انه بلغ معاوية رضى الله عنه وهم عنده فى وفد من قريش ان عبدالله بن عمرو يحدث انه سيكون

ملک من قحطان فغضب فقام فاثنی علی اللہ بما هو
اهله، ثم قال اما بعد! فانه بلغنی ان رجالا منکم یحدثون
احادیث لیست فی کتاب اللہ ولا تؤثر عن رسول اللہ
صلی اللہ علیه وسلم واولئک جهالکم فایاکم والامانی
التی تضل اهلها، فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه
وسلم یقول: ان هذا الامر فی قریش لا یعادیهم احد الا
کبه اللہ علیٰ وجهه ما اقاموا الدین."

الحادیة عشرة:...... تبعه کثیر من الصحابة الکرام کعمرو بن
العاص وابنه عبداللہ الزاهد ومعاویة بن خدیج وغیرهم رضی اللہ عنهم.

الثانیة عشرة:...... ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه استخلفه
علی الشام مع انه کان شدید التحری فی صلاح الامراء وفسادهم واقره
عثمان فلم ینزله.

الثالثة عشرة:...... ان الفقهاء یعتمدون علی اجتهاده ویذکرون
مذهبه کسائر الصحابة کقولهم: ذهب معاذ بن جبل ومعاویة وسعید بن
المسیب الی ان المسلم یرث الکافر. وقولهم عن معاویة: کان المعراج
رؤیا صالحة کما روی عن عائشة. وقولهم روی الاستلام الرکنین
الیمانیین عن الحسن او الحسین وصح عن معاویة.

الرابعة عشرة:...... تسلیم الحسن بن علی الخلافة الیه مع ان معه
اکثر من اربعین الفا بایعوه علی الموت فلو لم یکن اهلا لها لما سلمها
السبط الطیب الیه ویحاربه کما حاربه ابوه رضی اللہ عنهم وعن اولادهم،
وسیأتی تفصیله.

الخامسة عشرة:...... ان کان یتأدب الی الحسن ویخدمه ویروی

فضائل اهل البیت فهذا یدل علی ایثاره الحق مع المنازعة والمخاصمة التی سبقت بقدر الحق سبحانه.

"واخرج احمد عن معاویة رضی الله عنه قال:
کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یمص لسان الحسن وشفتیه وانه لن یعذب الله لسانا او شفة مصها رسول الله صلی الله علیه وسلم. وذکر القاری الهروی فی شرح المشکوٰة عن عبدالله بن بریدة ان الحسن دخل علیٰ معاویة رضی الله عنه فقال: لاجیزنک بجائزة لم اجز بها احدًا قبلک، ولا اجیز بها احدًا بعدک، فاجازه باربع مائة الف فقبلها."

"واخرج احمد ان رجلًا سأل معاویة عن مسئلۃ فقال اسأل عنها علیا، فهو اعلم. فقال: یا امیر المؤمنین جوابک فیها احب الیّ من جواب علی! قال: بئسما قلت لقد کرهت رجلًا کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یعزه بالعلم عزا ولقد قال له: انت منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی. وکان عمر رضی الله عنه اذا اشکل علیه شئ اخذ منه. واخرجه اٰخرون بنحوه، وزاد بعضهم قم لا اقام الله رجلیک ومحا اسمه من الدیوان ولقد کان عمر یسأله ویأخذ عنه، ولقد شهدته اذا اشکل علیه قال هٰهنا علی رضی الله عنه."

روی الامام المستغفری باسناده الیٰ عقبة بن عامر قال کنت

امشی مع معاویة فقال: واللہ! ما علی الارض رجل احب الیّ من علیّ بن ابی طالب قبل الذی کان بینی وبینه، وانی لاعلم انه یملک من ولده من هو خیر اهل الارض فی زمانه وان له اسما فی السماء یعرفه به اهل السماء وان له علامة یکون فی زمانه الخصب ویمیت الباطل ویحیی الحق وهو زمان الصالحین یرفعون رؤسهم وینظرونه.

”واخرج الحاکم وابن النجاری عن هشام بن محمد عن ابیه قال: کان عطاء الحسن بن علی من معاویة مائة الف فی کل سنة، فحبسها عنه فی احد السنین فاضاق اضاقةً شدیدة قال فدعوت بدواة لاکتب الیٰ معاویة لاذکره نفسی ثم امسکت، فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی المنام، فقال لی: کیف انت یا حسن؟ قلت: بخیر یا ابت وشکوت الیه تاخر المال عنی. قال: ادعوت بدواة لتکتب الیٰ مخلوق مثلک لتذکره ذالک؟ قلت: نعم یا رسول اللہ! فکیف اصنع؟ قال: قل: اَللّٰهُمَّ اقْذِفْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَاءَکَ وَاقْطَعْ رَجَاءِیْ عَمَّنْ سِوَاکَ حَتّٰی لَا اَرْجُوْ اَحَدًا غَیْرَکَ، اَللّٰهُمَّ وَمَا ضَعُفَتْ عَنْهُ قُوَّتِیْ وَقَصُرَ عَنْهُ عَمَلِیْ وَلَمْ تَنْتَهِ اِلَیْهِ رَغْبَتِیْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْأَلَتِیْ وَلَمْ یَجْرِ عَلٰی لِسَانِیْ مِمَّا اَعْطَیْتَ اَحَدًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ مِنَ الْیَقِیْنِ فَخُصَّنِیْ بِهٖ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ. قال: فواللہ! ما الححت به اسبوعًا حتیٰ اتیٰ معاویة بالف الف وخمسمائة الف فقلت الحمد للہ الذی لا ینسیٰ من

ذکرہ ولا یخیب من دعاہ، فرأیت النبی صلی اللہ علیہ
وسلم فی المنام، فقال: یا حسن! کیف انت؟
قلت: بخیر یا رسول اللہ! وحدثتہ بحدیثی، فقال: یا بنی
ھکذا من رجاء الخالق ولم یرج المخلوقین۔"

وذکر محمد بن محمود الأملی فی نفائس الفنون انہ ذکر علی رضی اللہ عنہ عند معاویۃ فقال کان علیؓ واللہ کاللیث اذا دعا، وکالبدر اذا بدا وکالمطر اذا عدا، فقال لہ بعض من حضر انت افضل ام علیؓ؟ فقال: خطوط من علیؓ خیر من اٰل ابی سفیان۔ فقیل: لم حاربتہ؟ قال: الملک عقیم! ثم قال: من انشأ شعرًا فِی مِدحِ علیؓ کما یلیق بہ اعطیتہ بکل بیتٍ الف دینار، فانشأ من حضر ومعاویۃ یقولَ: علیؓ افضل منہ فانشأ عمرو بن العاص ابیاتا حتی بلغ قولہ:

هو النبأ العظیم وفلک نوحٍ
وباب اللہ وانقطع الخطاب

فاستحسنہ معاویۃ واعطاہ سبعۃ اٰلاف دینار، انتھیٰ۔

وفی الصواعق قال معاویۃ لضرار بن حمزۃ صف لی علیًا فقال: اعفنی! فقال: اقسمت علیک! فقال: کان علیؓ واللہ بعید المدیٰ، شدید القویٰ، یقول فصلا، ویحکم عدلًا، ینفجر العلم من جوانبہ، وینطق الحکمۃ علیٰ لسانہ، یستوحش من الدنیا وزھرتھا، ویانس باللیل ووحشتہ، وکان غزیر الدمعۃ، طویل الفکرۃ، یعجبہ من اللباس ما قصر، ومن الطعام ما خشن، وکان فینا کاحدنا یجیبنا اذا سألناہ، ویأتینا اذا دعوناہ، ونحن واللہ! مع تقریبہ ایانا وقربہ منا لا نکاد نکلمہ ھیبۃ لہ، یعظم اھل الدین، ویقرب المساکین، لا یطمع القویّ فی باطلہ، ولا ییٔس

الضعيف من عدله، واشتهر لقد رأيته فی بعض مواقفه وقد ارخی اللیل سدد له وغارت نجومه قابضا علیٰ لحيته يتململ تململ السليم، ويبکیٰ بکاء الحزين، ويقول يا دنيا! غری غيری الی التشوق، هيهات هيهات وقد باينتک ثلاثا لا رجعت فيها، فعمرک قصير، وخطرک کثير، اٰه! اٰه! من قلة الزاد، وبُعد السفر، ووحشة الطريق. فبکیٰ معاوية وقال: رحم الله ابا حسن! کان والله! کذالک.

السادسة عشرة:...... ان رجـلًا جاء عند الخليفة الراشد عمر بن عبدالعزيز، فقال: "امير المؤمنين يزيد" فضربه بالسوط، ووقع اٰخر فی معاوية فضربه بالسوط.

السابعة عشرة:...... ان ابن عساکر روی بسند ضعيف عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: کنت عند النبی صلی الله عليه وسلم وعنده ابوبکر وعمر وعثمان ومعاوية اذا قبل علیّ فقال النبی صلی الله عليه وسلم لمعاوية: "اتحبّ عليّا؟" قال: نعم! قال: "انها ستکون بينکم هنيهة." قال معاوية: فما بعد ذالک يا رسول الله؟ قال: "عفو الله ورضوانه!" قال: رضينا بقضاء الله، فعند ذالک نزلت: "وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ."

الثامنة عشر:...... قوله صلی الله عليه وسلم فی الحسن بن علی: "لعل الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين." رواه البخاری وسيأتی تفصيله.

التاسعة عشرة:...... قوله صلی الله عليه وسلم: "اول من يبدل سنتی رجل من بنی امية يقال له يزيد." رواه الرؤيانی فی مسنده من حديث ابی الدرداء.

اخرج ابو علی بسند ضعیف عن ابی عبیدة مرفوعًا: "لا یزال امر امتی قائما بالقسط حتی یکون اول من یثلمه رجل من بنیٰ امیة یقال له یزید." فیدل علیٰ ان معاویة لم یخالف السنة.

"وعن ابی هریرة رضی اللہ عنه مرفوعًا: تعوذوا باللہ من رأس السبعین وامارة الصبیان." رواہ احمد اراد تاریخ الهجرة او الوفاة وامارة یزید واولاد الحکم الاموی. واشتهر فی العامة ان النبی صلی اللہ علیه وسلم رأی یزید یحمله معاویة فقال: "اهل الجنة یحمل اهل النار." ولیس بصحیح فان یزید ولد فی خلافة عثمان رضی اللہ عنه کما ذکره ابن الاثیر فی الجامع."

المکملة العشرین:...... قصة موته قال مؤلف المشکوٰة مات فی رجب بدمشق وله ثمان وسبعون سنة، وکان اصابه لقوة فی اٰخر عمره وکان یقول فی اٰخر عمره: "یا لیتنی کنت رجلًا من قریش بذی طوی ولم ار من هذا الامر شیئًا." وکان عنده ازار رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وردائه وقمیصه وشیءٍ من شعره واظفاره، فقال: "کفنونی فی قیمصه وادرجونی فی ردائه وازرونی بازاره واحشوا منخری ومواضع السجود منی وشدقی بشعره وظفره وخلوا بینی وبین ارحم الراحمین."

الحادیة والعشرون:...... قول امام الائمة مالک: من شتم احدًا من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم: ابابکر او عمر او عثمان او معاویة او عمرو بن العاص فان قال: "کانوا علی ضلال او کفر" قتل، وان شتمهم بغیر هذا من مشاتمة الناس، نکل نکالًا. کذا من الصواعق.

فصل فی ذکر الصلح وهو احد المعجزات

”عن ابی بکرة الثقفی قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المنبر والحسن بن علی الیٰ جنبہٖ وهو یقبل علی الناس مرة وعلیه اخریٰ ویقول: ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین.“

”وعنه کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی بنا وکان الحسن یجئ وهو صغیر فکان کلما سجد رسول الله صلی الله علیه وسلم وثب علی رقبته وظهره فیرفع النبی صلی الله علیه وسلم رأسه رفیقا حتی یضعه. فقالوا: یا رسول الله! رأیناک تصنع بهذا الغلام شیئًا ما رأیناک تصنعه باحد! قال: انه ریحانتی من الدنیا ان ابنی هذا سید وعسی الله انْ یصلح به بین فئتین من المسلمین. اخرجه ابن ابی حاتم واخرج احمد قریبا منه.“

”وفی جامع الاصول عن الحسن البصری قال: استقبل والله! الحسن بن علی معاویة بکتائب مثل الجبال. فقال عمرو بن العاص لمعاویة: انی لا اری کتائب لا تولی حتیٰ تقتل اقرانها. فقال له معاویة وکان والله! خیر الرجلین ای عمرو: ارأیت ان قتل هؤلاء هؤلاء وهؤلاء هؤلاء من لی بامور المسلمین، من لی

بنسائهم، من لی بضیعتهم. فبعث رجلین من قریش عبدالرحمٰن بن سمرة وعبدالله بن عامر فاتیا الحسن فدخلا علیه طلبا الیه الصلح فقال لهما الحسن بن علی: انا بنو عبدالمطلب قد اصبنا من هذا المال وان هذه الامة قد عاثت فی دمائها فصالح."

"ونقل القاری الهروی فی شرح المشکوٰة عن الذخائر قال ابوعمرو: ولما قتل علی بایع الحسن اکثر من اربعین الفا کلهم بایع اباه قبله علَی الموت وکانوا اطوع للحسن وهم ارغب فیه منهم فی ابیه، فبقی سبعة اشهر خلیفة بالعراق وما وراء النهر من خراسان، ثم سار الیٰ معاویة وسار معاویة الیه، فلما ترأی الجمعان بموضع من ارض السواء، علم ان لا یغلب احد الفئتین حتیٰ تذهب اکثر الاخریٰ فکتب الیٰ معاویة ان یسلم الامر الیه علی ان لا یطلب احدا من اهل المدینة والحجاز والعراق بشیء مما کان فی ایام ابیه، فاجابه الا انه قال غیر القیاس، فراجعه الحسن فیهم فکتب انی قد الیت انی متی ظفرت بقیس بن سعد ان اقطع لسانه ویده فراجعه الحسن انی لا ابایعک فبعث الیه معاویة ورقًا ابیض وقال: اکتب ما شئت فانا التزمته فاصطلحا واشترط الحسن ان یکون الامر له من بعده فالتزم کله معاویة."

وفی فصل الخطاب للعارف المحقق محمد بن محمد الحافظی

البخاری المعروف بخواجه محمد پارسا هو من اشد الناس حبًا لاهل البیت قال ابراهیم النخعی: لما سلّم الحسن الامر الیٰ معاویة سمیت سنة الجماعة. وقال للحسن رجل من اهل الشیعة: یا مذل المؤمنین! فقال: بل انا معز المؤمنین. سمعت ابی علیًا کرم الله وجهه یقول: لا تکرهوا امارة معاویة فانه سیبلی هذا الامر بعدی وان فقدتموه رأیتم الرؤس تندرئ عن حواصلها کانها الحنظل، انتهی.

"وعن معاویة مرفوعًا: یا معاویة! ان ولیت امرًا فاتق الله واعدل. فقال: فما زلت اظن انی مبتلی بعمل لقول النبی صلی الله علیه وسلم حتیٰ ابتلیت." رواه احمد والبیهقی.

نکتة:...... اذا نظرت فی قوله صلی الله علیه وسلم: "فئتین عظیمتین من المسلمین" وجدت ان کـلًا من الفئتین معظمة مکرمة ویدل علیه.

فصل فی الاجوبة عن مّطاعنه

اعلم انا لا ندعی العصمة فیه ولا فی غیره من الصحابة الکرام (رضی الله عنهم) بل هی من خواص الملـٰئکة والانبیاء کما حقق فی علم الکلام ومع هذا فکثیر ما صدر عن الانبیاء بالسهو او بالطبیعة البشریة یسمی زلة وتسمیتهٔ بترک الافضل افضل وان صدر عن احد من الصحابة ما لا یلیق فلا یبعد عن الامکان ولما تشاجروا وقع بینهم التساب والتحارب وامور یتوحش التأمل فیها الا ان مذهبنا اهل السنة والجماعة هو بذل الجهد فی تاویلها واذا لم یمکن التاویل وجب رد الروایة ووجب

السکوت وترک الطعن للفطع بان الحق سبحانه وعدهم المغفرة والحسنیٰ. وفی الحدیث ان النار لا تمسهم وقد عظم الوعید علیٰ من وقع فیهم فحسن الظن والتادب لجمیعهم واجب علی کل مسلم، فهذا مذهب السلف الصالح واهل الحدیث والاصول ونسأل الله الثبات علیه وقد وقع اکثر الناس فی مطاعن معاویة رضی الله عنه ولعل الحکمة فیه انه صدر عنه شیء فاراد الله سبحانه ان یجلب له الاعمال الصالحة ما دامت الدنیا وعسیٰ ان تکرهوا شیئًا وهو خیر لکم.

فاحد المطاعن فیه هو ان بعض المحدثین ومنهم المجد الشیرازی فی سفر السعادة قالوا: لم یصح فی فضائله حدیث وکذا وعنوان البخاری، حدیث ابن ابی ملیکة بقوله ذکر معاویة لا بالمناقب والفضل کما فعل فی غیره.

والجواب:...... انه مر حدیثان احدهما من مسند احمد والأخر من سنن الترمذی فان ارید بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود، لما مر بین المحدثین فلا ضیر فان فسحتها ضیقة وعامة الاحکام والفضائل انما تثبت بالاحادیث الحسان لعزة الصحاح ولا ینحط ما فی المسند والسنن عن درجة الحسن وقد تقرر فی فن الحدیث جواز العمل بالحدیث الضعیف فی الفضائل فضـلًا عن الحسن وقد رأیت فی بعض الکتب المعتبرة من کلام الامام مجد الدین بن الاثیر صاحب میزان الجامع حدیث مسند احمد فی فضیلة معاویة صحیح الا انی لا استحضر الکتاب فی الوقت ولم ینصف الشیخ عبدالحق الدهلوی فی شرح سفر السعادة فانه اقر کلام المصنف ولم یتعقبه کتعقبه علیٰ سائر تعصباته.

واما الجواب عما فعله البخاری فانه تفنن فی الکلام فانه فعل کذا

فی اسامة بن زید وعبداللہ بن سلام وجبیر بن مطعم بن عبداللہ فذکر لهم فضائل جلیلة معنونة بالذکر.

الثانی:...... اخرج مسلم عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: کنت العب مع الصبیان فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فتواریت خلف باب، قال: فجاء فحطانی حطؤة وقال: "اذهب وادع لی معاویة." قال: فجئت فقلت: هو یأکل! قال: ثم قال لی: "اذهب وادع لی معاویة." قال: فجئت فقلت: هو یأکل! فقال: "لا اشبع اللہ بطنه."

والجواب:...... انها کلمة جرت علی عادة العرب نحو: قاتله اللہ، ما اکرمه، ویل امه وابیه. ما اجوده مما لا یراد معناه ولو سلم فیجعلها اللہ له سبحانه رحمة وقربة کما صح فی الحدیث وقد اورد مسلم فی کتابه الصحیح بابا فقال: باب من لعنه النبی صلی اللہ علیه وسلم او سبه او دعا علیه ولیس هو اهل ذالک کان له زکوٰة واجرا ورحمة، واورد فیه الحدیث المذکور.

> "واخرج فیه عن عائشة رضی اللہ عنها مرفوعًا: او ما علمت ما شارطت علیه ربی قلت: اللّٰهم انما انا بشر فایّ المسلمین لعنته او سببته فاجعله له زکوٰة واجرا."
>
> "واخرج ایضًا عن ابی هریرة رضی اللہ عنه مرفوعًا: اللّٰهم انی اتخذ عندک عهدًا لن تخلفنیه، فانما انا بشر فای المسلمین اٰذیته، شتمته، لعنته، جلدته فاجعلها له صلوٰة وزکوٰة وقربة تقربه بها الیک یوم القیامة." وفی روایة بزیادة: "اللّٰهم انما محمد بشر

يغضب كما يغضب البشر."

"واخرج ايضًا عن انس رضى الله عنه مرفوعًا: انى اشترطت علىٰ ربى فقلت: انما انا بشر ارضىٰ كما يرضى البشر واغضب كما يغضب البشر، فايما احد دعوت عليه من امتى بدعوة ليس لها باهل ان تجعلها له طهورًا وزكوٰة وقربة تقربه بها منه يوم القيامة." انتهى. وقد فعل الله سبحانه بمعاوية هٰكذا فجعل يملك الارض وهذا غاية الشبع.

الثالث:...... "اخرج الترمذى عن يوسف بن سعد قال: قام رجل الى الحسن بن علىّ بعد ما بايع معاوية فقال: سودت وجوه المؤمنين، او يا مسود وجوه المؤمنين. فقال: لا تؤنبنى رحمک الله! فان النبى صلى الله عليه وسلم ارى بنى امية علىٰ منبره فساءهٗ ذالک فنزلت انا اعطينک الكوثر يا محمد، يعنى نهرا فى الجنة ونزلت انا انزلنٰه فى ليلة القدر الىٰ قوله خير من الف شهر. يملكها بعدک بنو امية يا محمد. قال القاسم: فعددناها فاذا هى الف شهر لا تزيد يوما ولا تنقص، انتهى. قال الامام ابن الاثير فى الجامع: هى ثلاث وثمانون سنة واربعة اشهر وبيعة الحسن لمعاوية علىٰ رأس ثلاثين سنة من وفاة النبى صلى الله عليه وسلم، وانقضاء دولتهم علىٰ يد ابى مسلم الخراسانى فذالک اثنان وتسعون سنة يسقط منها خلافة ابن

الزبیر ثمان سنین وثمانیة اشهر فبقی الف شهر."

"وعن عمران بن حصین قال: مات النبی صلی
الله علیه وسلم وهو یکره ثلاثة احیاء ثقیفًا وبنی حنیفة
وبنی امیة." اخرجه الترمذی.

والجواب:...... لیس المقصود ذم بنی امیة مطلقًا فان منهم عثمان بن عفان والخلیفة الراشد عمر بن عبدالعزیز وکلاهما امام الهدی باجماع اهل السنة وانما ساءه ما صدر عن یزید بن معاویة وعبیدالله بن زیاد وبنی مروان بن الحکم من مخالفة السنة وایذاء الصحابة والعترة المطهرة ومقصود الحسن رضی الله عنه ان هذا الامر صائر الیٰ بنی امیة وان ما عند الله خیر لاهل بیت النبوة.

الرابع:......"اخرج مسلم عن سعد بن ابی
وقاص قال: امر معاویة بن ابی سفیان سعدًا فقال: ما
منعک ان تسب ابا التراب؟ فقال: اما ما ذکرت ثلٰثًا
قالهن لهٗ رسول الله صلی الله علیه وسلم فلن اسبه.
فذکر قوله: "ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ،
الا انه لا نبوة بعدی." وقوله یوم خیبر: "لاعطین الرایة
رجلًا یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله." وانه لما
نزلت اٰیة المباهلة دعا علیًا وفاطمة وحسنًا وحسینًا
فقال: "اللّٰهم هؤلاء اهلی....انتهیٰ." ملخصًا ولا
شک ان الامر بسب علی خطیئة فاحشة."

والجواب:...... ذکر فی شرح صحیح مسلم یجب تاویله اما بان المراد بالسب اظهار خطا اجتهاده وصواب اجتهادنا واما بانه سمع قومًا

يسبونه فاراد كفهم عن سبه باظهار فضله علىٰ لسان سعد واما بانه ليس فيه الامر بل سوال من السبب المانع عنه وتكنيه رضى الله عنه بابى تراب ليس طعنا فانه كان يجب ان يكنى به.

الخامس:...... ظهور البدع فى عهده وعنه ففى شرح الوقاية رد اليمين على المدعى بدعة واول من قضىٰ به معاوية رضى الله عنه، وقال السيوطى: انه اول من اتخذ الخصيان خدما واول من استخلف ابنه.

والجواب:...... انه مجتهد بشهادة ابن عباس رضى الله عنهما والله سبحانه اعلم بالصواب والخطأ واوصى لابنه احسانًا باهل البيت فلم يوف ولو كان الحسن بن على حيا سلم الامر اليه كما كان معهودًا.

السادس:...... انه امر بسم الحسن بن على رضى الله عنه.

والجواب:...... انه بهتان عظيم وخرافات المؤرخين مما لا يعتمد عليها.

السابع:...... ما ذكره التفتازانى فى شرح التلخيص ان معاوية رضى الله عنه كان مريضا فدخل عليه الحسن بن على يعوده فجلس فانشد الحسن:

وتجلدى للشامتين أُريهم
انى لريب الدهر لا اتضعضع
واذا المنية انشبت اظفارها
الفيت كلّ تميمة لا تنفع

والجواب:...... ان الرواية غير صحيحة، ولو سلمت فليس فيها تصريح بارادته الحسن.

الثامن:...... انه استبشر لوفاة الحسن وذكر ابن خلكان فى

تاریخه ان ابن عباس دخل علیه یومئذ فقال: حدث فی اهل بیتک امر عظیم! قال: لا ادری الا انی اراک مستبشرًا.

الجواب:...... ان المؤرخین حطبة اللیل ولو سلم فلعل استبشاره لامر اٰخر.

التاسع:...... قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعمار: "تقتلک الفئة الباغیة." رواه مسلم.

والجواب:...... ان اهل السنة اجمعوا علیٰ ان من خرج علیٰ علیّ کرم اللہ وجهه خارج علی الامام الحق الا ان هذا البغی الاجتهادی معفو عنه، وذکر القاری فی شرح المشکوٰة انه روی ان معاویة کان یؤول الحدیث نحن الفئة الطالبة لدم عثمان رضی اللہ عنه.

العاشر:...... قول علی رضی اللہ عنه فی الصفین ما رضی احد اخیر ان تعدلوا وصیة والا ..... واللعین والا ..... زعم القاضی المیبذی فی شرح دیوانه ان الا بتر معاویة وایده بالحدیث المذکور فی سبب نزول سورة الکوثر والا ......

والجواب:...... ان نسبة الدیوان الیه تعتضد باسناد الشیعة مشهورة بالوضع والتحریف ولو سلم ولا نسلم انه اراد ما ذکره الشارح فلا حجة فیه علیٰ جواز سبهما لغیره، ومثل القاضی الشارح بانه یجوز للخلیفة ان یشتم للتعزیر من لا یجوز شتمه لغیره وبالجملة اذا وقع بینهم الطعن بالسنان فالطعن باللسان اسهل منه الا انه لا یجوز لغیرهم والاخوان یتسابون ولا یجوز للاجنبی سب بعضهم وظهر به جواب کثیر من المطاعن، منها قول الزمخشری عفا اللہ عنه فی الکشاف وان عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت قال:

الا بلغ معاوية بن حرب
امير الظالمين بنا كلامى

عليٰ انه ممّن لا يعرف الثابت من الموضوع واورد من الحديث في تفسيره ما لا شك في بطلانه والاعتزال والرفض من واد واحد.
ومنها ما اخرج مسلم في صحيحه عن عبدالرحمٰن بن عبد رب الكعبة وهو كلام طويل وملخصه انه سمع عبدالله بن عمرو بن العاص يحدث في ظل الكعبة مرفوعًا من حملة ان يضرب الحار على الانام فقال له: هذا ابن عمك معاوية يأمرنا ان ناكل اموالنا بيننا بالباطل ونقتل انفسنا فسكت ساعة ثم قال: اطعه في طاعة الله واعصه في معصية الله ومقصود السائل تخطيته في اجتهاده في حرب على كرم الله وجهه وانفاق الاموال عليه.

الحادى عشر:...... ذكره غير واحد من ان اهل الشام سألوا المحدث الجليل ابا عبدالرحمٰن احمد النسائى ان يحدثهم حديثا في فضل معاوية، فقال: لا اعلم الا لا اشبع الله بطنه. وفي رواية اما يرضىٰ معاوية بان يكون رأسا برأس ويطلب الفضل فضربوه حتى اعتل ومات.

والجواب:...... انهم سألوه ان يفضلوه عليٰ عليّ كرم الله وجهه فغضب من سوء ادبهم وقد احسن الا انه جاوز الحد فتكلم بما يتوهم طعنا على الصحابي والبشر قد يخطئ ويمكن ان يقال انه اراد مدحه، لما مرّ من ان مثل هذه الكلمة زكوٰة واجر ورحمة الا انهم لم يفهموا او انكروا عدم تفضيل معاوية عليٰ على رضى الله عنهما فضربوه جهلًا منهم.

الثانى عشر:...... انه كثر في الاحاديث الصحيحة والحسان الوعيد الشديد عليٰ من ابغض عليًّا او حاربه.

والجواب:...... انه حاربه من هو مقطوعٌ بالجنة كعائشة وطلحة

والزبیر رضوان علیهم اجمعین فوجب جمل احادیث الوعید علیٰ غیر الصحابة کالحروریة او تخصیصها بمن هو متعصب غیر مجتهد.

الثالث عشر:...... حدیث ثلاثین سنة فعن سفینة مولی النبی صلی الله علیه وسلم مرفوعًا: "الخلافة ثلاثون عاما ثم یکون بعد ذالک ملکا."
قال: سفینة امسک خلافة ابی بکر سنتین، وخلافة عمر عشر سنین، وخلافة عثمان اثنی عشر سنة وخلافة علی ست سنین. اخرجه احمد والترمذی وابوداوٗد والنسائی، وفی روایة لاحمد والترمذی وابی یعلیٰ وابن حبان: "الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملکا بعد ذالک."

واخرج البخاری فی التاریخ والحاکم عن ابی هریرة: "الخلافة بالمدینة والملک بالشام."

والجواب:...... لیس المراد نفی الخلافة بعد ثلاثین مطلقًا لصحة حدیث اثنی عشر خلیفة بل الخلافة الکاملة بلا شائبة مخالفة السنة المستمرة بلا تخلل انقطاع ونحن نعترف بان معاویة رضی الله عنه وان کان عالما ورعا عدلا دون الخلفاء الاربعة فی العلم والورع والعدل کما تری من التفاوت بین الاولیاء بل الملٓئکة والانبیاء فامارته وان کانت صحیحة باجماع الصحابة وتسلیم الحسن الا انها لیست علیٰ منهاج خلافة من قبله فانه توسّع فی المباحات وتحرز عنها الخلفاء الاربعة وحسنات الابرار سیاٰت المقربین ولعل توسعه فیها لقصورهمم سائر ابنٓاء الزمان وان لم یوجد فیه ذالک کما علمت واما رجحان الخلفاء الاربعة فی العبادات والمعاملات فظاهر مما لا سترة فیه.

فصل فی ذکر عمرو بن عاص رضی اللّٰہ عنہ

یکنی ابا عبداللہ وابا محمد، وکان وزیرا لمعاویۃ.

"اخرج الترمذی وقال غریب لیس اسنادہ بالقوی عن عتبۃ بن عمرو بن العاص مرفوعًا: "اسلم الناس وآمن عمرو بن العاص." ای اسلم قریش یوم الفتح ھیبۃ وآمن عمرو رغبۃ قبل الفتح بسنۃ او سنتین. قال ابن الملک: وقع الاسلام فی قلبہ فی الحبشۃ حین اعترف النجاشی بنبوتہ فاقبل الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنًا من غیر ان یدعوہ احد الیہ فجاء المدینۃ فآمن وقال الذھبی قدم مھاجرا ھو وخالد وعثمان بن طلحۃ فی صفر سنۃ ثمان روی عنہ ابنہ عبداللہ ومولاہ ابوقیس وقیس بن ابی حازم وابو عثمان النھدی وقبیصۃ بن ذویب وابو مرۃ مولیٰ عقیل وعبدالرحمٰن بن شماسۃ وعروۃ بن الزبیر وآخرون وامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ ذات السلاسل."

"وعن ابراھیم النخعی قال عقد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لواء لعمرو علیٰ ابی بکر وعمر (رضی اللہ عنھما) وغیرھما وھذا ازالۃ لوحشۃ وایناسًا لہ لانہ کان شدید العداوۃ للمسلمین."

"وفی تاریخ الذھبی قال حماد بن سلمۃ باسنادہ عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم: ابنا العاص مؤمنان عمرو وهشام. وروی عبدالجبار بن الورد عن ابن ابی ملیکة عن طلحة قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: نعم اهل البیت ابوعبدالله وام عبدالله:"

"واخرج مسلم فی صحیحه عن ابی شماسة المهری قال حضرنا عمرو بن العاص وهو فی سیاقة الموت فبکی طویلا وحول وجهه الی الجدار فجعل ابنه یقول: یا ابتاه! اما بشرک رسول الله صلی الله علیه وسلم بکذا؟ قال: فاقبل بوجهه وقال: ان افضل ما نعد شهادة ان لا اله الا الله وان محمدًا رسول الله، انی قد کنت علیٰ اطباق ثلاث لقد رأیتنی وما احد اشد بغضًا لرسول الله صلی الله علیه وسلم منی ولا احب الیّ من ان اکون قد استمکنت منه فقتلته منه، فلو مت علیٰ تلک الحال لکنت من اهل النار، فلما جعل الله الاسلام فی قلبی اتیت النبی صلی الله علیه وسلم فقلت: ابسط یمینک فلأبایعک! فبسط یمینه، قال: فقبضت یدی. قال: ما لک یا عمرو! قال: قلت: اردت ان اشترط! قال: تشترط بماذا؟ قلت: ان یغفر لی! قال: اما علمت یا عمرو! ان الاسلام یهدم ما کان قبله، وان الهجرة تهدم ما کان قبلها، وان الحج یهدم ما کان قبله. وما کان احد احب الیّ من رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا اجلّ فی عینی منه، وما کنت اطیق ان املأ عینی منه

اجلالا له، ولو سئلت عن اصفه ما اطقت لانی لم اکن
املأ عینی منه، ولو مت علیٰ تلک الحال لرجوت ان
اکون من اهل الجنة، ثم ولینا اشیاء ما ادری ما حالی
فیها فاذا انا مت فلا تصحبنی نائحة ولا نار، فاذا
دفنتمونی فسنوا علیّ التراب سنا، ثم اقیموا حول قبری
قدر ما تنحر جزور ویقسم لحمها حتیٰ استانس بکم
وانظر ماذا اراجع به رسل ربی."

"واخرج ابن عساکر من طریق ابن وهب عن
حرملة بن عمران بن سالم عن ابن عمر قال: قال رسول
الله صلی الله علیه وسلم: اللّٰهم العن ابا سفیان! اللّٰهم
العن الحارث بن هشام! اللّٰهم العن صفوان بن امیة.
فنزلت: "لیس لک من الامر شئ او یتوب علیهم او
یعذبهم." فتاب علیهم فاسلموا فحسن اسلامهم. رواه
الترمذی وحسنه. وفی جامع الاصول فقئت عین ابی
سفیان یوم الطائف فلم یزلْ اعور الیٰ یوم الیرموک
فاصاب عینه الاخریٰ فعمیت ومات سنة اربع وثلاثین،
وقیل ست، وقیل احدی وثلاثین بالمدینة وصلیٰ علیه
عثمان بن عفان رضی الله عنه ودفن بالبقیع وذکر
الزمخشری فی تفسیر قوله تعالیٰ: "عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ
بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّة." انه لما تزوج
النبی صلی الله علیه وسلم ام حبیبة بنت ابی سفیان
لانت عریکته واسترخت شکیمته."

"واخرج مسلم عن ابن عباس رضی اللہ عنھما
قال: کان المسلمون لا ینظرون الیٰ ابی سفیان ولا
یقاعدونه، فقال للنبی صلی اللہ علیه وسلم: یا نبی اللہ!
ثلاث اعطینھن. قال: نعم! قال: عندی احسن العرب
واجمله ام حبیبة بنت ابی سفیان ازوجکھا! قال: نعم!
قال: ومعاویة تجعله کاتبا بین یدیک! قال: نعم! قال:
وتؤمرنی حتیٰ اقاتل الکفار کما کنت اقاتل المسلمین!
قال: نعم!"

وفی شرح مسلم انه مشکل فان ابا سفیان اسلم سنة ثمان وتزوجھا النبی صلی اللہ علیه وسلم قبله سنة ست عند الجمھور، فقیل الحدیث وھم من بعض الرواة ویقال موضوع وھو مردود لانّ رواته ثقات وزعم ابن زمیل لو لا انه طلب ذالک من النبی صلی اللہ علیه وسلم ما اعطاه ذالک لانه لم یکن یسأل شیئًا الا قال "نعم".

فصل فی نبذ من ذکر امرأة ابی سفیان ام معاویة

قال مؤلف المشکوٰة اسلمت یوم الفتح بعد اسلام زوجھا فاقرھما رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی نکاحھما وکان لھا فصاحة وعقل فلما بایع النبی صلی اللہ علیه وسلم النساء قال لھن: "لا تشرکن باللہ شیئًا." قالت: ما رضیت بالشرک فی الجاھلیة فکیف فی الاسلام! فقال: "لا تسرقن." فقالت: ان ابا سفیان رجل شحیح. قال: "خذی من ماله ما یکفیک وولدک بالمعروف." فقال: "ولا تزنین." قالت: او تزنی الحرة! فقال: "ولا تقتلن اولادکن." قالت: فھل ترکت لنا ولدًا الا

قتلته يوم بدرٍ ربيناهم صغارًا وقتلتهم كبارًا. فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم. ماتت فی خلافة عمر رضی الله عنه يوم مات ابوقحافة روت عنها عائشة.

"اخرج البخاری فی صحيحه عن عائشة رضی الله عنها قالت: جاءت هند بنت عتبة قالت: يا رسول الله! ما كان علیٰ ظهر الارض من اهل خبأ احب الیّ ان يذلوا من اهل خبائک، ثم ما اصبح اليوم علیٰ ظهر الارض من اهل خبأ احب الیّ ان يعزوا من اهل خبائک. قال: وايضًا والذی نفسی بيده! قالت: يا رسول الله! ان ابا سفيان رجل مسيک فهل علیّ حرج ان اطعم من الذی له عيالنا؟ قال: لا اراه الا بالمعروف!" وللحديث طرق كثيرة وفی قوله: "وايضًا والذی نفسی بيده!" تصديق لها واخبار بزيادة حبها بعد ذالک ومن فهم العكس فقد وهم."

فصل فی ذكر مروان بن الحكم الاموی

اسلم ابوه يوم الفتح وكان يفشی سرَّ النبی صلی الله عليه وسلم فنفاه الی الطائف ومروان معه.

وقال القسطلانی فی شرح البخاری مروان ولد فی حياة رسول الله صلی الله عليه وسلم ولم يسمع منه وانه خرج طفلًا مع ابيه الحكم الی الطائف وكان معه حتی استخلف عثمان فرده الی المدينة، انتهیٰ ملخصا.

واقول امره مختلط عندی ومطاعنه فی التواريخ اكثر من محاسنه

والعلم عند الله فمن مطاعنه الفتنة التى بدت علىٰ ذى النورين رضى الله عنه ومنعه ان يدفن الحسن بن علی مع النبی صلی الله علیه وسلم، وقول النبی صلی الله علیه وسلم حین اتیٰ به للتحنیک هو: "الوزغ بن الوزغ، الملعون بن الملعون." رواه الحاکم فی صحیحه، ویروی انه قاتل طلحة یوم الجمل، ومن محاسنه روایة الحدیث.

قال صاحب المشکوٰة روی عن نفر من الصحابة منهم عثمان وعلی روی عنه عروة بن الزبیر وعلی بن الحسین.

قال العسقلانی فی مقدمة الفتح الباری یقال له رؤیة وان ثبتت فلا یعرج علیٰ من تکلم فیه لاجل الروایة فقد قال عروة بن الزبیر کان لا یتهم فی الحدیث.

وقد روی عنه سهل بن سعد الساعدی الصحابی اعتمادًا علی صدقه وانما نقموا انه قتل طلحة ثم شهر السیف فی طلب الخلافة حتی جریٰ ما جریٰ فاما قتل طلحة فکان بالتاویل، انتهیٰ.

"واخرج البخاری عن محمد بن بشار عن شعبة عن الحکم عن علی بن الحسین عن مروان قال: شهدت عثمان وعلیّا، وعثمان ینهیٰ عن المتعة ویجمع بینهما فلما رایٰ علیّ اهلّ بهما لبیک بعمرة وحجة. وقال: ما کنت لادع سنة النبی صلی الله علیه وسلم لقول احد." وبالجملة فالسکوت عن مطاعنه اولیٰ.

وقال بعض شراح البخاری حدیث الحاکم قربة له وزکوٰة ورحمة والله اعلم!

وقال ابن القیم رحمه الله احادیث ذم مروان موضوعة.

قال المؤلف ما قد ذكرنا فيه كفاية لاهل الانصاف والی الله المشتکی ان یتمرد المبتدع من الاعتساف وهذا وقت صلوٰة الجمعة للثالث من شهر الصیام سنة اثنین وثلاثین ومائتین والف من هجرة خیر الانام علیه وعلیٰ اٰله وصحبه افضل التحیة والسلام. واسأل الله سبحانه خاتمة الخیر وهو ولی الجود والانعام.

فضائل صحابہؓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحابہ کرامؓ معیار حق ہیں۔ حضور ﷺ سے امت کو دین پہنچانے میں صحابہ کرامؓ ہی واسطہ ہیں، کیونکہ صحابہ کرامؓ آپ کے ہر فعل کو دیکھنے والے اور ہر قول کو سننے والے ہیں، اگر العیاذ باللہ صحابہ کرامؓ کو تنقید کا نشانہ بنالیا جائے تو دین پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ یہ مسلمہ اصول ہے کہ کسی خبر کو رد کرنے کے لئے اس کے بیان کرنے والے پر جرح کردی جائے تو وہ خود قابل اعتبار نہیں رہتی اس لئے صحابہؓ پر زبان طعن و تشنیع دراز کرنے کا کسی فرد کو حق حاصل نہیں، حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع کیا اور صحابہؓ پر زبان تشنیع دراز کرنے والوں کو لعنت کا مستحق قرار دیا۔

ارشاد گرامی ہے کہ: ''میرے صحابہؓ کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکے کا ہوسکتا ہے، چنانچہ تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کردے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشر عشیر کو۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ: ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کو برا بھلا کہتے ہیں اور انہیں ہدف تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو کہ تم میں سے (یعنی صحابہؓ اور ناقدین صحابہ میں سے) جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت۔'' ظاہر ہے کہ صحابہؓ کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا۔ اس حدیث میں مقام صحابہ کی نزاکت کا احساس دلایا اور

امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون و مردود سمجھیں بلکہ برملا اس کا اظہار کریں اس اصول کے علاوہ مندرجہ ذیل اصول بھی اس حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں۔

۱:......حدیث میں ''سبّ'' سے بازاری گالیاں مراد نہیں، بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں بلکہ وہ قائل کے ملعون و مطرود ہونے کی دلیل ہے۔

۲:......آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے اور آپؐ کے قلب اطہر کو ایذا دینے میں حبط اعمال کا خطرہ ہے۔

۳:......صحابہ کرامؓ کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا ملت اسلامیہ کا فرض ہے۔

۴:......آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدین صحابہ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم سلسلہ چل نکلے گا، بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے: ''لعنة اللہ علی شرکم'' (خدا کی لعنت ہو تمہارے شر پر)۔

۵:......شرکم اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے اس میں آنحضرت ﷺ نے ناقدین صحابہ کے لئے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لئے تنقید صحابہ کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل کھلی ہے کہ صحابہؓ کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے، تم ہوا پر اڑ لو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مر کر جی لو، مگر تم سے صحابی تو نہیں بنا جا سکے گا، تم آخر وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمال جہاں آرائے محمد (ﷺ) کا دیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلمات نبوت سے مشرف ہوئے؟ ہاں وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاس مسیحائی محمدی سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے

لاؤ گے جو انوار قدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرہ محمدی سے مس ہوئے اور ساری عمر ان کی بوئے عنبریں نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیت محمدی میں آبلہ پا ہوئے، تم وہ زبان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادت دارین کی شراب طہور کے جام بھر دیئے جاتے اور تشنہ کامان محبت ''ہل من مزید'' کا نعرۂ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جو ''گویا کہ میں اللہ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔'' کا کیف پیدا کرتا ہے؟ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جس میں ''گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔'' کا سماں بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشین تخت رسالت کہاں سے لاؤ گے جس کی طرف ''یہ روشن چہرے والے تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔'' سے اشارے کئے جاتے تھے؟ تم وہ شمیم عنبر کہاں سے لاؤ گے جس کے ایک جھونکے سے مدینہ کے گلی کوچے معطر ہو جاتے تھے؟ تم وہ محبت کہاں سے لاؤ گے جو دیدار محبوب میں خواب نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی؟ تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا؟ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانہ نبوت سے ناپ ناپ کر ادا کئے جاتے تھے؟ تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینہ محمدی سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو صبغۃ اللہ کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں کے امام تھے؟ تم قدسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے؟

تم میرے صحابہؓ کو لاکھ برا کہو مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ، اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی میرے صحابہؓ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید و ملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میرے صحابہؓ کو بدنام

کرتے ہو تو کیا میرا خدا تمہیں سرِ محشر سب کے سامنے رسوا نہیں کرے گا؟ اگر تم میں انصاف و حیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہؓ کے بارے میں زبان بند کرو، اور اگر تمہارا ضمیر بالکل مسخ ہو چکا ہے تو بھری دنیا یہ فیصلہ کرے گی کہ کیا میرے صحابہؓ پر تنقید کا حق ان کپوتوں کو حاصل ہونا چاہئے؟

علامہ طیبی نے اسی حدیث کی شرح میں حضرت حسانؓ کا ایک عجیب شعر نقل کیا ہے۔

ترجمہ:...... ''کیا تو آپؐ کی ہجو کرتا ہے جب کہ تو آپؐ کے برابر کا نہیں ہے؟ پس تم دونوں میں کا بدتر تمہارے بہتر پر قربان۔''

۶:...... حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقید صحابہ کے ناقد کا نفسیاتی شر، خبث و تکبر ہے، آپ جب کسی شخص کے طرزِ عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے، اب جب کوئی شخص کسی صحابی کے بارے میں مثلاً یہ کہے گا کہ اس نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو کما حقہ ادا نہیں کیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابی کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل و انصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے، گویا ان میں صحابی سے بڑھ کر صفت عدل موجود ہے، یہ ہے تکبر کا وہ شر اور نفس کا وہ خبث جو تنقید صحابہ پر ابھارتا ہے اور آنحضرت ﷺ اسی ''شر'' کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

۷:...... حدیث میں بحث و مجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے یعنی خصم کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت! بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت، ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا چاہئے، اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں، اب رہا یہ قصہ

کہ تم دونوں میں ''برا'' کا مصداق کون ہے؟ خود ناقد؟ یا جس پر وہ تنقید کرتا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں، دونوں کے مجموعی حالات سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا صحابی برا ہوسکتا ہے یا اس کا خوش فہم ناقد؟

۸:......حدیث میں ''فقولوا'' کا خطاب امت سے ہے گویا ناقدین صحابہ کو آنحضرت ﷺ اپنی امت نہیں سمجھتے بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں، اور یہ ناقدین کے لئے شدید وعید ہے جیسا کہ بعض معاصی پر: ''فلیس مِنّا'' (ہم میں سے نہیں) کی وعید سنائی گئی ہے۔

۹:......حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو جس طرح ناموسِ شریعت کا اہتمام تھا اسی طرح ناموسِ صحابہؓ کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا، کیونکہ انہی پر سارے دین کا مدار تھا۔

۱۰:......حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدین صحابہ کی جماعت بھی ان ''مارقین'' میں سے ہے جن سے جہاد باللسان کا حکم امت کو دیا گیا ہے، یہ مضمون کئی احادیث میں صراحتاً بھی آیا ہے۔

(صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۶/اپریل ۱۹۸۲ء)

صحابہ کرامؓ سے محبت

کسی صاحب عقل و ایمان کو اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت ﷺ سے محبت و عقیدت جزو ایمان ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ ﷺ سے محبت ہو تو آپ ﷺ کے جانثاروں سے بھی تعلق خاطر ہوگا کہ ان کی محبت آپ ﷺ ہی کی محبت کا ایک شعبہ ہے۔ حضرات صحابہؓ سے نفرت و بدگمانی اور ان کی بے ادبی و تنقیص آنحضرت ﷺ کے لئے موجب ایذا ہے، یہ مسئلہ جیسا کہ عقل سے ثابت ہے، حدیث نبویؐ سے بھی ثابت ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی، اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی، اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی، لا تتخذوھم غرضا من بعدی، فمن احبھم فبحبی احبھم، و من ابغضھم فببغضی ابغضھم، و من آذاھم فقد آذانی، و من آذانی فقد آذیٰ اللہ و من آذیٰ اللہ فیوشک ان یاخذہ."

"اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں ، اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں، اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں، میرے بعد انہیں نشانہ مت بناؤ۔ پس جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر،

جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے
ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ کو ایذا دی
قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (ملعون) کو پکڑے، اور جس کو اللہ
پکڑے اس کی بدبختی کی کیا انتہا ہے؟''

کسی صحابی کو ایذا پہنچانے کی بدترین صورت یہ ہے کہ اسے بدنیت کہا جائے، سوءظن کا مستحق سمجھا جائے، اس پر طعن و ملامت کی بوچھاڑ کی جائے، بات بات میں ایسے پہلو تلاش کئے جائیں جن سے اس کے دین و دیانت پر حرف آتا ہو، اس کے متعلقین کو بدنام کیا جائے اور پھر ان تمام مزعومہ جرائم کا قرطاس ابیض شائع کر کے ہر کس و ناکس کو اس پر رائے زنی اور خردہ گیری کی دعوت دی جائے نعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ۔

چونکہ اس بارے میں آج کل بہت افراط وتفریط ہورہی ہے، اس لئے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اگر اس سلسلہ میں اکابر امت کے کچھ ارشادات نقل کئے جائیں تو کیا بعید ہے کہ ان کی برکت سے ایسے حضرات کو، جو بعض کچی پکی تحریروں کی بنا پر حضرات صحابہ کرامؓ سے سوءظن رکھتے ہیں، اصلاح کی توفیق ہوجائے، اور وہ ارشاد نبوی: ''و من آذاھم فقد آذانی'' کے وبال سے بچ سکیں۔

ذیل میں اس سلسلہ کے تین مضمون قارئین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں:

مضمون اول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (قدس سرہ) کے رسالہ ''رد روافض'' سے لیا گیا ہے۔

مضمون دوم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دو فتوے ہیں جو امداد الفتاویٰ جلد پنجم صفحہ ۳۹۴ تا ۳۹۵ سے مأخوذ ہیں۔

مضمون سوم حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (قدس سرہ) کے مکتوبات دفتر اول (۲۵۱) سے مقتبس ہے۔

پہلا مضمون گویا عقیدہ اہل حق کا مختصر متن ہے، اور دوسرا اور تیسرا اس کی مختصر ومطول شرح ہے۔ و باللہ التوفیق

مضمون اول:

"و قال امام عصره ابو ذرعة الرازی من اجل شیوخ الاسلام اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب الرسول ﷺ فاعلم انه زندیق و ذٰلک لان القرآن حق و الرسول حق و ما جاء به حق و ما ادیٰ الینا ذٰلک کله الا الصحابة رضی الله عنهم . فمن جرحهم انما اراد ابطال الکتاب و السنة...... فیکون الجرح به الصق و یحکم علیه بالزندقة و الضلالة و الکذب و العناد و هو الاقوم الاحق.

و قال سهل بن عبد العزیز التستری و ناهیک به علما و زهدا و جلالةً لم یؤمن برسول الله ﷺ من لم یؤقر اصحابه رضی الله عنهم .

سئل عبدالله بن المبارک و کفاک به جلالة وعلما...... ایهما افضل، معاویة او عمر بن عبدالعزیز؟ ...... فقال: الغبار الذی دخل انف فرس معاویة مع رسول الله ﷺ، خیر من عمر بن عبدالعزیز کذا مرة، اشار بذٰلک إلی ان فضیلة صحبته و رؤیته ﷺ لا یعدلهما شیٔ.''

''امام ابو ذرعہ رازیؒ جو اپنے وقت کے جلیل القدر شیخ الاسلام ہیں، فرماتے ہیں: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق (بد دین) ہے، اس لئے کہ قرآن حق ہے، رسول اللہ ﷺ حق ہیں ۔آپ جو دین لائے وہ حق ہے، اور یہ ساری چیزیں ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ پہنچی ہیں، پس جو شخص ان حضرات پر جرح کرتا ہے اس کا مقصد کتاب وسنت کو باطل ٹھہرانا ہے، اس لئے اس کی جرح خود اس پر چسپاں ہوگی، اور اس پر زندیق، گمراہ، جھوٹا اور معاند ہونے کا حکم کیا جائے، اور یہ فیصلہ عین حق وصواب ہے۔

حضرت سہل بن عبدالعزیز تستریؒ جو بہت بڑے عالم اور جلیل القدر ولی اللہ ہں، فرماتے ہیں، جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم نہیں کرتا سمجھ لو کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جو دین کے جلیل القدر امام ہیں ، ان سے کسی نے پوچھا: ''معاویہؓ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ'' فرمایا: ''آنحضرت ﷺ کی معیت میں جو غبار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کے گھوڑے کی ناک میں پہنچا وہ بھی عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی درجہ بہتر ہے۔'' مطلب یہ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فضائل و کمالات اپنی جگہ ہیں ــــ لیکن دنیا کی کوئی فضیلت آنحضرت ﷺ کی صحبت و دیدار کی فضیلت کی گرد راہ کو بھی نہیں چھوسکتی۔'' (رد روافض مؤلفہ امام ربانیؒ)

مضمون دوم:

''سوال: حضرت معاویہ بن ابی سفیان صحابی اند یا نہ و در فضیلت بوصف صحابیت سہیم وشریک صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ہستند یا نہ و ایشاں را بالقب حضرت و دعائے رضی اللہ عنہ یاد کردن شعار اہل سنت ست یا نہ وکسیکہ در تعظیم ایشاں تقصیرے نماید و مرد ماں را تحضیض و ترغیب بر قبائح ایشاں سازد در رافضی بودن ایں کس تامل ست یا نہ؟

الجواب: معاویہ رضی اللہ عنہ، صحابی ابن صحابی اند، در صحابیت و فضیلت اوشان کرا کلام است۔ مگر کہ رافضی باشد و بلقب حضرت و تحیۃ رضی اللہ عنہ اوشان را یاد کردن شعار اہل

سنت و جماعت است و کسیکہ در شانِ والائے ایشان طعنے یا تشنیع برزبان وقلم، شعبۂ از رفض دارد۔

قال رسول اللّٰه ﷺ : اللّٰه اللّٰه فی اصحابی لا تتخذوهم من بعدی غرضا، فمن احبهم فبحبی احبهم و من ابغضهم فببغضی ابغضهم.

و قال علیه السلام فی معاویة رضی الله عنه : اللهم اجعله هادیا مهدیا.

وآنچہ مشاجرات ومنازعات فیما بین واقع شده ایں را بر محامل صحیحہ و تاویلات مقبولہ حمل تواں کرد از حضرت غوث الثقلین قدس سرہ منقول است کہ اگر در رہ گزر حضرت معاویہ نشینم وگردسم اسپ جناب برمن افتد باعث نجات می شناسم۔

پس تعجب است کہ چنیں بزرگان دین چناں خیال فرمایند وچند کساں وناکساں زبان درازی کنند صدق من قال :

"چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد"

سوال : حضرت معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) "صحابی" ہیں یا نہیں؟ اور وصف صحابیت میں دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ شریک ہیں یا نہیں؟ اور انہیں "حضرت" کے لقب سے یاد کرنا اور ان کے نام پر "رضی اللہ عنہ" کہنا اہل سنت کا شعار ہے یا نہیں؟ اور جو شخص ان کی تعظیم

میں کوتاہی کرتا ہے اور لوگوں کے سامنے ان کی برائیاں بیان کرتا ہے، اس کے رافضی ہونے میں شک ہے یا نہیں؟

جواب: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، صحابی اور صحابی زادہ ہیں۔ ان کی صحابیت اور فضیلت میں کس کو کلام ہے؟ مگر یہ کہ رافضی ہو، انہیں ''حضرت'' کے لقب سے یاد کرنا اور ان کے اسم گرامی پر ''رضی اللہ عنہ'' کہنا اہل سنت کا شعار ہے جو شخص ان کی شان عالی میں طعن و تشنیع زبان (وقلم) پر لاتا ہے، اس میں رافضیت کا شبہ پایا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں (تین بار فرمایا) ان کو میرے بعد ہدف ملامت نہ بنالینا، جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر۔

اور آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا'' صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے مابین جو مناقشات پیدا ہوئے ان کے لئے صحیح محمل اور مناسب تاویل کی گنجائش ہے، حضرت غوث اعظم قدس سرہ سے منقول ہے کہ ''اگر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے راستے میں جا بیٹھوں اور آنجناب کے گھوڑے کی ٹاپوں سے غبار اڑ کر مجھ پر پڑے میں اس کو اپنے لئے باعث نجات سمجھوں گا''۔

تعجب ہے کہ اتنے بلند مرتبہ بزرگان دین تو ان کی خاک پا کو سرمایۂ نجات خیال کریں، اور چند کس و ناکس زبان درازی کریں؟ عارف رومیؒ نے صحیح کہا ہے: ''جب خدا کسی کے عیوب سے پردہ اٹھانا چاہتا ہے، تو اسے پاک لوگوں پر طعنہ زنی کی سوجھتی ہے۔

(ب) اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں ایک حدیث میں ہے کہ:

"لا تسبوا اصحابی ، فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم و لا نصیفه."

''میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو، کیونکہ اگر تم میں کا ایک شخص احد (پہاڑ) کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان (صحابہؓ) کے ایک سیر کو نہیں پہنچ سکتا نہ اس کے عشر عشیر کو (دوسری نیکیوں کو اسی پر قیاس کرلو)۔''

اور حدیث میں ہے:

"اکرموا اصحابی فانھم خیارکم."

(رواہ النسائی)

''میرے صحابہؓ کی عزت و اکرام کرو، وہ (تمہارے خیال میں خواہ کیسے ہی ہوں مگر) تم سے اچھے ہیں۔''

(رواہ النسائی)

اور حدیث میں ہے:

”لا تمس النار مسلما رآنی او رای من
رآنی.“ (رواہ الترمذی)

”جس مسلمان نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو
دیکھا اسے (جہنم کی) آگ نہیں چھوئے گی۔“ (رواہ الترمذی)

اور حدیث میں ہے:

”فمن احبھم فبحبی احبھم و من ابغضھم
فببغضی ابغضھم.“ (رواہ الترمذی)

”پس جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ
سے اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر۔“
(رواہ الترمذی)

اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، صحابی یقیناً ہیں اس لئے احادیث مذکورہ ان کو شامل ہوں گی۔ پس ان کا اکرام اور محبت واجب ہوگی اور ان کو برا کہنا اور ان سے بغض و نفرت رکھنا یقیناً حرام ہوگا اور ان سے جو کچھ منقول ہے بعد تسلیم صحت نقل ان اعمال پر ان کے حسنات بلکہ خود ایک وصف صحابیت غالب ہے، جیسا ارشاد نبویؐ: ”فلو ان احدکم ......الخ“ اس پر دال ہے اور اسی بنا پر ”لا تمس النار......الخ“ فرمایا ہے، پس جو وسوسہ و خطرہ بلا اختیار دل میں پیدا ہوا ہو وہ عفو ہے، اور جو عقیدہ اور تعلق اختیار سے ہو اس کی اصلاح واجب ہے، اور جو شخص بااختیار بدگمانی یا بدزبانی یا بغض و نفرت رکھے گا، لامحالہ وہ احادیث نبویہ کا مخالف اور خارج از اہل سنت و جماعت ہے، جیسا کہ کتب اہل سنت سے ظاہر ہے۔ اس لئے اس کی امامت بھی مکروہ ہے اور اختلاط بلاضرورت بھی ممنوع۔

”شرح عقائد نسفی“ میں ہے:

”فی شرح العقائد النسفیة و ما وقع بینهم من المنازعات و المحاربات فله محامل و تاویلات فسبهم و الطعن فیهم ان کان مما یخالف الادلة القطعیة فکفر، کقذف عائشة رضی الله عنها، و الا فبدعة و فسق.“

”اور صحابہ کرامؓ کے مابین جو لڑائی جھگڑے ہوئے ان میں ہر ایک کا موقف اپنی جگہ صحیح اور مبنی بر تاویل ہے، اس لئے ان پر طعن و تشنیع کرنا اگر دلائل قطعیہ کے خلاف ہو، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت دھرنا، تب تو کفر ہے، ورنہ بدعت و فسق ہے۔“ (امداد الفتاویٰ ج:۵ ص:۳۹۳،۳۹۵)

مضمون سوم:

”بدانند کہ اصحاب پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات ہمہ بزرگ اند، وہمہ را بہ بزرگی یاد باید کرد۔ خطیب از انس روایت کند کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمودہ:

ان اللّٰہ اختارنی و اختار لی اصحاباً و اختار لی منهم اصهاراً و انصاراً فمن حفظنی فیهم حفظه اللّٰہ و من آذانی فیهم آذاه اللّٰہ.

وطبرانی از ابن عباسؓ روایت کند کہ رسول فرمودہ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام: من سب اصحابی فعلیه لعنة الله و الملائکة و الناس اجمعین۔

و ابن عدی از عائشہ روایت کند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ رسول فرمودہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام : ان شرار امتی اجرأهم علی اصحابی۔

و منازعات و محاربات کہ درمیان ایشاں واقع شدہ است بر محامل نیک صرف باید کرد، و از ہوا و تعصب دور باید داشت، زیرا کہ آن مخالفات مبنی بر اجتہاد و تاویل بودہ نہ بر ہوا و ہوس، چنانکہ جمہور اہل سنت بر آنند۔

اما باید دانست کہ محار بان حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بر خطا بودہ اند وحق بجانب حضرت امیر بودہ، لیکن چوں ایں خطا، خطأ اجتہادی است از ملامت دور است و از مؤاخذہ مرفوع۔ چنانکہ شارح مواقف از آمدی نقل میکند کہ واقعات جَمل وصِفین از روئے اجتہاد بودہ۔

وشیخ ابوشکور سلمی در تمہید تصریح کردہ کہ اہل سنت و جماعت بر آنند کہ معاویہؓ با جمعے از اصحاب کہ ہمراہ او بودند بر خطا بو دند و خطائے ایشاں خطأ اجتہادی بود۔

وشیخ ابن حجر در صواعق گفتہ کہ منازعت معاویہؓ با امیرؓ از روئے اجتہاد بودہ و ایں قول را از معتقدات اہل سنت فرمودہ۔ و آنچہ شارح مواقف گفتہ کہ: بسیارے از اصحاب ما بر آنند کہ آن منازعت از روئے اجتہاد نبودہ، مراد از اصحاب کدام گروہ را داشتہ باشد؟ اہل سنت بر خلاف آن حاکم اند، چنانکہ گذشت و

کتب القوم مشحونة بالخطاء الاجتهادی کما صرح به الامام الغزالی و القاضی ابوبکر و غیرهما۔

پس تفسیق و تضلیل درحق محاربان حضرت امیر جائز نباشد، قال القاضی فی الشفا قال مالک رضی اللّٰه تعالیٰ عنه من شتم احدا من اصحاب النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و آله و سلم ابابکر او عمر او عثمان او معاویة او عمرو بن العاص رضی اللّٰه عنهم، فان قال کانوا علی ضلال و کفر قتل، و ان شتم بغیر هذا من مشاتمة الناس نکل نکالاً شدیداً، فلا یکون محاربوا علی کفرة کما زعمت الغلاة من الرفضة و لا فسقة کما زعم البعض، و نسبه شارح المواقف الی کثیر من اصحابه کیف و قد کانت الصدیقة و الطلحة و الزبیر و کثیر من الاصحاب الکرام منهم و قد قتل الطلحة و الزبیر فی قتال الجمل قبل خروج معاویة مع ثلثة عشر الفاً من القتلی، و تضلیلهم و تفسیقهم مما لا یجترأ علیه المسلم الا ان یکون فی قلبه مرض و فی باطنه خبث .

و آنچه در عبارات بعضے از فقہا لفظ جور در حق معاویہؓ واقع شدہ است و گفتہ: ”کان معاویة اماماً جائراً“ مراد از جور عدم حقیت خلافت او در زمان خلافت حضرت امیر خواہد بود، نہ

جوریکه مآلش فسق و ضلالت است، تابا قوال اہل سنت موافق باشد، مع ذالک ارباب استقامت از اتیان الفاظ موہمہ خلاف مقصود اجتناب می نمایند و زیادہ بر خطا تجویز نمی کنند۔ کیف یکون جائراً و قد صح انه کان اماماً عادلاً فی حقوق الله سبحانه و فی حقوق المسلمین کما فی الصواعق۔

و خدمت مولانا عبد الرحمٰن الجامی کہ خطا منکر گفته است، نیز زیادہ کردہ است، بر خطا ہر چہ زیادت کنند خطا است، وآنچہ بعد ازاں گفتہ است کہ: اگر او مستحق لعنت است...... الخ، نیز نامناسب گفتہ است، چہ جائے تردید است؟ وچہ محل اشتباہ؟ اگر ایں سخن درباب یزید می گفت گنجایش داشت، اما در مادۂ حضرت معاویہؓ گفتن شناعت دارد، و در احادیث نبوی باسناد ثقات آمدہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام درحق معاویہؓ دعا کردہ اند و فرمودہ اند: اللهم علمه الکتاب و الحساب و قه العذاب۔

و جائے دیگر در دعا فرمودہ اند: اللهم اجعله هادیا مهدیا۔ ودعاً آن حضرت مقبول۔

ظاہرا این سخن از مولانا بر سبیل سہو و نسیان سر برزدہ باشد، وایضاً مولانا در ہماں ابیات تصریح باسم ناکردہ گفتہ است: آن صحابی دیگر، این عبارت نیز از ناخوشی خبر میدہد: ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔

وآنچہ از امام شعبی در ذم معاویہ (رضی اللہ عنہ) نقل کردہ اند ونکوہش اورا از فسق ہم بالا گزر انیدہ اند، بہ ثبوت نہ پیوستہ است، امام اعظم کہ از تلامیذ اوست بر تقدیر صدق آن اوا حق بود بایں نقل، وامام مالک کہ از تابعین است ومعاصراو واعلم علماءٔ مدینہ شاتم معاویہ وعمرو بن العاص را بقتل حکم کردہ است، چنانچہ بالا گزشت اگر او مستحق شتم می بود چرا حکم بہ قتل شاتم او میکرد؟ پس معلوم شد کہ شتم اورا از کبائر دانستہ حکم بقتل شاتم اوکردہ، وایضاً شتم اورا در رنگ شتم ابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ ساختہ است ،چنانکہ بالا گزشت، پس معاویہؓ مستحق ذم ونکوہش نباشد۔

ای برادر معاویہؓ تنہا دریں معاملہ نیست بلکہ نصفے از اصحاب کرام کم و بیش دریں معاملہ باوے شریک اند، پس محاربان امیر اگر کفرہ یا فسقہ باشند اعتماد از شطر دین میخیزد کہ ازراہ تبلیغ ایشان بما رسیدہ است، وتجویز نکند ایں معنی را مگر زندیقی کہ مقصودش ابطال دین است۔

ای برادر منشاءٔ اثارۃ ایں فتنہ قتل حضرت عثمان است رضی اللہ تعالیٰ عنہ وطلب قصاص نمودن از قتلہٴ او طلحہ و زبیر کہ اول از مدینہ برآمدند بواسطہ تاخیر قصاص برآمدند وحضرت صدیقہ نیز بایشان درین امر موافقت نمودہ، و''جنگ جمل'' کہ در انجا سیزدہ ہزار آدم بقتل رسیدند وطلحہ و زبیر کہ از عشرہ مبشرہ اند نیز بقتل رسیدند بواسطہ تاخیر قصاص حضرت عثمان بودہ۔ (تمام

مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ ''جنگ جمل'' میں دونوں طرف کے اکابر نیک نیت تھے، دونوں فریق لڑائی کا نہیں بلکہ ''اصلاح امت'' کا مقصد لے کر نکلے تھے، قاتلین عثمانؓ نے دونوں طرف کے بزرگوں کے ذہن میں جو غلط فہمیاں پیدا کردی تھیں ان کا تصفیہ ہوچکا تھا، فتنہ کے بادل چھٹ چکے تھے، اور امت کے اتفاق و اتحاد کی منزل میں صرف ایک شب کا فاصلہ تھا۔ قاتلین عثمانؓ کا وہ سازشی ٹولہ جس کی تربیت عبداللہ بن سبا نامی ایک یہودی الاصل منافق نے کی تھی، پہلے دن سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت میں زبردستی گھسا ہوا تھا، اس موقع پر انہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی صف سے الگ ہوجانے کا حکم فرمایا، ان مفسدوں کو اتفاق امت میں اپنا مستقبل سیاہ نظر آیا، خفیہ میٹنگ بلائی، ان کے لیڈروں نے انہیں احساس دلایا کہ اگر یہ دونوں فریق متحد ہوجاتے ہیں تو تم لوگ اپنے جرم کی سزا سے کسی طرح بچ نہیں سکتے، تمہارا بچاؤ اسی میں ہے کہ فریقین کی صلح کے منصوبے کو ناممکن بنادو، چنانچہ یہ طے ہوا کہ رات کی تاریکی میں دونوں کیمپوں پر شب خون مارا جائے، تاکہ ہر فریق یہ سمجھے کہ اس کے مقابل فریق نے بدعہدی (غدر) کی ہے، یہی ہونا تھا اور یہی ہُوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جنگ سے کچھ دن پہلے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کے کسی شخص نے پوچھا تھا کہ: ہمارے اور ان کے مقتولوں کا کیا

بنے گا؟ جواب میں فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ دونوں جماعتوں کا جو شخص بھی قتل ہوگا، بشرطیکہ دل کا پاک اور نیک بندہ ہو، وہ انشاءُاللہ جنت میں جائے گا)۔

بعد ازاں معاویہؓ از شام بیرون آمدہ بایشان شریک شدہ جنگ صفین نمودند۔

امام غزالی تصریح کردہ کہ آن منازعت بر امر خلافت نبودہ بلکہ در استیفاءُ قصاص در بدءُ خلافت حضرت امیر بودہ، و شیخ ابن حجر نیز ایں معنی را از معتقدات اہل سنت گفتہ است، و شیخ ابو شکور سلمی کہ از اکابر علماءُ حنفیہ است گفتہ است کہ: منازعت معاویہؓ با امیرؓ در امر خلافت بودہ کہ پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات معاویہؓ را فرمودہ بودند: ''اذا ملکت الناس فارفق بھم'' ازانجہ معاویہؓ را طمع در خلافت پیدا شدہ بود، اما او مخطی بود درین اجتہاد، و امیرؓ محق، زیرا کہ وقت خلافت او بعد از زمان خلافت حضرت امیرؓ بودہ۔

و توفیق درمیان این دو قول آنست کہ منشاءُ منازعت تواند بود کہ تاخیر قصاص باشد بعد ازاں طمع خلافت نیز پیدا کردہ باشد، بہر تقدیر اجتہاد در محل خود واقع شدہ است اگر مخطی است یک درجہ است ومحق را دو درجہ است بلکہ دہ درجہ۔

ای برادر! طریق اسلم دریں موطن سکوت از ذکر مشاجرات اصحاب پیغمبر است علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات،

و اعراض از تذکرہ منازعات ایشان پیغمبر فرمودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام: "ایاکم و ما شجر بین اصحابی" و نیز فرمودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام: "اذا ذکر اصحابی فامسکوا"۔ و نیز فرمودہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام: اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی، اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا یعنی بترسید از خدائے عزوجل درحق اصحاب من پستر بترسید از خدا جل و علا درحق ایشاں ایشاں را نشانہ تیر خود نسازید۔

قال الشافعی و ھو منقول عن عمر ابن عبد العزیز ایضا: "تلک دماء طھر اللہ عنھا ایدینا، فلنطھر عنھا السنتنا."

ازیں عبارت مفہوم میشود کہ خطاء ایشان را ہم بر زبان نباید آورد، وغیراز ذکر خیر ایشاں نباید کرد۔

یزید بے دولت از زمرہ فَسَقَہ است، توقف درلعنت او بنا براصل مقرر اہل سنت است کہ: شخص مُعیَّن را اگرچہ کافر باشد تجویز لعنت نکردہ اند، مگر آنکہ بیقین معلوم کنند کہ ختم او بر کفر بودہ، کابی لھب الجھنمی و امرأتہ۔ نہ آنکہ او شایان لعنت نیست "ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الآخرۃ" بدانند کہ دریں زماں چوں اکثر مردم بحث امامت را پیش داشتہ ہموارہ سخن از خلافت و مخالفت اصحاب کرام علیہم الرضوان نصب عین ساختہ اندو بتقلید جَہَلَۂ ارباب تاریخ و مَرَدَۂ

اہل بدعت اکثر اصحاب کرام رانیک یادنمیکنند و امور نا مناسبہ بجناب ایشاں منتسب میسازند بضرورت شمہ ازآنچہ معلوم داشت درقید کتابت آوردہ بدوستان مرسل داشت۔

قال علیه و علیٰ آله الصلوٰة و السلام اذا ظهرت الفتن او قال البدع و سبت اصحابی فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل ذلک فعلیه لعنة اللّٰه و الملائکة و الناس اجمعین، لا یقبل اللّٰه له صرفا و لا عدلا......

پس باید کہ مدار اعتقاد را برآنچہ معتقد اہل سنت است دارند، وسخنان زید وعمرو را در گوش نیارند، مدار کار را برافسانہائے دروغ ساختن خود را ضائع کردن است، تقلید فرقۂ ناجیہ ضروریست، تا امید نجات پیدا شود، و بدونه خرط القتاد. و السلام علیکم و علی سائر من اتبع الهدیٰ و التزم متابعة المصطفیٰ علیه و علی آله الصلوٰة و السلام۔“

ترجمہ:......جاننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ(رضوان اللہ علیہم اجمعین) تمام بزرگ مرتبہ کے ہیں اور سب کو ادب وتعظیم سے یاد کرنا چاہئے۔ خطیب بغدادی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا، اور میرے

لئے میرے صحابہ کو چھانٹ کر چنا، ان میں سے بعض کو چن کر میرے ''رشتہ دار'' بنایا اور بعض کو مددگار، پس جو شخص ان کے بارے میں میرے حق کی رعایت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے گا، اور جو شخص ان کے معاملہ میں مجھے ستائے گا اللہ تعالیٰ اس کو ستائے گا۔''

امام طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''جس نے میرے صحابہؓ کو برا بھلا کہا اس پر اللہ کی اُس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔''

اور ابن عدی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو میرے صحابہؓ کے معاملے میں بے باک ہوں۔''

صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے مابین جو لڑائی جھگڑے ہوئے ان کو اچھے محمل پر محمول کرنا چاہئے، اور نفسانیت اور تعصب سے بعید سمجھنا چاہئے، کیونکہ یہ اختلافات ہوا و ہوس پر نہیں بلکہ اجتہاد و تأویل پر مبنی تھے۔ جمہور اہل سنت کا یہی مسلک ہے۔ البتہ یہ سمجھنا چاہئے کہ: جو حضرات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف صف آراء ہوئے وہ خطا پر تھے، اور حق حضرت علیؓ کی جانب تھا مگر چونکہ یہ خطا، خطائے اجتہادی ہے

اس لئے نہ اس پر (دنیوی) ملامت ہے نہ (اخروی) مؤاخذہ۔ چنانچہ شارح مواقف، امام آمدی سے نقل کرتے ہیں کہ جمل و صفین کے واقعات ازروئے اجتہاد تھے۔

شیخ ابوشکور سلمی نے ''تمہید'' میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور صحابہ کرامؓ کی جو جماعت آپ کے ساتھ تھی، یہ حضرات، حضرت علیؓ کے مقابلہ میں خطا پر تھے، اور یہ خطا اجتہادی تھی۔

شیخ ابن حجر ''صواعق محرقہ'' میں فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منازعت اجتہاد پر مبنی تھی۔ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں: ''اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے''۔ اور شارح مواقف نے جو لکھا ہے کہ '' ہمارے بہت سے اصحاب اس کے قائل ہیں کہ یہ منازعات اجتہاد کی بنا پر نہیں تھیں۔'' خدا جانے اس سے کون لوگ مراد ہیں، ورنہ اہل سنت کا فیصلہ تو اس کے خلاف ہے جیسا کہ ابھی گزرا۔ اہل سنت کی تمام کتابیں اس مضمون سے بھری پڑی ہیں کہ یہ خطا اجتہادی تھی جیسا کہ امام غزالی ،قاضی ابو بکر اور دیگر حضرات نے تصریح کی ہے۔

اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف صف آرا ہونے والے حضرات کو فاسق و گمراہ کہنا جائز نہیں۔ قاضی عیاض '' شفا'' میں لکھتے ہیں: امام مالکؒ نے فرمایا: ''جو شخص حضرات

ابو بکر، عمر، عثمان، معاویہ، عمرو بن العاص، رضی اللہ عنہم کو یا آنحضرت ﷺ کے کسی اور صحابی کو برا بھلا کہتا ہے، تو (اس میں یہ تفصیل ہے کہ) اگر وہ یہ کہتا ہے کہ یہ حضرات گمراہی اور کفر پر تھے تو اسے قتل کیا جائے گا، اور اگر اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے برا بھلا کہتا ہے، جیسا کہ عام لوگ ایک دوسرے کو کہا کرتے ہیں، تو اسے سخت تأدیب کی جائے گی"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی لڑنے والے نہ تو کافر ہیں، جیسا کہ غالی رافضیوں کا خیال ہے، نہ فاسق ہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ اور جسے شارح مواقف نے "اپنے بہت سے اصحاب" کی طرف منسوب کیا ہے، اور یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے جب کہ حضرت صدیقہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور بہت سے جلیل القدر صحابہؓ ان میں شامل ہیں اور طلحہؓ و زبیرؓ تیرہ ہزار افراد کے ساتھ جنگ جمل میں حضرت معاویہؓ کے خروج سے پہلے شہید ہوئے۔ اب ان اکابر کو "گمراہ" کہنے کی جرأت کوئی مسلمان تو نہیں کرسکتا، الا یہ کہ اس کے دل میں روگ اور باطن میں خبث ہو۔ اور بعض فقہاء کی عبارت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو لفظ "جور" واقع ہوا ہے اور کہا ہے کہ "حضرت معاویہؓ امام جائر تھے" اس سے مراد یہ ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ان کی خلافت حق نہ تھی، یہاں وہ جور مراد نہیں جس کا مآل فسق و

ضلالت ہے، (یہ تأویل اس بنا پر ضروری ہے) تاکہ یہ عبارت اقوال اہل سنت کے موافق ہوجائے۔ تاہم اہل استقامت اس قسم کے الفاظ کے استعمال سے، جن سے خلاف مقصود کا وہم ہو، اجتناب کرتے ہیں اور خطاءِ اجتہادی سے زیادہ کچھ کہنا جائز نہیں سمجھتے۔ حضرت معاویہؓ پر ''جائر'' کا اطلاق کیونکر صحیح ہوسکتا ہے جب کہ یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں امام عادل تھے، جیسا کہ ''صواعق محرقہ'' میں ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے بھی ''خطامنکر'' کہہ کر زیادتی کی ہے، خطا پر جو زیادتی کی جائے گی خطا ہوگی۔ مولانا نے اس کے بعد کہا ہے کہ ''اگر وہ مستحق لعنت ہے ......الخ، یہ بات بھی نامناسب کہی ہے یہ ''اگرمگر'' کی کونسی جگہ تھی؟ اور اشتباہ کا کونسا محل تھا؟ اگر یہ بات یزید کے حق میں کہی جاتی تو البتہ گنجائش تھی، لیکن حضرت معاویہؓ کے حق میں ایسا کہنا بڑی گھناؤنی بات ہے۔ حدیث نبوی میں ثقہ راویوں کی سند سے آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہؓ کے حق میں یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ ان کو کتاب و حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا۔''

اور دوسرے موقع پر یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔''

اور آنحضرت ﷺ کی دعا مقبول ہے۔

بظاہر یہ بات مولانا (جامی) سے سہو ونسیان (یا غلبۂ حال) کے طور پر سرزد ہوئی ہوگی۔ نیز ان اشعار میں مولانا نے نام کی تصریح نہیں کی بلکہ یہ کہا: "وہ ایک دوسرے صحابی ـــ" یہ عبارت بھی ناخوشی کا پتہ دیتی ہے۔ (اور کسی صحابی سے ناخوشی کا اظہار صریحاً خطا ہے): اے اللہ ہماری خطا ونسیان پر مؤاخذہ نہ فرما۔

امام شعبیؒ سے جو نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کی برائی کو فسق سے بھی آگے بڑھا دیا ہے، یہ نقل ثابت نہیں، اگر یہ بات صحیح ہوتی تو امام اعظمؒ جو امام شعبیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، اس نقل کے سب سے زیادہ حقدار تھے، امام مالکؒ جو تابعین میں سے ہیں (امام مالک تابعی نہیں تبع تابعین سے ہیں۔ناقلؔ) امام شعبیؒ کے معاصر ہیں اور علمائے مدینہ میں سب سے بڑے عالم ہیں، حضرت معاویہؓ وعمرو بن العاصؓ کے بارے میں زبان درازی کرنے والوں کے لئے سزائے قتل تجویز کرتے ہیں جیسا کہ اوپر گزرا، اگر یہ حضرات مستحق شتم ہوتے تو ان کی تنقیص کرنے والوں پر یہ فتویٰ کیوں دیا جاتا؟ اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ ان حضرات کی تنقیص کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر قتل شاتم صحابہ کا فتویٰ دیتے ہیں، نیز حضرت معاویہؓ کی تنقیص، حضرات خلفائے ثلاثہ کی تنقیص

کے مشابہ قرار دیتے ہیں، جیسا کہ اوپر گزرا۔ لہٰذا حضرت معاویہؓ مستحق ملامت نہیں۔

جان برادر! اس معاملہ میں حضرت معاویہؓ تنہا نہیں ہیں، بلکہ کم وبیش نصف صحابہ کرامؓ اس میں ان کے ساتھ شریک ہیں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے اگر معاذ اللہ، کافر یا فاسق تھے، تو دین کے اتنے حصہ سے جو ان حضرات کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا، اعتماد اٹھ جاتا ہے، اور اس بات کو وہی زندیق برداشت کرسکتا ہے جس کا مقصود دین کو باطل ٹھہرانا ہو۔

جان برادر! اس فتنہ کے ابھرنے کا منشا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اور قاتلین عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ تھا۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ تاخیر قصاص کی بنا پر مدینہ سے نکلے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی اس معاملہ میں ان سے موافقت کی اور جنگ جمل حضرت عثمانؓ کے قصاص میں تاخیر کی وجہ سے ہوئی جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے اور جس میں طلحہؓ و زبیرؓ بھی، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں شہید ہوئے۔

اس کے بعد حضرت معاویہؓ ملک شام سے آ کر ان کے ساتھ شریک ہوگئے اور جنگ صفین ہوئی۔

امام غزالیؒ نے تصریح کی ہے کہ (حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا یہ جھگڑا امر خلافت میں نہیں تھا بلکہ حضرت علیؓ کی خلافت کے آغاز میں قصاص طلبی کا جھگڑا تھا، شیخ ابن حجرؒ نے

اسی کو اہل سنت کا عقیدہ کہا ہے۔ شیخ ابوشکور سلمی، جو اکابر احناف میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہؓ کی منازعت دربارۂ خلافت تھی، دراصل آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہؓ سے فرمایا تھا ''جب تم لوگوں کے بادشاہ بنو تو ان سے نرمی کیجیو'' اس سے حضرت معاویہؓ یہ سمجھے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان کو خلیفہ بننا چاہئے (ان کا یہ سمجھنا بجا تھا) مگر ان سے اجتہاد میں غلطی (یہ) ہوئی (کہ) انہوں نے بعض قرائن سے یہ سمجھ لیا کہ ان کا زمانہ حضرت عثمانؓ کے بعد سے شروع ہوتا ہے (اور یہ اجتہاد صحیح نہیں تھا) کیونکہ حضرت علیؓ کی خلافت حق تھی اور خلافت معاویہؓ کا دور خلافت امیر کرم اللہ وجہہ کے بعد تھا (تو تعیین وقت میں ان سے خطا ہوئی)۔

ان دونوں اقوال میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ منازعت کا اصل منشا تو تاخیر قصاص ہوا ہو، بعد ازاں حضرت معاویہؓ کو (ارشاد نبوی کی روشنی میں) خلافت کی توقع ہوگئی ہو، بہر صورت یہ اجتہاد مقام اجتہاد میں تھا، جن صاحب سے اجتہاد میں خطا ہوئی اس کے لئے ایک درجہ ہے اور جس کا اجتہاد صحیح نکلا اس کے لئے دو بلکہ دس درجے ہیں۔

جان برادر! اس مقام میں سلامتی کی راہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی باہمی رنجشوں

سے سکوت کیا جائے، اور ان کے کسی جھگڑے کا ذکر زبان پر نہ لایا جائے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''میرے صحابہ کے اختلافات کا ذکر مت چھیڑو'' نیز فرمایا: ''جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان روک لو''۔ نیز ارشاد ہے: ''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ مت بناؤ۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں، اور یہ قول حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی منقول ہے کہ ''حق تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ ان کے خونوں سے محفوظ رکھے۔ ہمیں اپنی زبانیں بھی ان سے آلودہ نہیں کرنی چاہئیں۔''

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کی خطا کو بھی زبان پر نہ لایا جائے اور ذکر خیر کے علاوہ ان کا تذکرہ نہ کیا جائے۔

یزید بے دولت، فاسقوں کے گروہ سے ہے، اس کی لعنت سے توقف اہل سنت کے اس قاعدہ کی بنا پر ہے کہ کسی شخص پر لعنت کرنا، خواہ وہ کافر ہو، صحیح نہیں۔ البتہ جن لوگوں کے بارے میں قطعاً معلوم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ان پر لعنت جائز ہے جیسے ابولہب جہنمی اور اس کی بیوی، اس توقف کا یہ مطلب نہیں کہ یزید مستحق لعنت نہیں، ''بلاشبہ جو لوگ اللہ و رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں خدا کی لعنت'' چونکہ

اس زمانہ میں بہت سے لوگوں نے مسئلہ امامت (خلافت و ملوکیت؟) کی آڑ لے کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت ومخالفت کوموضوع بحث بنالیا ہے اور ''جاہل مؤرخین'' اور ''سرکش اہل بدعت'' کی تقلید میں اکثر صحابہ کرامؓ کو بدنام کرتے ہیں اور ان کی جناب میں نامناسب امور منسوب کرتے ہیں، اس ضرورت کی بناپر فضائل صحابہ کا کچھ حصہ لکھ کر دوستوں کو بھیجا۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''جب فتنے رونما ہوں، بدعات کوفروغ ہواور میرے صحابہ کو برا کہا جائے، تو اہل علم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہیئے۔ جس نے ایسانہیں کیا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ نہ اس کے فرض کوقبول کریں گے نہ نفل کو۔''

اس بنا پر ضروری ہے کہ اپنا اعتقاد، عقیدہ اہل سنت کے مطابق رکھیں اور زیدوعمرو (کس و ناکس) کی باتوں پر کان نہ دھریں، جھوٹے افسانوں (تاریخ کی کچی پکی باتوں) پر نظریات کی بنیاد رکھنا اپنے (ایمان) کو ضائع کرنا ہے، فرقۂ ناجیہ (اہل سنت) کی تقلید ضروری ہے تا کہ امید نجات ہو، اس کے بغیر نجات محال ہے۔ والسلام علیکم و علی سائر من اتبع الهدیٰ و التزم متابعة المصطفیٰ علیه و علیٰ آله الصلوٰة و السلام۔ (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ مکتوب ۲۵۱)

(ماہنامہ بینات ربیع الثانی۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ)

بارگاہِ نبوت سے

بدعتی کی تذلیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حافظ ابوالقاسم ابن عساکر کتاب التبیین میں شیخ سعد بن علی الاسفرائنی سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے زین القراء جمال الحرم شیخ ابوالفتح عامر بن نجا بن عامر الساری سے مکہ میں سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں ۱۴ شوال ۵۴۵ھ کو بروز اتوار ظہر اور عصر کے مابین مسجد حرام میں داخل ہوا، اعضا شکنی اور دوران سر کی وجہ سے مجھ میں بیٹھنے کی ہمت نہیں تھی، میں کسی ایسی جگہ کا متلاشی تھا جہاں ذرا سا لیٹ کر استراحت حاصل کروں، میں نے دیکھا کہ باب عروہ کے پاس رباط رامشتی کے بیت الجماعت کا دروازہ کھلا ہے۔ چنانچہ وہاں جا کر کعبہ شریف کے سامنے داہنی کروٹ پر لیٹ گیا۔ اور ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیا بایں خیال کہ نیند کی وجہ سے اعادہ وضو کی نوبت نہ آئے، اتنے میں ایک مشہور و معروف بدعتی وہاں آیا، اس نے اسی دروازے کے سامنے مصلیٰ بچھایا، جیب سے ایک چھوٹی سی تختی نکالی، جو غالباً پتھر کی تھی، اسے چوم چاٹ کر اپنے آگے رکھا اور حسب معمول ہاتھوں کو چھوڑ کر لمبی نماز شروع کر دی جب سجدے میں جاتا تو اسی تختی پر سجدہ کرتا، نماز سے فارغ ہوا تو دیر تک اس تختی پر سجدہ ریز رہا، دونوں رخسارے اس پر ملتا اور گڑگڑا کر دعا کرتا رہا، سجدے سے سر اٹھایا تو اس تختی کو پھر چوما، آنکھوں پر رکھا، اور دوبارہ چوم کر اسے جیب میں ڈال لیا، میں

نے یہ منظر دیکھا تو بڑی کراہت اور وحشت ہوئی' خیال آیا کہ کاش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہوتے تو ان لوگوں کی بدعت اور ناشائستہ حرکت کی بنا پر انہیں بیک بنی ودو گوش یہاں سے نکال دیتے۔

میں اسی سوچ میں نیند کو دفع کرنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ وضو نہ ٹوٹ جائے' اچانک مجھ پر اونگھ کا غلبہ ہوا اور بیداری اور نیند کی درمیانی حالت تھی کہ میں نے دیکھا کہ ایک وسیع میدان ہے' جس میں بہت سے لوگ کھڑے ہیں' ہر ایک کے ہاتھ میں ایک مجلد کتاب ہے اور سب لوگ ایک شخص کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں' میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا قصہ ہے؟۔ اور اس حلقہ کے اندر کون صاحب ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار عالی لگا ہوا ہے' اور یہ سب لوگ اپنے اپنے مذاہب و اعتقادات کی کتابیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کر ان کی تصحیح کرا رہے ہیں' اتنے میں اہل حلقہ میں سے ایک شخص آیا جس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی' مجھے بتایا گیا کہ یہ امام شافعیؒ ہیں' وہ حلقہ کے اندر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا' مجھے بھی حلقہ کے اندر حاضر ہونے کا موقعہ مل گیا' دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جمال و کمال کے ساتھ رونق افروز ہیں' صاف ستھرا سفید و براق لباس زیب تن ہے' عمامہ' کرتا' اور دیگر کپڑے جو اہل اللہ کا معمول ہیں۔ بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام شافعیؒ کے سلام کا جواب دیا اور انہیں خوش آمدید کہا' امام شافعیؒ نے اپنی کتاب سے اپنا عقیدہ و مذہب پڑھ کر سنایا' ان کے بعد ایک اور صاحب آئے بتایا گیا کہ یہ امام ابو حنیفہؒ ہیں' ان کے ہاتھ میں بھی کتاب تھی' حاضر ہوئے' سلام عرض کیا اور امام شافعیؒ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور اپنی کتا[illegible] سے اپنا عقیدہ و مذہب پڑھ کر سنایا' ان کے بعد ہر صاحب مذہب آیا' جو آتا اسے پہلے کے پہلو میں جگہ ملتی' یہ سب حضرات

فارغ ہوئے تو ایک بدمذہب بدعتی آیا' اس کے ہاتھ میں چند غیر مجلد کراسے تھے' جن میں ان لوگوں کے عقائد درج تھے' وہ حلقہ کے اندر جا کر اپنے عقائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا میں سے ایک شخص نکلا' اس نے اس بدمذہب کے ہاتھ سے وہ کراسے چھین کر حلقے سے باہر پھینک دیئے اور اسے بصد ذلت و رسوائی باہر دھکیل دیا۔

جب میں نے دیکھا کہ سب لوگ فارغ ہو چکے ہیں' اور اب کوئی شخص دربار عالی میں اپنی کتاب عقائد پیش نہیں کر رہا تو میں ذرا آگے بڑھا' میرے ہاتھ میں ایک مجلد کتاب تھی' میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! اس کتاب میں میرا اور اہل سنت کا عقیدہ درج ہے' آپؐ ارشاد فرمائیں تو پیش کروں؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ کون سی کتاب ہے؟ عرض کیا' یا رسول اللہ! یہ (امام) غزالی کی تصنیف "قواعد العقائد" ہے۔ فرمایا پڑھو۔ میں نے مودب بیٹھ کر پڑھنا شروع کیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

"کتاب قواعد العقائد 'وفیہ اربعة فصول' الفصل الاول فی ترجمة عقیدة اھل السنة فی کلمتی الشھادة التی ھی احد مبانی الاسلام ' فنقول وباللہ التوفیق الحمد للہ المبدی المعید الفعال لما یرید۔"

ترجمہ :"کتاب قواعد العقائد 'اس میں چار فصلیں ہیں پہلی فصل کلمہ شہادت 'لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ سے متعلق عقیدہ اہل سنت کے بیان میں 'جو اسلام کی ایک بنیاد ہے' چنانچہ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں 'جس نے پہلی بار پیدا کیا

اور جو دوبارہ پیدا کرے گا جس کی یہ شان ہے کہ جو چاہے کر ڈالے"۔

خطبہ اور عقیدہ غزالی کو پڑھتے ہوئے جب میں امام غزالیؒ کی اس عبارت پر پہنچا :

"معنى الكلمة الثانية وهى الشهادة للرسول صلى الله عليه وسلم وانه بعث النبى الامى القرشى محمداً صلى الله عليه وسلم برسالته الى كافة العرب والعجم والجن والانس فنسخ بشريعته الشرائع الا ماقرره منها ،وفضله على سائرالانبياء وجعله سيد البشر ،ومنع كمال الايمان بشهادة التوحيد وهوقول لا اله الا الله مالم تقترن بها شهادة الرسول وهوقولك محمد رسول الله والزم الخلق تصديقه فى جميع مااخبرعنه من امورالدنيا وآلاخرة ـالخ"

ترجمہ :"اور دوسرے جملہ یعنی "محمد رسول اللہ" کے معنی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی شہادت دینا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قبیلہ قریش کے نبی امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عرب و عجم اور جن و انس کی جانب رسول بنا کر بھیجا۔ ان کی شریعت سے تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا بجز ان مسائل کے جو آپؐ نے برقرار رکھے، اور تمام انبیا پر آپؐ کو فضیلت دی، اور آپؐ کو سید البشر کے مرتبہ پر فائز کیا اور یہ قرار دیا کہ جب تک کوئی شخص "لاالہ الااللہ" کے ساتھ "محمد رسول اللہ" کی شہادت نہ

دے تب تک اس کا "لاالہ الااللہ" کہنا بھی کالعدم ہے اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا و آخرت کے جن امور کی خبر دی ان کی
تصدیق کو تمام مخلوق پر لازم کیا۔ الخ"

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور چمکنے لگا' میری جانب نظر التفات ہوئی اور ارشاد فرمایا "غزالی کہاں ہیں" امام غزالیؒ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے تھے' فوراً آگے بڑھے' اور عرض کیا' یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں' یہ کہہ کر سلام کہا' آپؐ نے سلام کا جواب مرحمت فرمایا اور ان کی طرف دست مبارک بڑھایا' امام غزالیؒ آپؐ سے برکت حاصل کرنے کے لئے دست مبارک کو چومتے اور اپنے رخساروں پر ملتے رہے۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر ایسی مسرت و ابتہاج کا اظہار نہیں فرمایا جس قدر کہ میرے "قواعد العقائد" پڑھنے پر خوش ہوئے' بعد ازاں میری آنکھ کھل گئی اور ان احوال و مشاہدات اور کرامات کے اثر سے میرے آنسو بہہ رہے تھے۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ۔

(اتحاف ص ۱۶' ۱۷ جلد ۱)

(ماہنامہ بینات رجب ۱۳۹۴ھ)

کراچی کا رشدی زیڈ یو تاثیر!
کیا ہے کوئی جو اس کا قلم روکے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

کچھ عرصہ پہلے ایک شخص زیڈ یو تاثیر کو کراچی سے ''مسرت ڈائجسٹ'' کے نام سے ماہنامہ رسالہ نکالنے کا ڈیکلریشن دیا گیا، ہم نے اسی وقت پُرزور احتجاج کیا تھا، لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس رسالہ نے پچھلے سال فروری ۱۹۸۸ء کے شمارہ میں ایک مضمون شائع کیا جس میں (ص:۴۴ پر) خدا کے پاک اور معصوم پیغمبر سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی ان الفاظ میں تضحیک اور توہین کی گئی:

''اب سنئے! میں جس خاندان کا ابھی آپ سے ذکر کر رہا تھا، سات لڑکیاں ہیں وہ، اور ایک سے ایک حسین، قیامت خیز جوانی ہے، صاحب ان کی، اور دانشوروں نے کہا ہے کہ ایسی ہوش ربا جوانی فرشتوں کو بھی بہکا دے، ولی اور پیغمبر دیکھ لیں تو ان کے پائے استقلال بھی ڈگمگا جائیں، آپ حضرت یوسف علیہ السلام ہی کی مثال لے لیجئے!......''

یہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے لئے نہیں بلکہ خدا کے تمام سچے پیغمبروں کے بارے میں کہا گیا ہے، یہ تحریر اسلام کے اس بنیادی عقیدے کے خلاف ہے کہ انبیأ کرام صغیرہ، کبیرہ ہر قسم کے گناہوں اور غلطیوں سے پاک ہوتے ہیں، اس کے برخلاف قادیانیوں کا نبوت کے بارے میں تصور وہ ہے جو مرزا قادیانی نے پیش کیا، اس بدبخت ملعون (مرزا قادیانی) نے خدا کے پاک اور معصوم رسول سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھا کہ وہ کنجریوں کے ہاتھ سے عطر ملوایا کرتے اور مالش کرایا کرتے تھے، نعوذ باللہ! اس شیطان قادیانی نے یہ بھی لکھا کہ ان کی چند دادیاں اور نانیاں زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں۔

خود مرزا قادیانی کا جو کردار تھا وہ بھی اظہر من الشمس ہے، اس کے گھر میں غیر محرم عورتوں کا جمگھٹا رہتا تھا، وہ نامحرم عورتوں سے اختلاط رکھتا تھا، ٹانک وائن (ولائتی شراب) اور افیون کا رسیا تھا، نامحرم عورتوں سے ٹانگیں دبوایا کرتا تھا، وغیرہ وغیرہ، عمر بھر تک محمدی بیگم کے عشق میں مبتلا رہا، اسی عشق نے مرزا کو یہاں تک پہنچا دیا کہ ہر وقت اپنا یہ شعر گنگناتا رہتا تھا:

کسی صورت سے وہ صورت دکھا دے
بہت رویا ہوں اب مجھ کو ہنسا دے

زیڈ یوتاثیر جس کا ہم نے گزشتہ سطور میں ذکر کیا اسی مرزا قادیانی کا پیروکار ہے، مرزا اس کا آقا، یہ غلام، وہ اس کا نبی، یہ امتی، جو اس کا نظریہ وہی زیڈ یوتاثیر کا، جو اس نے لکھ دیا، وہی اس کے لئے حجت۔ زیڈ یوتاثیر نے یہ مضمون شائع کر کے نبی کے بارے میں وہی تصور پیش کیا ہے جو اس کے ''نبی'' مرزا قادیانی نے پیش کیا تھا، یہی کچھ شیطان رشدی نے لکھا ہے، تو پھر اس میں اور زیڈ یوتاثیر میں فرق کیا ہوا؟ اگر وہ یہود و نصاریٰ کا ایجنٹ ہے تو قادیانی سکہ بند یہود و نصاریٰ کے ایجنٹ ہیں، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اس کراچی کے شیطان رشدی زیڈ یو تاثیر نے فروری ۱۹۸۹ء کے شمارہ میں (ص:۵۰ پر) لکھا ہے کہ:

''امت محمدیہ میں نبوت کا دروازہ مسدود نہیں، صرف شریعت ختم ہوئی ہے، ورنہ بے شریعت والے اور قرآن اور محمد رسول اللہ کے تابع اور خادم نبی اب بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔''

اس میں حضور تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح توہین اور قرآن و سنت، اجماع صحابہؓ اور اجماع امت کی تکذیب کی گئی ہے، اس لئے کہ قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہا گیا ہے، جس کی تفسیر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے: ''لا نبی بعدی'' سے فرمائی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، ایسے میں کراچی کے شیطان رشدی زیڈ یو تاثیر کا یہ شائع کرنا کہ اب بھی نبی پیدا ہو سکتے ہیں:

۱:......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر ایک کھلا بہتان ہے۔

۲:......قرآن وسنت کی تکذیب ہے۔

۳:......جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ اٹھا تو متفقہ فیصلے کے تحت صحابہ کرامؓ نے ان سے جہاد کیا، یہ خلیفہ راشد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فیصلے کی اور چودہ سو سال سے امت محمدیہ کا اس مسئلہ پر جو اجماع چلا آ رہا ہے، اس کی تضحیک ہے۔

اس سلسلہ میں متعدد علمائے کرام کے فتاویٰ اسی شمارے میں شائع کئے جا رہے ہیں، جن میں ایسے شخص کو مرتد، زندیق اور واجب القتل قرار دیا گیا ہے، لہٰذا ہم حکومت سے پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ زیڈ یو تاثیر اور ادارہ ''مسرت ڈائجسٹ'' کے ارکان کو توہین رسالت کے جرم میں گرفتار کرکے سخت ترین سزا دی جائے اور رسالہ کا ڈیکلریشن منسوخ کیا جائے، ورنہ یہ مسئلہ ایک ملک گیر تحریک کی شکل اختیار کرسکتا ہے۔

زیڈ یوتاثیر مرتد وزندیق ہے، علماً کا فتویٰ:

محترم ومکرم جناب مفتی صاحب!

عرض یہ ہے کہ کراچی سے ''مسرت ڈائجسٹ'' نامی ایک رسالہ خواتین کے لئے شائع ہوتا ہے، مذکورہ ڈائجسٹ کا ناشر زیڈ یوتاثیر کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ قادیانی ہے، وہ ڈائجسٹ کے ذریعہ قادیانیوں کی تبلیغ کرتا ہے۔ فروری ۱۹۸۸ء کے شمارے میں ''غم خوار'' کے عنوان سے عذرا اصغر کا مضمون شائع ہوا ہے، اس میں ایک ایسا جملہ تحریر کیا گیا ہے جس سے مسلمانوں کی دل آزاری یقیناً ہوگی، ہم اس صفحے کی فوٹواسٹیٹ روانہ کر رہے ہیں، اور آنجناب سے درج ذیل سوالات کر رہے ہیں، آنجناب کا تفصیلی جواب موصول ہونے پر قانونی کاروائی کی جائے گی۔

سوالات:

۱:...... مذکورہ تحریر سے انبیأ کرام کی توہین ہوگی یا نہیں؟

۲:...... کیا یہ تحریر شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی قرار دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۳:...... کیا یہ تحریر لکھنے والی مسلمان کہلاسکتی ہے؟

۴:...... کیا اس تحریر سے مسلمانوں کی دل آزاری نہیں ہوگی؟

عبدالرحمٰن یعقوب باوا۔

ج:...... منسلکہ عبارت میں تمام انبیأ کرام علیہم السلام کی بشمول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے، صریح توہین وتنقیص کی گئی ہے، حضرات انبیأ کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، اس عبارت میں نہایت بے شرمی اور دریدہ دہنی سے انبیأ کرام اور ملائکہ کی عصمت پر حملہ کیا گیا ہے، ایسا گستاخ اور دریدہ دہن باجماع امت کافر ومرتد اور واجب القتل ہے۔

''ہدیۃ المہدیین'' میں ہے:

''اس نکتہ پر پوری امت کا اجماع ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یا انبیاؑ کرام علیہم السلام میں سے کسی نبیؑ کی شان میں بے ادبی کفر ہے، خواہ ایسا کرنے والے نے اس کو حلال سمجھ کر کیا ہو، یا ان حضرات کی عزت و احترام کا عقیدہ رکھنے کے باوجود کیا ہو، اس مسئلہ پر علماؑ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اور جن حضرات نے اس مسئلہ پر اور اس کی تفصیلات میں اجماع نقل کیا ہے، ان کی تعداد شمار سے زیادہ ہے ....(آگے اس کی چند مثالیں ذکر کر کے لکھتے ہیں) اور یہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک کے تمام علماؑ اور ائمہ فتویٰ کا اجماع ہے (آگے چند اکابر ائمہ کے نام لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:) محمد بن سحنون فرماتے ہیں کہ تمام علماؑ کا اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والا کافر ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید جاری ہے، اور وہ تمام ائمہ کے نزدیک واجب القتل ہے، اور جو شخص اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔''

(ہدیۃ المہدیین ص:۹۰۸ عربی سے اردو)

لہٰذا مذکورہ تحریر جس میں آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاؑ کرام علیہم السلام کی اور تمام ملائکہ مقربین کی شان میں گستاخی و دریدہ دہنی کی گئی ہے، اس کے لکھنے اور شائع کرنے والے بلاشبہ تمام ائمہ دین کے نزدیک کافر و مرتد اور واجب القتل ہیں۔ اور جو شخص ان کے کفر و ارتداد اور واجب القتل ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ یہ تحریر نہایت دل آزار، اشتعال انگیز ہے جس

میں تمام انبیاؑ کرام اور تمام ملائکہ عظام پر تہمت تراشی کی گئی ہے، اور سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لے کر بطور مثال پیش کیا گیا ہے، پاکستان میں گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سزائے موت کا قانون نافذ ہو چکا ہے، اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان دریدہ دہن لوگوں کو عدالت میں لے جائیں اور اسلامی عدالت کا فرض ہے کہ ان گستاخوں پر سزائے موت کا حکم جاری کرے، تاکہ آئندہ اللہ کی زمین پر انبیاؑ کرام علیہم السلام کی توہین کی جرأت نہ کی جاسکے، واللہ اعلم!

الجواب صحیح:	الجواب صحیح:	الجواب صحیح:
مفتی ولی حسن	مفتی احمد الرحمٰن	مفتی محمد انور
رئیس دار الافتاء	جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی	
جامعہ علوم اسلامیہ		

زیڈ یو تاثیر (ہفت روزہ ''ختم نبوت'' ش:۴۲ ج:۷)